قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر

کا

تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک

★

ڈاکٹر سید حمید شطاری

Quran-e-Majeed-ke-Urdu Tarajim wa Tafaseer ka Tanqeedi Mutala' a 1914 Tak

(A critical study of the Urdu Translations and Commentaries of the Quran up to 1914 A. D.)

★

DR. SYED HAMEED SHATTARI,
(M. A., Urdu. M. A., Arabic, Ph. D.,)
Reader in Urdu (Rtd.) Osmania University.

1982

قرآن مجید کے اُردو تراجم وتفاسیر

کا

تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک

ڈاکٹر سید حمید شطاری
ایم اے (اردو) ایم اے (عربی) پی ایچ ڈی
ریڈر شعبۂ اردو (ریٹائرڈ) عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

ستمبر ۱۹۸۲ء

قیمت: پچاس روپے

بہ اعانت ایچ ای ایچ دی نظامس اردو ٹرسٹ
حمایت نگر روڈ ۔ حیدرآباد ۔ ۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

حرفے چند

مجھے اس بات کی از حد مسرت ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے میرے ایک قدیم رفیق کار، ڈاکٹر سید حمید شطاری کی قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کے متعلق برسوں کی عرق ریزی آج بہ شکل تصنیف اہل نظر کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ یہ امر محمود و مسعود دونوں ہے۔

۱۹۶۲ء میں جب میرا اس یونیورسٹی میں پروفیسر و صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے انتخاب ہوا تو چند اساتذہ جو اس وقت مرکزی شعبہ اردو میں کام کر رہے تھے ان میں شطاری صاحب بھی تھے۔ عمر و وقت، علم و ستائش سب سے بے نیاز وہ اس وقت پی ایچ ڈی کے مذکورہ بالا مقالے کی تیاری میں مصروف تھے۔ جب مجھے ان کے موضوع اور ان کی عربی کی صلاحیت کا علم ہوا تو بے حد جی چاہا کہ شطاری صاحب اپنے اس کام کو زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ کر ڈالیں

TooBaa-Research-Library

تو اچھا ہے۔ مجھے خاص طور پر دلچسپی اس مواد سے تھی جو دکنی میں قرآن کریم کے
تراجم و تفاسیر سے تعلق رکھتا تھا اور بے طرح دکن کے کتب خانوں میں بکھرا پڑا
تھا۔ چنانچہ میں نے شطاری صاحب کو مختلف طریقوں سے گرمایا اور 'برمانا' شروع
کیا۔ اس مقالے کے سلسلے پر غالباً یہی میرا حصہ ہے کہ آج شطاری صاحب نے
مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ ان کے اس گراں قدر علمی کام کا تعارف میں لکھوں۔

ڈاکٹر سید حمید شطاری صاحب کا یہ تحقیقی کام کئی لحاظ سے لائق توجہ ہے۔
خاص طور پر اس کے ابتدائی ابواب کا مواد، جو دکنی سے تعلق رکھتا ہے، تحقیق میں
ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ زبان دانی کی مہارت کی وجہ سے شطاری صاحب نہ
صرف ترجمے کے آداب سے کما حقہ واقف ہیں بلکہ انھیں قرآن کریم کے تراجم
کی تاریخی رفتار کا بھی بخوبی علم ہے۔ مذہبی کتب کے تراجم کا مسئلہ ہر مذہب میں
نزاعی رہا ہے۔ اس سلسلے میں بیانات و آرا نکلتی رہی ہیں۔ شطاری صاحب
نے اس بارے میں بڑی متوازن رائے دی ہے۔ ترجمہ پر علما کی قدغن کا جواز
بھی پیش کیا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کی ضرورت اور اہمیت کی نشان دہی بھی
کی ہے۔

مقالے کے ابواب ہی سے اس کی ہمہ گیری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
باب اوّل میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور ترجمے کی
دقتوں اور دیگر مسائل سے بحث کی گئی۔ باب دوم و سوم تحقیقی اعتبار سے زیادہ
اہم ہیں اس لئے کہ ان میں ۱۷۰۲ء تک کے قدیم دکنی نظم و نثر میں تراجم و
تفاسیر کے جو نمونے ملتے ہیں ان پر سیر حاصل علمی و لسانی بحث کی گئی ہے۔
ضمناً بہت سے نایاب نمونوں کو پہلی بار سامنے لایا گیا ہے۔ دکن کی مساعی
کے ساتھ ساتھ شمالی ہند کی مساعی کی بھی تفصیلات دی گئی ہیں۔ باب چہارم

میں اس موضوع سے متعلق ۱۷۸۹ء تا ۱۸۵۷ء کے درمیان جو مواد دستیاب
ہے اس کا تنقیدی جائزہ دیا گیا ہے۔ یہ بھی دکن اور شمالی ہند دونوں پر محیط ہے۔
جب کہ شمالی ہند کے مواد سے عام طور پر محققین واقف ہیں۔ اس عہد کے دکن
کے بہت سے نایاب نمونے پہلی بار ہمارے علم میں آئے ہیں۔ باقی ماندہ ابواب
نسبتاً جدید عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا سلسلہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی
اور آغا شاعر قزلباش کے منظوم ترجمہ قرآن مجید تک پہونچتا ہے۔

اس مقالے کی تیاری پر شطاری صاحب نے بے شمار تراجم و تفاسیر
کے مخطوطات سے استفادہ کیا ہے کاش وہ ان کی تفصیلات اپنی کتابیات
میں بھی شامل کر دیتے۔ محض اس وجہ سے کہ ان پر مقالے کے متن میں تبصرہ کیا
جا چکا ہے اس لئے انھیں کتابیات سے خارج کر دیا گیا ہے۔ مناسب معلوم
نہیں ہوتا۔ ان کے اس عمل سے ان کی محنت پر پردے پڑ گئے ہیں۔

مجموعی حیثیت سے یہ تصنیف اردو کے تحقیقی سرمائے میں ایک گراں قدر
اضافہ ہے اور مجھے امید ہے کہ قرآنیات اور تفسیر کے طالب علموں کے لئے
یہ عرصہ تک ایک حوالہ کی کتاب کا حکم رکھے گی۔

مسعود حسین
وزیٹنگ پروفیسر اقبال انسٹی ٹیوٹ
کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

۶ اگست ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

ایک روز ڈاکٹر مسعود حسین خان سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر قتیل سے قرآن مجید کے تراجم پر تحقیقی کام کرنے کی ضرورت پر گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل نے اس کام کے لئے میرا نام تجویز کیا۔ اب تک شعبہ اردو سے جن موضوعات پر پی ایچ ڈی کے مقالے پیش کئے جاتے رہے ہیں ان سے اس موضوع کی نوعیت بالکل مختلف تھی تاہم پی ایچ ڈی کی انتخابی کمیٹی نے بغیر کسی تامل و ترمیم کے مجھے اس موضوع پر کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کام شروع کر دیا گیا۔ ویسے مجھے تلاوت قرآن کے سلسلے میں الفاظ کے معنوی پہلوؤں اور جملوں کی نحوی تراکیب کو سمجھنے کا شوق رہا ہے لیکن اس کام کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے مختلف تراجم و تفاسیر سے تحقیقی نقطۂ نظر کے ساتھ رجوع کرنا پڑا۔ مختلف تراجم میں ایک ہی لفظ کے مختلف اردو ترجموں اور

اقتضائے حق سے ان تراجم کے کمزور یا درست ربط پر غور و فکر کرنا پڑا پھر تمام اردو تراجم کا ترتیب زمانی کے ساتھ مطالعہ ضروری تھا تاکہ یہ اندازہ ہو کہ مترجمین کا عجز کس حد تک ان کے عہد کی زبان و بیان کے عجز کا نتیجہ ہے اور کس حد تک مناسب و موزوں لفظ کے تفحص میں کوتاہی اس کی ذمہ دار ہے۔

مقالہ نگار نے زیر نظر مقالے میں جن تراجم و تفاسیر پر تنقید و تبصرہ کیا ہے ان میں بعض مخطوطات کے ایک سے زائد نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان سب کو شمار کیا جائے تو تقریباً ساٹھ تراجم و تفاسیر پر تنقید و تبصرہ کا کام انجام دیا ہے۔ جن میں مخطوطات کی تعداد (۲۶) ہے اور باقی مطبوعات ہیں پورے کام کو سہولت کے مد نظر پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب کی نوعیت تمہید کی سی ہے جس میں قرآن مجید کے ترجمے کی ضرورت کو واضح کرتے ہوئے مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا اجمالی خاکہ قلمبند کیا گیا ہے۔ دوسرا باب قدیم دکنی دور کے تراجم و تفاسیر سے متعلق ہے۔ ترجمے کا ابتدائی مساعی ہونے کے اعتبار سے اس دور کے تراجم کے مطالعے سے زبان کی کم مائیگی اور مترجم کے عجز بیان دونوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے زمانے میں جبکہ اردو نثر نگاری کا رواج ہی نہیں تھا اہل علم کا قرآن مجید کے ترجمے کی طرف متوجہ ہونا ان کے جوش ایمان اور شوق تبلیغ کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا باب ۱۱۱۵ھ سے ۱۲۰۴ھ تک کے تراجم و تفاسیر پر مبنی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مغلوں کے قبضہ کے بعد اہل دکن کی زبان اہل دہلی کے محاورے سے بڑی تیزی کے ساتھ متاثر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ دکنی تراجم و تفاسیر کی زبان سے بھی اس لسانی تغیر کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جاتا ہے۔

چوتھا باب ۱۲۰۵ سے ۱۲۷۴ھ م ۱۷۹۰-۹۱ تا ۱۸۵۷-۵۸ء

تک کے تراجم و تفاسیر سے متعلق ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے اثر سے شمالی ہند
کی اردو نثر میں سادگی اور بے تکلفی آئی۔ مترجمین ابتدا ہی سے حسب ضرورت
با محاورہ ترجمہ کی طرف بھی متوجہ رہے۔ اس دور میں دکنی مترجمین کی زبان اہل دہلی
کی زبان سے نسبتاً قریب آگئی تھی۔ اس لئے ان دکنی تراجم کی زبان بھی گزشتہ
دور کے مقابلے میں نسبتاً صاف اور قابل فہم ہو گئی ہے۔

پانچواں باب، ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۲ء کے تراجم و تفاسیر پر مشتمل ہے۔
یہ دور ادبی انقلاب سے متاثر ہو چکا تھا زبان دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں سے
آزاد ہو چکی تھی اور زبان کا ایک ایسا علمی معیار پیدا ہو چکا تھا جس کو ہندوستان
کے ہر صوبے کے اہل قلم استعمال کرنے لگے تھے اس دور میں خصوصیت کے ساتھ
اردو نثر کو بڑی ترقی ہوئی اس لئے اس دور میں ہر ترجمہ پچھلے ترجمے سے بہتر ملتا ہے
اس علمی زبان کی بدولت شمالی ہند اور دکن کے تراجم کی زبان میں نمایاں فرق
نظر نہیں آتا۔

زیر نظر تحقیقی کام کو ۱۹۱۲ء پر اس لئے ختم کیا گیا کہ اس کے بعد اردو نثر کے
آہنگ و اسلوب میں ایسا کوئی تغیر نہیں آیا جس سے قرآن کے ترجمے کی زبان
اور اسلوب بیان میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا ہو سکتی۔ ویسے ۱۸۵۷ء سے
۱۹۱۲ء تک جتنے تراجم و تفاسیر قلمبند ہوئے اس سے کہیں زیادہ ۱۹۱۲ء سے
عہد حاضر تک ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ تراجم خوب سے خوب تر کی
تلاش کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ بیسویں صدی کے آغاز میں علمی زبان اور علمی اسلوب
بیان کا جو معیار قائم ہو چکا تھا کم و بیش وہی معیار آج تک قائم ہے۔

قدیم دکنی دور کے تراجم و تفاسیر جس قدر بھی دستیاب ہو سکے ان پر
تبصرہ کیا گیا اس لئے کہ ان کارناموں کی حیثیت "الباقیات الصالحات" کی ہے

اور اولین مساعی ہونے کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس دور
کے ایسے تراجم و تفاسیر کے نمونے جو صرف چند آیات یا کسی سورۃ کا ادھورا
ترجمہ تھا اور مترجم کے نام و نشان کا بھی پتہ نہ تھا ایسی ادھوری اور گمنام مساعی
کو نظر انداز کیا گیا بلکہ اس دور کے مبسوط اور مکمل تراجم دستیاب ہو چکے تھے۔
ایسے تراجم و تفاسیر جن کے مخطوطے صرف پاکستان کے کتب خانوں میں
محفوظ ہیں ان تک مقالہ نگار کی رسائی ممکن نہیں تھی اس لئے مجبوراً ان کو بھی
چھوڑنا پڑا۔ البتہ مولوی عبد الحق نے جن تراجم و تفاسیر کا تعارف کرواتے ہوئے
بطور نمونہ ان کے اقتباسات نقل کئے ہیں مقالہ نگار نے انہیں اقتباسات
کی بنیاد پر جس قدر بھی ممکن ہو سکا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ ۱۱۱۵ھ
سے ۱۲۰۴ھ اور ۱۲۰۴ھ سے ۱۲۷۴ھ تک کے دکنی تراجم و تفاسیر میں فراہم
کارناموں کو شریک نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ ان کا مطالعہ زبان و بیان کے
تدریجی ارتقاء کے مطالعہ کے لئے مفید نہیں تھا۔ اسی طرح ۱۲۰۴ھ سے ۱۲۷۴ھ
تک کے شمالی ہند کے بھی تراجم و تفاسیر کو سمیٹا نہیں گیا۔ جن تراجم و تفاسیر کو
چھوڑا گیا ہے ان میں سے بعض تو دستیاب نہیں ہو سکے اور بعض دستیاب
تو ہوئے لیکن اس عہد کے اہم کارناموں کے مقابلے میں ان کی زیادہ اہمیت
نہیں تھی۔ ۱۸۵۷ء، ۱۲۷۴ھ سے ۱۹۱۲ء، ۱۳۳۲ھ تک چونکہ اس دور
میں کثرت سے تراجم و تفاسیر قلمبند ہوئے اس لئے اس دور سے بھی صرف
اہم کارناموں کے جائزہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ بہر حال کسی دور کے کسی ایسے اہم اور
[illegible] کارنامے کو نہیں چھوڑا گیا جس کا مطالعہ ترجمے کے تدریجی ارتقاء
کے سمجھنے میں مدد و معاون ہوتا۔

دکنی مخطوطات کی قدامت کی وجہ سے مترجم کے نام اور سنہ ترجمہ کی

تحقیق وقت طلب ثابت ہوتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن حیرت ہے کہ بعد
کے ادوار کے بعض تراجم و تفاسیر ایسے بھی ہاتھ آئے جن کے مترجم کی تحقیق اور
سنہ ترجمہ کی تعیین میں بڑی دشواریاں درپیش ہوئیں۔ بعض گمنام تراجم تو ایسے بھی
ملے جن پر کافی وقت اور محنت صرف کرنے پر پتہ چلا کہ یہ کارنامے مقالہ نگار
کو مترجم کے نام اور سنہ کے ساتھ دستیاب ہو چکے ہیں۔

اس مقالے میں زیادہ تر چند خاص سورتوں کے ترجمے پر تبصرہ کیا گیا ہے
اس لیے کہ مولوی عبدالحق نے پاکستان اور ہندوستان کے کتب خانوں کے
تراجم سے جن سورتوں کا ترجمہ بطور نمونہ اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ مقالہ نگار
کو مجبوراً انھیں پر تبصرہ کرنا پڑا اور ہندوستان کے جو تراجم و تفاسیر دستیاب
ہوئے ان سے بھی تقابلی موازنہ کی خاطر انھیں سورتوں کے ترجمے کو منتخب کرنا
پڑا۔ اس سے ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ اکثر گمنام و نشان مخطوطوں کا اتاپتہ
معلوم ہو گیا۔

زیر نظر مقالے کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ مقالہ نگار کی ساری توجہ
ترجمے کے الفاظ، جملوں میں ان کے دروبست اور جملوں کی نحوی ترکیب پر خصوصیت
کے ساتھ مرکوز رہی ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ خود مترجم نے قرآن مجید
کے منشا و مفہوم کو کس حد تک سمجھا ہے اور جو کچھ سمجھا ہے اس کی ادائی میں
اس کو کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ یوں تو قرآن مجید کے ترجمے کی مساعی
طرح طرح کی دقتوں کا شکار رہی ہیں لیکن عام طور پر مترجمین کو جن دقتوں
کا خصوصیت سے سامنا کرنا پڑا ہے وہ تین قسم کی ہیں۔ ابتدائی ادوار میں
زبان کی کم مایگی اور خصوصاً اسم فاعل اور اسم مفعول بنانے کے چند ہی
قاعدوں کی وجہ سے مترجمین کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دوسری

دقت لفظی ترجمہ کرنے کی وجہ سے پیش آئی ہے۔ قرآن مجید کے متن سے قریب
رہنے کی کوشش میں مترجمین کو عربی کی نحوی تراکیب کا اتباع کرنا پڑا۔ اس سے
اردو عبارت عربی کے قدم بقدم تو چلی لیکن مفہوم کی ادائی میں نہ صرف جھول
پیدا ہوا بلکہ کہیں کہیں تو مفہوم ہی خبط ہو گیا۔ تیسری دقت ضرورت سے زیادہ
محاورہ پر توجہ دینے سے پیدا ہوئی۔ محاورہ بندی کے اس رجحان سے بھی ترجمے
کو نقصان پہنچا۔ ترجمے کی ایسی متوازن روش جس میں لفظی ترجمے اور بامحاورہ
ترجمہ کا حسب ضرورت التزام ہو، بڑی دیر میں پیدا ہوئی۔ مفہوم کو دیکھنے سے
ترجمے میں جو اسقام پیدا ہوئے ہیں، وہ کسی دور سے مخصوص نہیں ہیں۔ اس
کا تعلق ترجمہ کی زبان و بیان سے نہیں ہے بلکہ متن نافہمی سے ہے۔ مقالہ نگار
نے ہر کارنامے کا جائزہ لیتے ہوئے مترجم کی کوتاہیوں کا جائزہ لینے کی
کوشش کی ہے خواہ ان کوتاہیوں کا تعلق زبان و بیان کے عجز سے ہو خواہ
قرآن مجید کے منشا و مفہوم کو نہ سمجھنے سے۔

یہ ممکن ہے کہ اس تنقیدی جائزے میں خود مقالہ نگار سے کہیں
لغزش ہو گئی ہو تاہم قرآن مجید کے تراجم کا اس انداز سے تنقیدی جائزہ
لینے کی شاید یہ پہلی کوشش ہے اور ان خطوط پر آئندہ کام کرنے والوں
کے لیے مشعل راہ ہو سکتی ہے۔

تراجم و تفاسیر کے مخطوطات و مطبوعات کے حاصل کرنے کے لیے
عام کتب خانوں سے ہٹ کر بعض خانگی کتب خانوں کی طرف بھی رجوع
کرنا پڑا ہے میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے خانگی
ذخائر کتب سے استفادہ کا موقع دیا۔

موضوع کے انتخاب اور اس موضوع پر کام کرنے کے لیے ڈاکٹر

مسعود حسین خاں سابق صدر شعبۂ اردو نے جو میرا انتخاب فرمایا اس کے لئے سب سے پہلے مجھے ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ ڈاکٹر ثریا پرنسپل یونیورسٹی کالج آف آرٹس اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس کا بھی شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے اس لئے کہ جب کبھی میں نے توسیع مدت کی درخواست کی تو انھوں نے میری دقتوں کو محسوس کر کے بلا تامل میری درخواست کو منظور فرمایا۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل کا بھی ممنون ہوں جن کے پرخلوص مشوروں اور ہدایتوں سے کام میں ہمیشہ سہولت پیدا ہوتی گئی اور جن کی وقتاً فوقتاً ہمت افزائی سے کام آگے بڑھتا گیا۔ فقط

سید حمید شطاری

موضوع کا تجزیہ

"قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ
۱۹۱۴ء تک"

باب اوّل

باب دوّم

باب سوّم

باب چہارم

باب پنجم

باب اوّل

قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کا خاکہ

۸۶
۹۲

قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کا خاکہ

قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے زمانے میں نازل ہوا جبکہ افق عالم پر کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سابق انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں۔ تمام اخلاق سوز باتیں اور مذموم حرکتیں انسان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں حق تعالیٰ نے اصلاح انسانیت کے لئے نبی آخر الزماں سید نا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کتاب قرآن مجید کے ساتھ مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر بڑا احسان کیا۔ آیت ـ

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً
من انفسھم یتلو علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم
الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال
مبین۔

(ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا ہے اور خدا کی کتاب اور حکمت سکھاتا ہے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔)

تھوڑے ہی عرصہ میں خطہ عرب قرآن مجید کی ضیا پاش تعلیمات سے منور ہو گیا۔ یہ نور مبین جب عرب کے باہر دیگر ممالک اور اقوام تک پہنچا۔ قرآن مجید عربی زبان

میں تھا اور باہر کے لوگ اس سے ناواقف تھے ویسے تلاوت تو ہوتی تھی لیکن نزول قرآن کا مقصد محض تلاوت نہیں بلکہ اس کے احکام پر عمل آوری ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

کتب انزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمت
الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز
الحمید۔

(ترجمہ:۔ یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے تجھ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لائے۔ قابل تعریف زبردست کے رستے پر۔)

" لتخرج الناس " کے حکم میں صرف قوم عرب ہی نہیں آتی بلکہ تمام عالم کے انسان اس حکم میں داخل ہیں۔ چونکہ ہر شخص کا عربی زبان کو حاصل کرنا ممکن نہ تھا اس لئے علماء نے کوشش کر قرآن مجید کو مقامی زبانوں میں ترجمہ کر کے اس کے احکام اور تعلیمات سے عوام کو واقف کرایا۔ اس طرح قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی ابتدائی کوشش بخارا کے سامانی سلاطین (سنہ ۲۶۱ھ تا ۳۸۹ھ) کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں علامہ نجم الدین ابو عمر و محمود زاہدی (متوفی سنہ ۶۵۸ ہجری) نے تفسیر زاہدی کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا اور تفسیر بھی لکھی۔[2] مولوی قاضی عبد الصادم کی مرتبہ فہرست[3] میں فارسی تراجم کی تعداد چھ بتائی گئی ہے جس میں سر فہرست شیخ سعدی شیرازی کا ترجمہ ہے[4]

---

[1] مضمون "قرآن مجید کے اردو تراجم" از مولوی سید محبوب رضوی مطبوعہ رسالہ دارالعلوم بابت اگست سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ (۲۶)۔ [2] تاریخ القرآن صفحہ (۱۹) [3] مولوی سید محبوب رضوی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ در اصل سید شریف علی الجرجانی (متوفی سنہ ۸۱۶ھ) کا ترجمہ ہے جسے تجارتی اغراض و منافع کے تحت شیخ سعدی سے منسوب کر دیا گیا جیسا کہ مخفی دہلوی کے دیوان کو شہزادی زیب النساء سے منسوب کر کے فائدہ اٹھایا گیا۔ رسالہ دارالعلوم بابتہ اگست سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ (۳۰)

باقی پانچ مترجمین کے نام یہ ہیں۔

آقا نعمت اللہ طہرانی، مرزا خلیل اصفہانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔

اس فہرست میں ملا حسین واعظ کاشفی (متوفی سنہ ۹۰۷ھ) کا نام نہیں ملتا حالانکہ ان کی "تفسیر حسینی" ان کے اپنے اور مابعد زمانے میں بھی بہت مقبول رہی ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب کے علماء نے قرآن مجید میں جب غور کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ یہ (قرآن مجید) جامع خصوصیات صحائف سابقہ ہے۔ "اس میں زبور کی طرح مناجات بھی ہیں اور انجیل کی طرح امثال کا ذخیرہ بھی ہے اور تورات کی طرح شریعت کا گنجینہ بھی"۔ اس لئے بھی مختلف مذاہب کے پیرو اقوام نے اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی کوئی علمی زبان نہیں ہے جس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" کے احکام میں مسلمانوں نے ہر دور میں حسب حیثیت و استعداد قرآن مجید کی خدمت کی ہے۔ ضرورت وقت کے تحت علماء قرآن مجید کے ترجمے ہر دور میں کرتے رہے اس لئے تمام تراجم کی صحیح تعداد بتانا بہت مشکل ہے۔ تاہم بعض اصحاب تحقیق نے تا بحد علم متعدد فہرستیں مرتب کی ہیں۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے تاریخ القرآن میں ایک فہرست دی ہے لیکن وہ بہت مختصر ہے۔ رسالہ برہان دہلی[1] میں تقریباً سو تراجم کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے لیکن اس کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی محمد عبد الصمد صارم کی مرتبہ فہرست (۳۸) مختلف زبانوں میں کئے گئے تقریباً ایک سو چالیس تراجم پر مشتمل ہے۔ ترکی زبان میں کئے گئے تین ترجموں کا بھی اس میں ذکر ہے۔ پہلے دو ترجموں یعنی ترجمہ حسین حبیب آفندی اور ترجمہ علامہ جمال کا سنہ ترجمہ نہیں بتایا گیا۔ البتہ تیسرے ترجمے کے متعلق سے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ والیہ بھوپال نواب سکندر بیگم (متوفیہ سنہ ۱۲۸۵ھ) کی ایماء پر ہوا ہے۔ انگریزی زبان میں کئے

[1] رسالہ برہان دہلی بابتہ فروری سنہ ۱۹۴۰ء۔

گئے تراجم کی تعداد (۱۶) بتائی گئی ہے جن کے آٹھ مترجم انگریز ہیں اور آٹھ مسلمان۔ اس فہرست کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا انگریزی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ سنہ ۱۶۴۹ء میں شائع ہوا۔ مترجم کا نام سکندر روس ہے۔ یہ ترجمہ ایک مرتبہ لندن سے اور ایک مرتبہ امریکہ سے شائع ہوا ہے۔ جارج سیل کا ترجمہ مع مقدمہ پہلی بار سنہ ۱۷۳۴ء میں چھپا۔ یہ چھتیس مرتبہ شائع ہوا ہے۔ آخری ایڈیشن سنہ ۱۹۱۳ء کا ہے سر ڈینسن روس نے اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔ یہ ترجمہ امریکہ میں آٹھ مرتبہ شائع ہوا ہے۔ بعد کے ترجموں میں ترجمہ روڈول (سنہ ۱۸۶۱ء) ترجمہ ای۔ ایچ پامر (سنہ ۱۸۸۰ء) ترجمہ پکھتال[1] (سنہ ۱۹۳۰ء) ترجمہ سر ڈاکٹر بل ترجمہ لین (منتخب ترجمہ) ترجمہ مارگولیس (سولہ پاروں کا) ہیں۔

انگریزی زبان کے مسلم مترجموں میں سب سے پہلے عبد الحکیم خان کا نام ملتا ہے۔ یہ سنہ ۱۹۰۵ء کا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد کے مترجمین کے نام حسب ذیل ہیں۔

مرزا ابو الفضل	سنہ ترجمہ	۱۹۱۳ء
محمد علی	سنہ ترجمہ	۱۹۱۶ء یہ ترجمہ تین مرتبہ شائع ہوا اور ہالینڈ کی زبان میں بھی منتقل کیا گیا۔
غلام سرور	"	۱۹۳۰ء میں آکسفورڈ سے شائع ہوا۔

نواب عماد الملک

عبد اللہ یوسف علی (سنہ ۱۹۳۵ء)

مولوی عبد الماجد دریا بادی۔

ایک ترجمہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے بھی شائع ہوا ہے۔

حال ہی میں ڈاکٹر سید عبد اللطیف نے بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور غالباً یہ قرآن مجید

[1] یہ ترجمہ سابق حضور نظام میر عثمان علی خان کے حکم سے کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں نیویارک (امریکہ) سے شائع ہوا۔

کا جدید ترین انگریزی ترجمہ ہے۔ اختصار کی خاطر صرف زبانوں کے نام اور ترجموں کی تعداد ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فارسی	ترکی	گجراتی[1]	انگریزی	فرانسیسی	جرمنی	یونانی	لاطینی	پولینڈ
۶	۳	۴	۱۷	۷	۱۳	۱	۲	۱
اطالوی	پرتگالی	اسپینی	ہنگری	سروی	ہالینڈ	اسپانی	عبرانی	انڈونیشی
۸	۱	۶	۲	۱	۵	۱	۲	۱
ڈنمارک	ارمنی	رومانی	آسٹریا	جاپانی	بوہمی	بلغاری	چینی	سویڈن
۲	۳	۱	۲	۱	۲	۲	۴	۳
افغانی	سواحیلی زبان	بنگالی[2]	پنجابی	سندھی	جاوی	پشتو	ہندوستانی قدیم	
۱	۵	۴	۲	۱	۱		۱	
ہندی[3]	اردو							
۱	۲۲							

اردو تراجم کے تعلق سے بعض معلومات فاضل مصنف تاریخ القرآن کو غلط بہم پہنچی ہیں مثلاً لکھا ہے۔

(۱) "اردو کا سب سے پہلا ترجمہ مولوی عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی (دکنی) کا ہے۔ اس کا نام "چراغ ابدی" ہے" (سنہ ۱۲۲۱ ہجری)

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ترجمہ موضح الفرقان کا بھی گجراتی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ (فیض الاسلام راولپنڈی قرآن نمبر صفحہ ۹۰)۔

[2] شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کو بھی سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں بنگالی زبان میں منتقل کیا گیا۔

[3] فاضل مصنف تاریخ القرآن نے ہندی زبان کے اس ترجمے کا حوالہ دیا ہے جو خان بہادر احمد الدین [illegible] او بی ای سکندر آباد دکن نے کیا تھا۔ یہ غالباً سنہ ۱۳۵۰ ہجری میں شائع ہوا تھا۔ اب تو ہندی تلگو اور مرہٹی زبانوں میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں۔

(۲) "سب سے پہلا مکمل اردو ترجمہ حکیم شریف خان دہلوی متوفی سنہ ۱۲۲۲ ہجری کا ہے۔"

(۳) ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی سنہ ۱۲۳۰ ہجری"۔

مندرجہ بالا معلومات کی غلطی کی اصل وجہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ قرآن مجید کے صحیح سنہ سے لاعلمی ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری کا ہے اور ۱۲۳۰ ہجری سنہ وفات ہے۔ قدیم ہندوستانی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کے تعلق سے بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلا ترجمہ سنہ ۲۷۰ ہجری میں کیا گیا۔ چنانچہ فاضل مصنف تاریخ القرآن رسالہ ترقی زبان (صفحہ ۳۵) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہندوستانی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ راجہ مہروگ بن رایگ فرمانروائے حصہ شمالی پنجاب نے سنہ ۲۷۰ ہجری میں کرایا۔ پروفیسر گوشال ایم۔ اے ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ایف۔ ایس۔ اے لندن لکھتے ہیں۔ "اسی صدی (نویں صدی عیسوی) میں قرآن شریف کا ہندو راجہ کی تحریک پر ہندی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔"

مولوی محمد عالم مختار حق نے اپنے مضمون "قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر" میں (۱۹۷) تراجم و تفاسیر کی ایک فہرست بلحاظ لغت سے ترتیب دی ہے[1]۔ اسی میں سنہ ۲۷۰ ہجری کے ہندی زبان میں کئے گئے قرآن مجید کے اس ترجمے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے:

"تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے قدم سندھ (پاکستان) میں پہلی صدی ہجری کے آخر تک پہونچ چکے تھے۔ مگر یہاں کی مقامی زبان میں ترجمہ قرآن مجید کا ذکر ہمیں تیسری صدی ہجری کے مشہور سیاح بزرگ بن شہریار

---

[1] رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی قرآن نمبر۔

ناخدا سے ملتا ہے جس کا سفرنامہ روس میں طبع ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۲۷۰ ہجری میں شمالی پنجاب کے حاکم نے منصورہ (سندھ) کے مسلمان حاکم عبداللہ بن عبدالعزیز سے درخواست کی تھی کہ اس کے لئے ہندی (یا سندھی) زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کا اہتمام کیا جائے۔ انھوں نے ایک عراقی عالم کو جس کی پرورش اسی سرزمین ہی میں ہوئی تھی اس کام پر مامور کیا جس نے قرآن مجید کا ترجمہ سورہ یٰسین تک کیا جس کے مطالعہ کے بعد ہندو راجہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔"

یہ فہرست سنہ ۱۹۶۶ء تک کیے گئے تراجم و تفاسیر دونوں پر مشتمل ہے[1]۔ اس لئے بھی کہ کسی ترجمۂ قرآن کو محض ترجمہ قرار دینا بھی مشکل ہے۔ بعض علماء ایسے ترجموں کو بھی تفسیر قرار دیتے ہیں جن میں متن کے ترجمے کے علاوہ کچھ زائد الفاظ ہوتے ہیں اگرچہ یہ ہلالین میں ہوں اور تفہیم مطلب میں سہولت پیدا کرتے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر کے ساتھ ترجمہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔

تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن کو محض ترجمہ کہا جا سکتا ہے اور موضح قرآن کو تفسیر۔ فورٹ ولیم کالج کے ترجمۂ قرآن کو بھی خالص ترجمہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اکے دکے ہی ہلالین میں چند ہی زائد الفاظ ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے ترجمہ قرآن مجید (سنہ ۱۳۳۰ھ) میں اس کے خالص ترجمہ ہونے کا خاص خیال رکھا ہے اور تفسیر حاشیہ پر لکھی ہے۔

تیرھویں صدی ہجری میں اور خصوصاً شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم کے بعد شمالی ہند میں تراجم و تفاسیر پر دھیان دیا جانے لگا۔ پچھلے ادوار میں اس سلسلے میں جو کام ہوا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور عام طور پر یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ علمائے دین

---

[1] میر غلام وارث کی تفسیر جیبان القرآن یا بیان صدق پانچ جلدوں میں سنہ ۱۹۶۶ء میں دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

کی مخالفت ترجمہ و تفسیر کے کام میں مانع رہی۔ چنانچہ مولوی عبدالحق نے بھی بایں الفاظ اس خیال کی تائید کی ہے۔

"آسمانی صحیفوں کے ترجمے کی مخالفت تقریباً ہر ملک اور ہر قوم میں کی گئی ہے اور یہ مخالفت ہمیشہ علمائے دین کی طرف سے ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کو علوم دینیہ کا خاص ماہر اور اسرار الٰہی کا وارث خیال کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ باتیں عام ہو جائیں۔ بعض اوقات اس لئے بھی مخالفت کی گئی کہ ترجمے اور تفسیریں ان کے منشا کے خلاف تھیں۔"[1]

مولوی صاحب نے یہ ایک عام بات لکھی ہے چنانچہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں سارے یورپ پر مسیحی کلیساؤں کا ظلم و استبداد چھایا ہوا تھا۔ پوپ اعظم اور کلیسائے روم کے احکام وحی آسمانی کی طرح مقدس اور واجب التعمیل تھے نہ مذہبی علوم حاصل کرنے کی عام اجازت تھی نہ مذہبی پیشواؤں کی تنگ خیالی کے خلاف کوئی علمی تحقیقات کر سکتا تھا۔ گیلی لیو (GALILEO) کلیسائے روم کے فتوے کے مطابق اس لئے جلا کر خاکستر کر دیا گیا کہ اس نے اپنی تحقیقات کی بنا پر زمین کے گول ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ میں انجیل و توریت کے مترجمین کو طرح طرح کی ایذائیں دی جانے لگیں اور علماء کی مجلس میں ان کے ترجموں کے متعلق امتناعی احکام جاری کیے جانے کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ ریمس (علاقہ فرانس) کے ایک نان بائی "ایش رڈ" کے خلاف علمائے وقت نے اس کے بعض عقائد کی بنا پر جن کی وہ تبلیغ کرتا تھا کفر کا فتویٰ صادر کیا اور وہ زندہ جلا دیا گیا اور مجلس علماء نے فرانسیسی زبان میں بائبل کے ترجمے کی مخالفت کر دی[2]۔ آکسفورڈ میں سنہ ۱۲۰۸ء میں بھی

---

[1] قدیم اردو ص (۱۱۸)۔

[2] مڈیول کلچر مولفہ ہیکنس صفحہ (۲۴۸)۔ قدیم اردو ص ۱۱۹۔ مولوی عبدالحق۔

شخص کا اپنے اختیار سے بائبل کا ترجمہ کرنا جرم قرار دیا گیا تھا۔[1] ایک زمانے میں ہندوستان میں بھی
مذہبی علوم کا پڑھنا پڑھانا صرف ایک طبقہ (برہمنوں) تک محدود تھا۔ مقدس ویدوں کو چھونا تو کجا
وید کا کوئی لفظ بھی شودر کے کان میں پڑ جاتا تو وہ سزا کا مستوجب ہوتا اور اس کے کان میں
پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ یہ اور اس قسم کے کئی واقعات تاریخ میں
ملتے ہیں لیکن ان کا تعلق مذہب سے زیادہ سیاست وقت سے معلوم ہوتا ہے جب
مذہب میں سیاست دخیل ہو جاتی ہے تو اس قسم کی خرابیاں اور بدعنوانیاں وجود پاتی ہیں
لیکن جہاں سیاست مذہب کے تابع ہو اور پیشوایان مذہب اور بزرگان دین کی زندگی
کا مقصد کتاب اللہ کی تعلیمات کی اشاعت ہو وہاں مولوی عبدالحق یا کسی معترض کے الزام کا
اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی زمانے کے بہت سے اہل اللہ اور صوفیائے کرام کے
کارنامے دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے البتہ بعض کے اقوال و ابیات سے جو ان
کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً آ گئے ہیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ حضرات
قرآنی تعلیمات کی تفہیم و تلقین میں نہ صرف قرآن کے الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے
تھے بلکہ تفہیم کے لئے ان کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ بسا اوقات تو اپنے معتقدین اور مریدین
کے کسی سوال کے جواب کی وضاحت میں قرآن کی آیت یا جزو آیت پیش کرتے تھے۔ شیخ
فریدالدین گنج شکر (متوفی سنہ ۶۶۸ھ)[2] کے خلیفہ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق سے روایت
ہے کہ شیخ ممدوح سے ایک مرتبہ مجلس میں کسی نے دریافت کیا کہ جسم میں عقل کا کونسا مقام
ہے۔ آپ نے فرمایا "بیچ سر کے" اور یہ آیت پڑھی " وتلک الامثال نضربها
للناس وما یعقلها الا العالمون[3] " حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد سوم صفحہ (۸۹۷) قدیم اردو ص (۱۹) مولوی عبدالحق۔
[2] محمود شیرانی نے سنہ وفات ۶۶۴ھ لکھا ہے۔ پنجاب میں اردو صفحہ (۱۴۴)
[3] اردوئے قدیم ص (۳۱)۔ (شمس اللہ قادری)۔ آیت یہ ہے۔ وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون۔ سورہ عنکبوت ع ۴ (مقالہ نگار)

متعلق یہ بات مشہور ہے کہ "خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف و
حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے۔ گاہے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں
بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ جو لوگ عربی و فارسی سے ناواقف تھے ان کے سمجھانے کے لئے
آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے۔"[1] شیخ بہاؤالدین باجن (۷۹۰ھ–۹۱۲ھ) کا مندرجہ
دوہرہ گویا "لیس کمثلہ شیٴ" کی تفسیر کی ہے۔

باجن وہ کچھ سریکا نہیں اوراس سریکا نہیں کوئے
جیسا کوئی من منہ چت دے دیکھا بھی نہ ہوئے[2]

باجن ہندی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں
جنھوں نے اردو زبان کو زبان دہلوی کے نام سے یاد کیا ہے۔
عبدالقدوس گنگوہی (۸۶۰ھ–۹۴۵ھ) کا مندرجہ ذیل دوہرہ آیت "فاینما تولوا
فثم وجہ اللہ" کی تفسیر کرتا ہے۔

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں اور نہ کوئے
دیکھا بوجھ بچار منہ سبھی آپ ہیں سو سوئے[3]

مختصر یہ کہ ایسے بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے بارے میں جنھوں نے اپنے
زمانے میں قرآنی تعلیمات کی تلقین و تفہیم اور احکام کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا
یہ قیاس کرنا کہ ترجمہ و تفسیر قرآن کے کام میں وہ مانع تھے سوء ظنی ہے۔ اشاعت قرآن
میں ترجمہ و تفسیر دونوں کا اہم حصہ رہا ہے لیکن تفسیر کو ترجمہ پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔ قرآن کریم میں جن ہدایات اور

---

[1] اردوئے قدیم۔ ص (۴۴) شمس اللہ قادری۔
[2] پنجاب میں اردو ص (۱۸۳)۔
[3] اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص ۳۵۔

علوم و فنون کے تعلق سے صرف اصولی بیان کیے گئے ہیں اور بعض امور جو بالاجمال مذکور ہیں ان کی تفہیم رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منشائے الٰہی کے مطابق فرماتے تھے اس طرح آپ نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن کریم کی تفسیر ہی ہے۔ آپ کے ارشاد کو حدیث کہتے ہیں اس لئے قرآن مجید کی سب سے پہلی تفسیر حدیث اور آپ کی عملی زندگی ہے۔ قاضی عبدالصمد صارم لکھتے ہیں کہ:

"آپ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ایک ہزار حدیث کا ایک مجموعہ مرتب کر کے صادقہ نام رکھا تھا۔ یہ کتاب دوسری صدی ہجری تک موجود تھی۔" [1]

حضور کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد تفسیر لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ خلافت راشدہ کے عہد میں دو تفسیریں لکھی گئیں:

۱۔ تفسیر حضرت ابی بن کعب۔ یہ پانچویں صدی ہجری تک موجود تھی۔
۲۔ تفسیر عباسی۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس کی ہے۔ اس کے نسخے متفرق کتب خانوں میں اب تک موجود ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد میں حضرت سعید بن جبیر نے تفسیر لکھی۔[2] مولوی صارم نے تاریخ التفسیر میں پانچ سو تفاسیر کا تذکرہ کیا ہے اور تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک مکمل تفسیر کی تعداد (۱۱۶۱) بتائی ہے[3] اور ہندوستان کی حد تک تفاسیر کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ:

"تخمیناً کہتا ہوں کہ ہندوستان میں کم و بیش سو مکمل تفسیریں تصنیف

---

[1] تاریخ القرآن صفحہ (۱۱۸)
[2] رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی قرآن نمبر صفحہ (۴۳)

ہوئیں غیر مکمل کا شمار نہیں۔" [3]

اس کے بعد عربی، فارسی اور اردو تفاسیر سے مشہور تفسیروں کے حسب ذیل نام دیئے ہیں:

۱۔ تفسیر محمدی، شیخ حسن محمد گجراتی سنہ ۹۸۲ھ
۲۔ سواطع الالہام، علامہ فیضی سنہ ۱۰۰۴ھ
۳۔ بیان القرآن عربی دس جلد، قاضی عبدالشہید سیہ بادی
۴۔ تفسیر نظامی، شیخ نظام الدین تھانیسری سنہ ۱۰۲۴ھ
۵۔ تفسیر احمدی، ملاجیون سنہ ۱۱۳۰ھ
۶۔ تفسیر فتح الخبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی سنہ ۱۱۷۶ھ
۷۔ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی سنہ ۱۲۵۵ھ
۸۔ تفسیر موضح قرآن، شاہ عبدالقادر دہلوی سنہ ۱۲۳۰ھ
۹۔ تفسیر فتح العزیز، شاہ عبدالعزیز دہلوی سنہ ۱۲۳۹ھ
۱۰۔ جامع التفاسیر، نواب قطب الدین خاں سنہ ۱۲۶۵ھ
۱۱۔ فتح البیان، نواب صدیق حسن خاں سنہ ۱۳۰۷ھ
۱۲۔ فتح المنان، مولانا عبدالحق حقانی دہلوی (غالباً سنہ ۱۹۰۰ء)
۱۳۔ تکمیل التنزیل، مولانا سید ابو المنصور دہلوی (سنہ ۱۹۰۰ء)

دکن میں بھی بہت سے بزرگان دین نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں۔ حسب ذیل مفسرین مشہور ہیں:

علامہ حسن بن محمد معروف نظام نیشاپوری (سنہ ۷۳۰ ہجری) خواجہ گیسو دراز (سنہ ۸۲۵ھ)۔ شیخ علی مہائمی (سنہ ۸۳۵ھ) ملک العلماء قاضی شہاب الدین

---

[3] تاریخ القرآن صفحہ (۹۷)۔

TooBaa-Research-Library

دولت آبادی (سنہ ۹۴۹ھ) ملا فتح اللہ شیرازی (سنہ ۹۹۷ھ) شیخ وجیہ الدین علوی (سنہ ۹۹۸ھ) مولوی عبد الصمد بن نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ ولد عبد الوہاب نصرت جنگ (سنہ ۱۰۸۷ھ)۔ [1]

اس مختصر بیان سے واضح ہوگا کہ قرآن مجید کی خدمت تفسیر کے ذریعے سے عہد رسالت سے ہو رہی ہے اور یہ کام اب تک جاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی وقت قرآن کے ترجموں یا تفسیروں کی مخالفت کی گئی تو علمائے کرام کی برائی اور فضیلت میں فرق آ جانے کے اندیشے سے نہیں کی گئی اور نہ اس خوف سے کہ ترجمے یا تفسیریں ان کے منشاء کے خلاف ہوں گی۔ اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں یہ ترجمے اور تفسیریں منشاء اور مفہوم قرآن کے خلاف نہ ہو جائیں۔

ترجمہ قرآن کے چند بنیادی اصول:۔ کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا آسان کام نہیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرنا تو اور بھی دشوار ہے کیونکہ اس کے ترجمے میں ایسے الفاظ کے انتخاب کی ضرورت ہے جو عقائد اور احکام کی پوری پوری ترجمانی کرتے ہوں اور ان الفاظ کا مفہوم منشائے قرآن و مفہومِ متن کی صحت کے ساتھ وضاحت کرتا ہو۔ ترجمہ کا بنیادی منشاء متن کے خیال اور مفہوم کی ادائی ہے۔ مترجم کو زبان پر کامل قدرت ہونی چاہئے۔ نہ صرف ترجمہ کی زبان پر بلکہ قرآن کی زبان پر بھی اس طرح عبور حاصل ہو کہ وہ ان الفاظ کے وہی معنی لے جو بوقت نزول قرآن سمجھے جاتے تھے۔ خود مولوی عبد الحق کو ترجمہ کی اہمیت اور دشواری کا اندازہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] تاریخ القرآن صفحہ (۸۰) میں سنہ ۱۰۸۷ ہجری لکھا ہے حالانکہ مولوی عبد الصمد نے مابعد سنہ ۱۲۳۰ ہجری میں تفسیر ہائی لکھی ہے۔ مقالہ زیر نظر میں اس تفسیر پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان پر کامل قدرت ہونی چاہئے۔ عقائد اور احکام کا دار و مدار الفاظ کے مفہوم پر ہے۔ الفاظ کا مفہوم مرور زمانہ سے بدل جاتا ہے۔ اس لئے مترجم کے لئے لازم ہے کہ وہ جانتا ہو کہ جس زمانے میں یہ کتاب نازل ہوئی اس وقت ان الفاظ کے کیا معنی تھے اور قائل کا ان سے کیا مقصود ہے۔ کبھی کبھی ذو معنی اور پہلو دار لفظ بھی آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت اس کا مفہوم کچھ لیتی ہے اور دوسری جماعت کچھ۔ اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لفظ کے معنی اور نحوی ترکیب کی وجہ عقائد میں اختلاف پیدا ہو گئے اور دو فرقے بن گئے۔ ترجمے میں ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ ان میں بھی دونوں پہلو قائم رہیں۔ بہت دشوار بلکہ اکثر اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ ان تمام احتیاطوں کے باوجود ترجمے میں اصل کی سی فصاحت اور خوبیاں اور اثر قائم رکھنا سب سے بڑا دشوار کام ہے۔"

مولوی عبد الحق کو ترجمے کے پُرپیچ اور سنگلاخ راستے کا اندازہ ہے اس لئے بھی کہ وہ خود اس پر گامزن رہ چکے ہیں۔

ترجمے میں اصل کی خصوصیات پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض مترجمین نے رحمٰن اور رحیم کے فرق مراتب اور دونوں کے صیغۂ مبالغہ کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ مالک یوم الدین میں مالک کا ترجمہ حاکم کر دیا۔ یہ خیال نہیں کیا کہ حاکم کو محکوم پر ایک اختیارِ خاص کے سوا اور کوئی اختیار نہیں ہوتا اور مالک کو مملوک پر کلیۃً اختیارات تقریباً ہیں۔ رب العٰلمین میں رب کا ترجمہ صاحب، مالک وغیرہ جیسے الفاظ سے کیا ہے۔ حالانکہ رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد رب العٰلمین کے ترجمے کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے والے کے ہیں لیکن پالنے کو اس کے

وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیئے۔ اس لئے بعض ائمۂ لغت نے اس کی
تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔ "ھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حد التمام"
یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق
اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حد کمال تک پہنچ جائے۔ اگر ایک شخص
بھوکے کو کھانا کھلا دے یا محتاج کو روپیہ دیدے تو یہ اس کا کرم ہوگا جود
ہوگا احسان ہوگا۔ لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت
کے لئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل
اہتمام ہو اور ایک وجود کو اس کی تکمیل و بلوغ کے لئے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ
ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں ان سب کا سروسامان ہوتا رہے۔ نیز ضروری
ہے کہ یہ سب کچھ محبت و شفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت و شفقت
کے عاطفہ سے خالی ہوگا ربوبیت نہیں ہو سکتا۔" [1]

عام طور پر ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ترجمے میں اصل عبارت
کا صحیح مفہوم پیش کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اصل زبان کے الفاظ اور محاورات کو ترجمے کی
زبان کے مترادف الفاظ و محاورات میں منتقل کر دیا جائے اور اصل مفہوم بھی باقی رکھا
جائے۔ یہ دوسرا طریقہ نسبتاً بہتر ہے اور بالخصوص قرآن مجید کے ترجمے کے تعلق سے
مشکل تر بھی۔ قرآن کریم کی زبان عربی اس قدر وسیع ہے کہ اس کے الفاظ اور محاورات
کو ترجمے کی زبان میں منتقل کرنے کے لئے موزوں الفاظ اور محاورات نہیں ملتے۔ بالفرض
محض الفاظ سے کام لے بھی لیا جائے تو ترجمہ میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو باقی
رکھنا مشکل ہے مثلاً "وجئتک من سبإ بنبإ یقین" کا ترجمہ کرنا ہو تو پہلے معنوی اعتبار

[1] ترجمان القرآن جلد اول صفحہ (۱۰ و ۱۱)

سے نبأ کے لئے اردو زبان میں موزوں لفظ انتخاب کریں گے۔ نبأ کے معنی خبر کے ہیں لیکن
ایسی خبر جو باوقعت اور شاندار ہو۔ اس مفہوم کا کوئی ایک لفظ اردو میں ڈھونڈنا تحصیل
لاحاصل ہے۔ صفت موصوف بنائیں تو الفاظ میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود
نبأ کی سی وقعت اور شان ترجمہ میں نہیں آنے پاتی۔ پھر لفظ "یقین" بھی ہے۔ اب "نبأ
یقین" کا ترجمہ "باوقعت یا شاندار خبر یقینی" یا "تحقیقی خبر" "خبر یقینی" یا "یقینی خبر"
کرنا ہوگا۔ لیکن قرآن مجید میں جو فواصل کا لطف "یقین" سے پہلے کی آیتوں میں —
"الغائبین" "مبین" سے حاصل ہوتا ہے۔ ترجمہ میں اس کو قائم رکھنا ہوگا۔ نیز
"سبأ" "وبنبأ" میں جو صنعت بدیع (تجنیس محرف) ہے اس کو بھی ملحوظ رکھنا
ہوگا۔ پھر آیت کا ایجاز تو امکان بشری سے خارج ہے۔ ترجمے کے سلسلے میں اس آیت
کے پس منظر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ھد ھد حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار
میں غیر حاضر ہے۔ اس کے اس طرح بغیر اطلاع و اجازت کے غائب رہنے پر حضرت
سلیمانؑ شدید غم و غصہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور تاوقتیکہ کوئی عذر معقول اپنی غیر حاضری
کا پیش نہ کرے اس کو سخت سزا یا جان سے مار ڈالنے کا اعلان کرتے ہیں۔ دربار پر
رعب و جلال چھایا ہوا ہے۔ ایسے میں ہُدہُد آتا ہے۔ کسی طرح اسے عتاب کے سبب کا
علم ہو جاتا ہے۔ ہُدہُد نہیں جان سکتا کہ اس کی عذر داری قابل قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔
اس لئے اسے اپنی بات کو باوقعت اور وزن دار بھی بنانا ہے اور لب و لہجہ میں نرمی اور
لجاجت بھی پیدا کرنا ہے۔ بات کی اہمیت کے لئے باعظمت اور پرشکوہ الفاظ کی ضرورت
ہے تو اسلوب گزارش کے لئے نرم اور شیریں الفاظ کی۔ پھر ایسے وقت طول طویل بات
بھی مفید مطلب نہیں ہوتی۔ نہایت اختصار سے کام لینا پڑتا ہے۔ سب باتوں کو ملحوظ
رکھتے ہوئے کہتا ہے۔ احطت بما لم تحط بہٖ وجئتک من سبإ بنبإ یقین۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ٭ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن مجید اپنے پڑھنے والوں کو اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔[1] مولانا ابو الکلام آزاد کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے اسرار و معارف سے واقفیت ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"قرآن کے اسرار و معارف میں ایک غیر متقی انسان کے لیے کوئی حصہ نہیں گو وہ علم و فضل کے تمام مدارج طے کر لے۔"

بات یہ ہے کہ ایک صاحب نے قرآن مجید اور اس کے حقائق و معارف پر مولانا آزاد کی عمیق اور وسیع نظری کی تعریف کا انہیں ایک خط لکھا۔ مولانا نے اس کا جواب دیا کہ

"بلا شائبہ انکسار عرض کرتا ہوں کہ اس کی اہلیت کسی طرح اپنے اندر نہیں پاتا ممکن ہے کہ مذہبی باتیں تھوڑی بہت مجھے معلوم ہوں لیکن قرآن کریم کے معارف تو اتنے ارزاں نہیں جن کو میں اپنی حرف شناسی دیکر خرید سکوں۔ میں تو ان کے خط میں اپنی نسبت ایسے الفاظ دیکھ کر بے اختیار کانپ اٹھا اگر اس کے حقائق و اسرار کے فہم کے لیے "عربی دانی" کی ضرورت ہوتی تو میں عربی کچھ دیکھ بھی لیتا ہوں اگر "مذہبی معلومات" کی ضرورت ہوتی تو ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا اگر کتب "تفاسیر" کے مطالعے کی ضرورت ہوتی تو کتابوں کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ لیکن اس کے لیے یہ تمام باتیں بے کار ہیں پہلی شرط "اتقاء" اور "تزکیہ قلب" ہے اور ساری محرومی اس میں ہے کہ اس سے محروم ہوں۔ جو دل زاد تقویٰ سے محروم اور ہوائے نفسانی و آلائش دنیا پرستی میں گرفتار ہے وہ ایک لمحے کے لیے "قرآن" کے حقائق و معارف

[1] کِتٰبٌ اَنزَلنٰہُ اِلَیکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوا آیٰتِہ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الاَلبَاب (ص ع ۳)

کا محرم کار نہیں بن سکتا۔ علم و فضل اس کے لیے بیکار ہے اور ذہن و دماغ کو یہاں کوئی نہیں پوچھتا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ؁

از منطق و حکمت نکشاید در محبوب
اینجا ہمہ آرائش افسانۂ عشق است

یقین فرمائیے کہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں بالکل سچ ہے۔ قرآن کے اسرار و معارف میں ایک "غیر متقی" انسان کے لیے کوئی حصہ نہیں اگر وہ "علم و فضل" کے تمام مدارج طے کر لے۔ انصاف فرمائیے کہ جب یہ حالت ہو تو پھر میری اس مقام میں کیا ہستی ہے۔"[1]

ترجمے کی نزاکتوں اور دشواریوں کے باوجود قرآن کریم کے جتنے تراجم ہندوستان کے علمائے دین نے پیش کیے ہیں۔ غالباً کسی اور ملک سے پیش نہیں کیے گئے۔

---

[1] "الہلال" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء۔

TooBaa-Research-Library

باب دوّم

قدیم دکنی تراجم و تفاسیر ۱۱۱۵ھ م ۱۷۰۳ء / ۱۲۰۰ھ تک

الف: دکنی ادب کا مذہبی رجحان

مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے۔ اور آہستہ آہستہ تمام ہندوستان کے حاکم بن گئے۔ لیکن مسلمانوں کے لشکروں سے پہلے صوفیائے کرام ہندوستان کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ وہ اپنی حق پرستی، وسعت نظر اور وسیع المشربی کی وجہ سے غیر مسلموں کا مرجع بن گئے۔ حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش (متوفی ۱۰۶۲ء، ۴۵۶ھ) غزنویوں کے عہد حکومت میں لاہور آئے اور تا دم آخر اپنے فیضان باطن سے خلق خدا کو مالا مال کرتے رہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۴۲ء، ۵۳۷ھ تا ۱۲۳۵ء، ۶۳۳ھ) راجا پرتھوی راج کے زمانے میں اجمیر آئے۔ ان کے فیض عام کا آج بھی یہ عالم ہے کہ ان کے مزار پر بلا تخصیص مذہب و ملت ہر شخص حاضری دیتا اور فیض اٹھاتا ہے۔ خواجہ اجمیری کے سلسلے کے تمام بزرگ تالیف قلوب اور تبلیغ دین کے اس مسلک پر گامزن رہے ان کے علاوہ حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر (متوفی سنہ ۷۲۴ھ) حضرت شیخ یحییٰ منیری، شیخ عبد القدوس گنگوہی، حضرت سید شاہ محمد غوث گوالیاری، جیسے بیسیوں بزرگان دین ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے اور تبلیغ دین کے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ چونکہ ان صوفیائے کرام کا مشن غیر مسلموں سے خلوص و یگانگت کے روابط پیدا کر کے ان تک دین کو پہنچانا تھا اس لیے کم و بیش سبھوں نے ہندوستان کی مقامی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔

علاء الدین خلجی نے پہلے گجرات کو سنہ ۶۹۶ھ میں اور سنہ ۷۱۲ھ میں پورے دکن کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ سنہ ۷۴۳ھ میں ظفر خان صوبہ دار نے

مرکز سے بغاوت کرکے گجرات میں خود مختار سلطنت قائم کرلی۔ جو تقریباً دو سو برس (۱۵۸۰ء)
تک قائم رہی۔ گجرات میں مسلمانوں کے ساتھ وہ زبان بھی آئی جس کا ہیولیٰ دلی میں تیار ہو رہا
تھا۔ یہاں گجراتی زبان سے تھوڑا بہت اثر قبول کیا۔ اولیاء اللہ نے اسی زبان کے ذریعہ
عوام کو مخاطب کیا۔ شیخ بہاء الدین گنج العلمؒ (متوفی ۹۵۰ ہجری) سے بعض اردو نثر کے
رسالے منسوب ہیں۔ شیخ احمد کھٹو اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے قطب عالم
(متوفی سنہ ۸۵۷ء) اور ان کے صاحبزادے شاہ عالم کے اردو ملفوظات مشہور رہیں۔
شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ (۹۱۱ - ۹۹۸ھ) سے بھی بعض اردو رسالے منسوب کیے جاتے
ہیں۔ شاہ علی جیو گام دھنی کے مجموعہ کلام "جواہر الاسرار" کے متعدد نسخے ملتے ہیں۔ انھیں
بزرگان دین کی سرپرستی کی وجہ سے گجرات میں اردو میں شعر گوئی شروع ہو گئی۔

علاؤ الدین خلجی اور اس کے سپہ سالار کی فتوحات دکن سے پہلے متعدد صوفیائے کرام
دکن پہنچ چکے تھے۔ اور یہاں کے مختلف علاقوں میں تبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام جاری
کر چکے تھے۔ چنانچہ حاجی رومی (متوفی سنہ ۵۵۵ ہجری) سید شاہ مومن عارف باللہ
(متوفی سنہ ۵۹۷ء) شاہ جلال الدین گنج رواںؒ (متوفی سنہ ۶۴۴ء) سید احمد کبیر
جہاں قلندرؒ (متوفی سنہ ۶۵۹ء) بابا شرف الدینؒ (متوفی سنہ ۶۸۷ء) بابا
شہاب الدینؒ (متوفی سنہ ۶۹۱ء) اور بابا فخر الدینؒ (متوفی سنہ ۶۹۲ء) وغیرہ نے
سلاطین کی فتوحات ملکی سے پہلے یہاں کے غیر مسلم عوام کے دلوں پر فتح حاصل کر لی تھی۔
دکن میں فاتحوں کے لشکروں کے ساتھ وہ عوامی زبان بھی آئی جو دلی میں مختلف زبانوں کے
امتزاج سے نشو و نما پا رہی تھی۔ محمد تغلق کے عہد میں جب دلی کی ساری آبادی سنہ ۱۳۲۹ء
میں دولت آباد کو منتقل ہوئی تو اس کے ساتھ بڑے بڑے اولیائے کرام بھی کثیر تعداد میں
آئے اور وہ عوامی زبان بھی آئی جو ابھی سیال حالت میں تھی۔ دکن پر شمالی ہند کے حکمرانوں
کا قبضہ چند سالوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ علاؤ الدین بہمنی نے شمالی ہند کی فوجوں کو شکست

دے کر سنہ ۱۳۴۷ء / ۷۴۸ھ میں سلطنت بہمنیہ کی بنیاد رکھی جو تقریباً دو سو سال تک قائم
رہی۔ سلاطین اور اراکین دولت سلطنت کی بقاء و استحکام کی فکر میں لگے رہے اور اولیاء اللہ
اپنی خانقاہوں میں بیٹھے ایمان و عرفان کی شمعیں جلاتے رہے۔ ان بزرگوں میں حضرت سید
محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ (متوفی سنہ ۸۲۵ھ) اور ان کے سلسلے کے بزرگوں نے دین
کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں تاریخ انھیں فراموش نہیں کر سکتی۔ خواجہ صاحب اپنے والد
شاہ راجوؒ کے انتقال (سنہ ۷۳۱ ہجری) کے بعد کم عمری ہی میں دلی چلے گئے تھے پھر سلطان
فیروز شاہ بہمنی (سنہ ۸۰۰ ہجری) کے عہد میں گلبرگہ آئے اور یہیں سنہ ۸۲۵ ہجری میں انتقال
فرمایا۔ خواجہ صاحب کا سلسلۂ فیض دکن میں اس قدر پھیلا کہ کوئی خاندان ان کے فیض سے
محروم نہ رہا۔ یہاں خواجہ صاحب کے سلسلے کے سینکڑوں خانوادوں میں سے ایک خانوادہ
کا ذکر اردو زبان و ادب کی اشاعت کے نقطۂ نظر سے بہت ضروری ہے۔ یہ سلسلہ خواجہ
صاحب کے خلیفہ جمال الدین مغربی سے جاری ہوا۔

جمال الدین مغربی
کمال الدین بیابانی
شمس العشاق
برہان الدین جانم
امین الدین علی اعلیٰ

اس سلسلے کے آخری تین بزرگوں نے تصوف کے مسائل کو سمجھانے کے لیے
دکنی زبان میں نہ صرف نظم و نثر کا ذخیرہ چھوڑا ہے بلکہ اس زبان میں لکھنے کا ایسا رجحان
پیدا کر دیا کہ امین الدین علی اعلیٰ کے بعد اس سلسلے کے بزرگ کم از کم ڈیڑھ دو صدی
تک اسی زبان میں نظم لکھتے رہے ہیں۔[1]

---

[1] حضرت امین اور ان کے سلسلے کے بزرگوں کی تصانیف کے مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو "دکنی ادب کی ترقی میں حضرت امین الدین علی اعلیٰ اور ان کے خاندان کا حصہ"۔ ڈاکٹر حسینی شاہد۔

بہمنی سلطنت کی شکست (۱۴۸۵ء / ۹۰۰ھ) کے بعد یہ سلطنت چھوٹی بڑی پانچ سلطنتوں میں منقسم ہو گئی جن میں سے دو سلطنتیں گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت اور بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت وسیع اور طاقتور سلطنتیں تھیں۔ بیجاپور میں شمس العشاق اور ان کی اولاد کا فیض نظر اور فیض قلم پھیلتا رہا۔ اس خانوادہ کے علاوہ اور بھی صاحب فیض خانوادے موجود تھے جو خلق خدا کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ شاہ حبیب اللہ قادریؒ حضرت غوث الثقلینؓ کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کے گھرانے سے سلسلۂ قادریہ کا فیض جاری تھا۔ اس زمانے میں بیجاپور میں شاہ ہاشم بھی مرجع خلائق تھے۔ شہر بیجاپور اور اس کے اطراف و اکناف میں اتنے بزرگان دین مدفون ہیں کہ یہ شہر گنبدوں کا شہر نظر آتا ہے۔ کم و بیش یہی حال سلطنت گولکنڈہ کا تھا۔ حضرت بابا شرف الدینؒ دکن پر مسلمانوں کے قبضے سے بہت پہلے ہی یہاں آکر ایک پہاڑی پر اقامت گزین ہو گئے تھے۔ حضرت سید میراں حسینی بغدادی حضرت غوث الثقلینؓ کی اولاد سے تھے ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں گولکنڈہ آئے اور سلسلۂ قادریہ کے فیوض و برکات سے اس سلطنت کو مالا مال کیا۔ بندہ نوازؒ کی اولاد سے ایک بزرگ شاہ راجو قتالؒ عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آئے۔ آخری قطب شاہی فرمانروا تاناشاہ ان کا مرید تھا۔ حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے خلیفہ میراں جی خدا نما سے بھی گولکنڈہ میں بندہ نوازی سلسلے کا فیض جاری تھا۔ حضرت امین کے مرید حضرت سید عبد القادر المعروف بہ سید میراں حسینی (المتوفی سنہ ۱۱۱۵ھ) سے قادریہ اور چشتیہ دونوں سلسلے جاری تھے بیجاپور کی طرح گولکنڈہ میں بھی اولیاء اللہ بکثرت موجود تھے اور خاموشی کے ساتھ رشد و ہدایت کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں بزرگان دین کی وجہ سے دکن میں دین کی اشاعت ہوئی۔ ان بزرگوں نے زیادہ تر توجہ تصوف کے مسائل و نکات بیان کرنے پر صرف کی چنانچہ صدیاں گزرنے کے بعد دست برد زمانہ سے بچ کر جو دکنی نظم و نثر کے رسائل ہم تک پہنچے ہیں ان کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اس ذخیرے میں بکثرت رسائل تصوف ہی کے موضوعات

پر لکھے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے مقابلے میں دین کے شرعی پہلو پر کم لکھا گیا ہے۔ چنانچہ تصوف کے مقابلے میں تفسیر، حدیث اور فقہ پر کام کم ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صوفیا نے تصوف کو اپنا موضوع مقدم بنا لیا تھا۔ اور وہ عوام کو سمجھانے کے لیے عوامی زبان میں تصوف کے موضوعات ہی پر لکھتے تھے۔

تصوف کے علاوہ ان دونوں سلطنتوں میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا بھی بڑا زور رہا ہے چونکہ ان دونوں سلطنتوں کے اکثر سلاطین اثنا عشری مذہب رکھتے تھے۔ اس لیے درباروں کے اثر سے بھی اہل بیت اور شہدائے کربلا کی محبت عام ہو گئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ دکن میں بکثرت مرثیے لکھے جاتے تھے۔[1] لیکن نہ مذہب اثنا عشری کے علمی پہلوؤں پر کچھ لکھا گیا ہے نہ سانحۂ کربلا کے تاریخی پہلو پر قلم اٹھایا گیا۔ اسی طرح اہل سنت کے علمائے دین نے بھی اس ناقص عوامی زبان کو بہت زیادہ درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ علمی مسائل کو بیان کرنے کے لیے ان کی نظر غالباً فارسی ہی پر پڑتی رہی۔ اس کے باوجود دکنی زبان میں فقہی مسائل کو عوام کے لیے نظم کیا جاتا رہا ہے۔[2] فقہ پر نثر میں جو رسائل دستیاب ہوئے ہیں ان کا سلسلہ بارہویں صدی ہجری کے بعد سے ملتا ہے۔ البتہ قرآن کا ترجمہ کرنے اور تھوڑی بہت تفسیری وضاحتیں قلمبند کرنے کا رجحان دسویں صدی ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور علماء کا ایک مختصر گروہ ہر زمانے میں قرآن کا ترجمہ کرنے اور تفسیر لکھنے میں مصروف رہا۔ اس طرح یہ کام محدود پیمانہ پر ہی سہی لیکن مسلسل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

---

[1] ڈاکٹر [illegible] علی۔ مقالہ "دکن میں اردو مرثیے کا ارتقاء ۱۸۰۰ء تک"

[2] تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد چہارم فہرست مخطوطات فقہ کا موضوع۔
کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد دوم صفحہ ۲ تا ۱۹۶

ب۔ تراجم و تفاسیر

۱۔ پارۂ عم یتساءلون

قرآن شریف کے سب سے قدیم ترجمے کا تعین کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ مولوی عبدالحق نے قدیم اردو تراجم میں سے سورہ یوسف کے گجراتی اردو میں ترجمے کو سب سے زیادہ قدیم قرار دیا ہے[۱]۔ وہ لکھتے ہیں "اس قسم کی سب سے پرانی کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی ہے وہ پرانی گجراتی زبان میں ہے۔ افسوس کہ یہ اول و آخر سے ناقص ہے اس لئے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ چلانا غیر ممکن ہے۔ البتہ زبان کے ڈھنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی کے اواخر یا گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے کیونکہ اس کی زبان "یوسف زلیخا" کی زبان سے کہ وہ بھی گجراتی اردو میں ہے بہت پرانی ہے۔ امین کی "یوسف زلیخا" سنہ ۱۱۰۹ھ میں لکھی گئی اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی ہے۔ یہ سورۂ یوسف کی تفسیر ہے۔ امین کی کتاب نظم میں ہے اور یہ نثر میں۔ ظاہر ہے نظم کی زبان زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اور اس میں پرانے الفاظ زیادہ آتے ہیں۔ اور نثر اس کے مقابلے میں سہل ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر سادہ زبان میں لکھی گئی ہے اور بالکل بول چال کی زبان ہے[۱]۔ اس ترجمے کے زمانے کے تعلق سے مولوی صاحب نے دو متضاد باتیں لکھی ہیں۔ پہلے تو وہ زبان کی بنیاد پر اس ترجمے کو دسویں صدی کے اواخر یا گیارہویں صدی ہجری کے اوائل کی تالیف قرار دیتے ہیں۔ زبان کی بنیاد پر زمانے

---

[۱] قدیم اردو صفحہ ۱۲۲۔

کی تعیین کے لیے وہ امین کی یوسف زلیخا کی زبان سے سند لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امین کی یوسف زلیخا سنہ ۱۱۰۹ھ میں لکھی گئی اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی زبان ہے۔ اگر زبان کی بنیاد پر یہ قیاس کیا جائے کہ یہ امین کی یوسف زلیخا سنہ ۱۱۰۹ھ سے پہلے کی ہے تو یہ پہل از آدم تا ایں دم نہیں ہو سکتا۔ تحقیق کی زبان میں ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ پر مقدم قرار دیا جاتا ہے تو یہ تقدیم صدی ڈیڑھ صدی کی نہیں ہوتی۔ ۱۱۰۹ھ سے پہلے کے معنی گیارہویں صدی کے نصف آخر کا زمانہ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کہ مولوی صاحب نے اس تقدیم کو دسویں صدی کے آخر یا گیارہویں صدی کے آغاز تک کیسے پہنچا دیا۔ مگر چونکہ وہ سورۂ یوسف کے ترجمے کی زبان اور امین کی یوسف زلیخا سنہ ۱۱۰۹ھ کی زبان کے تقابلی مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ یوسف کی زبان جیسا کہ مولوی عبدالحق نے رائے قائم کی ہے یوسف زلیخا کی زبان سے قدیم ہے اس تعیین زمانہ کے تعلق سے مولوی صاحب کی دو دیدہ بیانی کو نظر انداز کر کے مولوی صاحب ہی کے استدلال کی بنیاد سے اس ترجمے ۱۱۰۹ کے پہلے یعنی گیارہویں صدی کے نصف آخر کا ترجمہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس تمہید کے بعد جب ہم زیر نظر ترجمہ "پارۂ عم یتساءلون" کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مولوی صاحب کی ایک اور تضاد بیانی سامنے آتی ہے۔ سورۂ یوسف کے ترجمے کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ سب سے پرانی کتاب ہے۔ جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اور زیر نظر ترجمے کا زمانہ اوائل دسویں صدی ہجری قرار دیتے ہیں[۱]۔ اور یہ نہیں بتاتے کہ یہ قدیم ترین ترجمہ ہے۔ جو مجھے دستیاب ہوا ہے۔ حالانکہ یہی سب سے زیادہ قدیم ترجمہ ہو سکتا ہے۔ جو مولوی عبدالحق کو ملا ہے اگرچہ اس کے زمانے کے تعلق سے مولوی صاحب کا قیاس کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے اس لئے کہ اردو کی دوسری قدیم مثنوی "نوسرہار" کا سنہ تصنیف ۹۰۹ ہجری ہے اگر اس ترجمے کو اوائل

---

[۱] قدیم اردو صفحہ ۱۲۴۔

دسویں صدی کا ترجمہ متصور کریں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مثنوی نوسرہار کی تصنیف اور اس کے ترجمے
کا زمانہ کم و بیش ایک ہی ہے۔ حالانکہ مثنوی کی زبان جس قدر سنسکرت آمیز ہے اس قدر اس
ترجمے کی زبان نہیں ہے۔ اور صرفی خصوصیات میں بھی بے قاعدگی نوسرہار میں ملتی ہے ایسی
بے قاعدگی بھی اس ترجمے میں نہیں ملتی اس کے علاوہ برہان الدین جانم کے رسالے کلمۃ الحقائق
سے اس ترجمے کا مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ کلمۃ الحقائق کے آس پاس کے
زمانے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جانم نے مثنوی ارشاد نامہ سنہ ۹۹۰ ہجری میں لکھی۔ رسالہ
کلمۃ الحقائق یا تو اس سے پہلے لکھا گیا ہوگا یا بعد میں۔ اس ترجمے اور کلمۃ الحقائق کے تقابل
سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا کہ یہ ترجمہ کلمۃ الحقائق کے بہت بعد لکھا گیا ہوگا اس لئے کہ
کلمۃ الحقائق کا موضوع چونکہ تصوف ہے اور اصطلاحی زبان میں لکھا گیا ہے اس لئے اس کی زبان
زیر نظر ترجمے کی زبان سے زیادہ مشکل ہے۔ لیکن چونکہ یہ اشکال محض موضوع کی وجہ سے ہے۔
اس لئے کلمۃ الحقائق کو مقدم اور اس ترجمے کو موخر قرار دینا بھی قرین احتیاط نہیں ہے۔ ان
دونوں نثری کارناموں میں جو خصوصیت مشترک ہے وہ ان کا لسانی الجھاؤ ہے جو بجائے خود ان
دونوں کارناموں کی قدامت پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں کے یہاں جو عجز بیان پایا جاتا ہے
وہ یہ سمجھنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ دونوں نثری کارنامے کم و بیش ایک ہی زمانے میں مرتب
ہوئے ہیں اور مصنفین کو اظہار خیال کے لئے الفاظ و بیان کے سانچے اپنی کوشش سے وضع
کرنے پڑے ہیں۔

بہرحال مقالہ نگار کا خیال ہے کہ مرتب اول کا زیر نظر ترجمہ ہی اردو کا قدیم ترین
ترجمہ ہے۔ مولانا عبدالحق نے اس نسخے کو اول و آخر سے ناقص بتایا ہے۔[1] اس لئے اس
کے مترجم کا نام اور سنہ دونوں ہی تاریکی میں ہیں۔ عبارت میں بہت سے الفاظ اور

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۲۴۔

محاورے ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو مابعد کے زمانے کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے
مثلاً کالفراش المبثوث کا ترجمہ کیا ہے۔ "پتنگ سری کی جھیلی کے"۔ یہ ٹھیٹ دکنی زبان
ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

"جھیل یا جھیلی ہجوم اور قطار کو کہتے ہیں۔ فمن یعمل مثقال
ذرۃ کا ترجمہ کیا ہے۔ "پس جو کوئی عمل کرے گا ذرے
کے بھار یعنی لال چیونٹی کے بھار یا ذرہ دھلارے کا۔"
"دھلارا" کے معنی "گرد و غبار" کے ہیں۔"[1]

نمونہ عبارت کے لئے سورہ بینہ کی چند آیتوں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ ترجمے کے
ساتھ ساتھ کہیں کہیں مختصر تفسیر بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین
منفکین حتی تاتیهم البینة رسول من الله
یتلوا صحفاً مطهرة فیها کتب قیمة وما تفرق
الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءتهم
البینة وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له
الدین حنفآء و یقیموا الصلوة ویؤتوا الزکوة و
ذلک دین القیمة ان الذین کفروا من اهل الکتب
والمشرکین فی نار جهنم خلدین فیها اولئک

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۲۵۔

هم شر البریة ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت
اولئك هم خیر البریة جزآؤهم عند
ربهم جنّت عدن تجری من تحتها الانهر
خلدین فیها ابدا رضی الله عنهم ورضوا عنه
ذلك لمن خشی ربه۔

ترجمہ:۔

"انھی وہ لوکاں جو کفر کیے کتاب دے لوکاں نے ہور شرک کرنہاریاں
نے کنارے ہونہارے۔ تھے کفر نے تو جو آئی اونہاں کوں روشن حجۃ[1]
سو ہجّت ہے خدا نے پڑھتا ہے صحیفاں کوں جو پاک ہیں چھوٹ نے
اوس میں لکھی تھی نیت باتٹ[2] ہور عیں جز تا ہوے۔ وہ لوکاں جنوں
کو دے گیا تھا۔ کتاب مگر روشن حجۃ کے آئے پچھیں نے۔ ہور اونہاں
کوں تو نیں حکم کیا تھا۔ مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کوں نچل
عبادت اوسیچ کوں کرنہارے۔ کفر کا دین چھوڑ اسلام کے دین میں آکر
ہور بولکہ کھڑی کریں فرض نماز کوں اس کے وقت[3] میں ہور دیو کہ دیویں
مال دے فرض زکوٰۃ کوں ہور وہوئیں نیٹ[4] ہے۔ تحقیق وہ لوکاں جو
کفر کیے کتاب دے لوکاں نے ہور شرک کرنہاریاں نے (اوس کی عبادت
میں) جہنم کی آگ میں رہیں گے[5] قیامت کے دین[6] ہمیشہ رہیں گے
اوس جہنم میں وہ[7] لوکاں اونچ بہوتچ[8] ہور شٹے[9] لوکاں ہیں ساری

۱ غالباً بمعنی رسول استعمال کیا ہے۔ ۲ سیدھا راستہ (صراط مستقیم) ۳ وقت ۴ مستقیم ہے
۵ رہیں گے ۶ دن ۷ وہ ۸ بہت ہی ۹ برے

پیدائش ہیں۔ ہور نیک عمل کیے خالص خدا کے واسطے[1] وہ لوکاں اونچ
بہوتچ خوب لوکاں ہیں ساری پیدائش میں۔ جزا اونہاں کی اونکے پالنہارے
کنے ہے۔ باغاں دائم کی بہتے ہیں اونہاں کے تلاں[2] تے کالوے[3] دائم رہیں
گے اس باغاں میں ہمیشہ رہنا جسے نہایت نہیں۔ خوشحال[4] ہور اللہ تعالیٰ
اونہاں نے ہور اونہاں خوشحال ہوئے اوس نے۔ وہ خوشحالی اوسیچ کوں ہے
جو ڈرتا ہے اپنے پالنہار کے عذاب کوں۔ عبادت کر کر۔"

ترجمہ کی پہلی سطر یعنی سورہ کی پہلی آیت کے ترجمہ کی صحت مشتبہ ہے۔ ترجمہ میں حرف
ربط "سے" (میں) نہ ہونے سے مطلب میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ "انھی وہ لوکاں جو
کفر کیے کتاب دے لوکاں نے اور شرک کرنہاریاں نے کنارے ہونہارے تھے کفر نے
تو جو آئی اونہاں کوں روشن حجۃ" قاری کا ذہن قرآن کے منشا تک آسانی کے ساتھ نہیں
پہنچتا۔ بلکہ غلط مطلب سمجھنے کا بھی امکان ہے کیونکہ دکنی ترجمہ کی عبارت کے لحاظ سے فعل کفر
کا فاعل "وہ لوگ" اور مفعول "اہل کتاب" ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں قرآن کا اصل
مطلب فوت ہو جاتا ہے۔ قرآن یہاں قبل بعثت نبویہ جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں
سے تھے ان کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اپنے کفر سے ہرگز باز آنے والے نہ تھے۔ جب
تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ نیچے کی آیت "ان الذین کفروا من
اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها۔" کا
ترجمہ بھی اسی نوعیت سے کیا ہے۔ "تحقیق وہ لوکاں جو کفر کیے اہل کتاب نے ہور
شرک کرنہاریاں تے (اوس کی عبادت میں) جہنم کی آگ میں رہیں گے۔"

ترجمے میں ایسے مرکب افعال بھی ہیں اور اسم کے ساتھ بطور امدادی فعل کے
استعمال ہوئے ہیں مثلاً کفر کرنا، نماز کھڑی کرنا وغیرہ۔ ترجمہ میں موزوں الفاظ کا انتخاب
بھی نہیں۔ لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے مثلاً رسول من اللہ، یقیموا الصلوٰۃ، عجب

۱ واسطے ۲ نیچے ۳ نہر ۴ خوشحالی

(صاحب) ہے۔ خدا نے ٹھکڑی کریں فرض نماز کوں۔ جزیۃ کے ترجمے میں خلائق کے لئے لفظ پیدائش استعمال کیا ہے۔ (خیر البریۃ) بہوت خوب لوکاں ہیں ساری پیدائش میں) نہ جانے "کتب قیمۃ" کا ترجمہ نیٹ باٹ یعنی سیدھا راستہ کیوں کر کیا گیا۔ "معتبر کتابیں" یا اور بھی صاف ترجمہ "درست مضامین" اس وقت بھی ہو سکتا تھا۔ وما تفرق کا ترجمہ "اور نہیں عزقا ہوے" میں "تفرق" کی بجائے اس زمانے میں بھی "پھوٹ" کا لفظ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ قرآنی لفظ ہی رکھ دیا ہے اس کا ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ ترجمہ اردو کے محاورے کے مطابق بھی ہے اور قرآن کے قریب بھی۔

الفاظ کا ہجا اس زمانے کے تلفظ کے مطابق ہے مثلاً خشال (خوش حال) پڑتا (پڑھتا) وخت (وقت) جا (جگہ) ہور (اور) منا (منع) [1]

ترجمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے عربی صرف و نحو کا زیادہ خیال رکھا ہے۔ سورہ کی آیتوں میں مبتدا، خبر، فعل، فاعل اور مفعول جس جس مقام پر ہیں اسی ترتیب سے ترجمہ میں اردو الفاظ رکھے گئے ہیں بجز اس کے کہ ترجمے میں کہیں کہیں مختصر تفسیر ہونے کی وجہ سے الفاظ میں اضافہ ہو گیا ہے۔ "لیعبدوا اللہ" میں اللہ مفعول ہے اور "کون" علامت مفعول میں باقی رکھی۔ "عبادت کریں اللہ تعالیٰ کون"۔ حرف ربط "کی" کے بجائے علامت مفعول "کون" سے کام لیا ہے۔ اسی طرح ذلک لمن خشی ربہ کا ترجمہ کیا ہے۔ "وو خشالی اوچ کون ہے جو ڈرتا ہے اپنے پالنہار کے عذاب کون" یہاں فعل خشی کا مفعول "رب" ہے اور اردو میں علامت مفعول "کو اور" "سے" دونوں ہیں اور ان کا استعمال موزونیت سے ہوتا ہے لیکن دکنی مترجم نے ترجمہ موقع و محل کے لحاظ سے موزوں

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۲۴ مولوی عبد الحق۔

حرف ربط "سے" کی بجائے "کون" ہی رکھا۔ "پالنہار کے عذاب کون"۔

مولوی عبد الحق صاحب نے مضمون میں اس تفسیر سے دو تین ایسے الفاظ بھی دئے ہیں جن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ "اس وقت بہت عجیب معلوم ہوتے ہیں اور بعد کی دکنی کتابوں میں نہیں آتے مثلاً "بلکی" بمعنی مصیبت یا آفت۔ "کدن" بمعنی طرف۔ "تلار یا تاری" تلے یا نیچے کے معنوں میں" مولوی صاحب کو شاید کچھ تسامح ہو گیا اس لئے کہ "کدن" اور "تلار" یہ دونوں الفاظ بعد کی کتابوں میں بھی انہیں معنوں میں ملتے ہیں البتہ "بلکی" نہیں ملتا۔ مزید لکھا ہے کہ "ایک لفظ جو اس کتاب میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے وہ "بجاں" ہے مثلاً "بجاں بولیا" یا "بجاں پوچھیا" بہت غور کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہ "بزاں" کی خرابی ہے جو اکثر پرانی دکنی کتابوں میں آیا ہے اور "بزاں" بگاڑ ہے "بعدازاں" کا۔"

تفسیر کی نوعیت کچھ خاص نہیں بجز اس کے کہ ترجمے میں کہیں کہیں الفاظ اضافہ کر دئے گئے ہیں۔ مثلاً "رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ" کے تحت لکھا ہے۔ "سو عجب ہے خدا نے پڑھتا ہے صحیفاں کوں جو پاک ہیں جھوٹ تے۔" یہاں جھوٹ تے (سے) اضافہ کر دیا گیا ہے۔ "صحفاً مطہرۃ" صفت موصوف ہے "پاک صحیفاں" اور یہ کافی تھا لیکن مترجم نے ایک سادہ جملہ خبریہ کو تفسیر کی خاطر ضمیر موصولہ کے استعمال سے جملہ مرکب تابع و متعلق بنا دیا۔ "جو پاک ہے جھوٹ تے"۔ "و یقیموا الصلوۃ" کے ترجمے میں تفسیر کی خاطر "فرض" اور "اس کے وخت میں" الفاظ اضافہ کر دئے گئے ہیں۔ "ٹھکڑی کریں فرض نماز کوں اس کے وخت میں۔"

"فی نار جہنم خالدین فیہا۔" کے ترجمے میں تفسیر کے لئے اضافہ کئے گئے الفاظ مفہوم کو خبط کر دیتے ہیں اس لئے کہ قیامت کے دن کافروں کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا مطلب بغیر واضح ہے۔ جہنم کی آگ میں اچھیں گے "قیامت کے دن ہمیشہ اچھیں گے اوس جہنم میں دو دو کاں۔"

سورۂ یوسف

سورۂ یوسف کا زیر نظر ترجمہ و تفسیر پرانی گجراتی اردو میں ہے۔ یہ نسخہ ناقص الاول اور ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے مولوی عبدالحق اس کے مترجم و مفسر کے نام اور سنہ تکمیل کا پتہ نہ چلا سکے۔[1] زبان کے لحاظ سے وہ ایک طرف تو اس کو دسویں صدی ہجری کے اواخر یا گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کو امین کی "یوسف زلیخا" (سنہ ۱۱۰۹) سے بہت پہلے کی بتاتے ہیں۔ تعین سنہ کے اس اختلاف بیان پر اس سے پہلے جو بحث کی جا چکی ہے اس کی روشنی میں اس کو گیارہویں صدی ہجری کا نصف آخر کی تالیف قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولوی صاحب نے قدیم اردو میں سورۂ یوسف کے ترجمے و تفسیر کے ایک دو نمونے دیے ہیں مگر جن آیتوں کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے، بعض کی تفسیر کا نمونہ دیا جاتا تو مناسب ہوتا اس سے صاحب تفسیر کے ترجمے اور تفسیر دونوں کے تقابلی مطالعے میں سہولت ہو سکتی تھی اس لئے کہ اکثر مفسرین سے قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے میں لغزش ہو جاتی ہے تو وہ تفسیر میں سنبھل جاتے ہیں۔ اس طرح ترجمے میں ان کے عجز کا ثبوت ملتا ہے۔ ترجمے اور تفسیر کے دیے گئے، ان دو ایک نمونوں کے انداز سے قیاس ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے ترجمہ و تفسیر دونوں کو علاحدہ علاحدہ دکھا ہے۔ پہلے ترجمے کی عبارت ہے اور اس کے بعد تفسیر بیان کی ہے۔ عبارت کے نمونے اگرچہ مختصر دیے گئے ہیں تاہم ان سے مترجم کی زبان و بیان

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۲۲۔

کے بارے میں رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ
والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن
من الجاھلین۔

ترجمہ:۔ یوسف نے کہا اے بار خدا ہوں بہا گتی کوں دو گٹی دھرتا ہوں اس کام تیں کہ جسے کام مجھے اے فرماتی ہے اٹے اگر تو۔ مجھے انھوں کی مکروں تیں پرے نٹے نا رکھے تو ہوں ڈرتا ہوں کہ ہوں بھی انھوں کی بات اوپر خاطر کروں اوں تھکے گنہ گاروں منے ہوؤں۔"

مترجم نے یدعوننی کا ترجمہ "اے فرماتی ہے" کیا ہے یعنی فعل کا بصیغہ واحد مونث غائب ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ "یدعوننی" قرآن مجید میں اس مقام پر جمع مونث غائب کا صیغہ ہے۔ اگرچہ ناقص واوی کی وجہ سے جمع مذکر غائب کا صیغہ بھی یہی ہوتا ہے تاہم آگے "کیدھن" اور "الیھن" میں چونکہ ضمیر متصل جمع مونث غائب ہے نیز سیاق بھی جمع مونث غائب پر دلالت کرتا ہے اس لئے ترجمہ بھی بصیغہ جمع مونث غائب ہونا چاہیے تھا۔ مترجم نے فعل یدعون کا جو صیغہ واحد مونث غائب ترجمہ کیا ہے تو ایسی صورت میں فاعل صرف زلیخا کو سمجھا جائیگا۔ اور آیت میں ضمیر جمع مونث غائب ہے۔ مترجم کی طرف سے اس کی تاویل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ عورتیں زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف کو بھی منا کر زلیخا کا کہا ماننے پر تیار کرنا چاہتی تھیں اس لئے اصل اسم زلیخا کو ہی پیش نظر رکھ کے ترجمے میں فاعل واحد مونث ہی رکھا گیا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ عورتیں بظاہر زبان سے زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر ہر ایک کا دل یوسف کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔

---

[1] میں[2] قید خانہ[3] دوست رکھے ہے[4] اور[5] میں[6] تمام

اس لئے مترجم کو اب اپنی طرف سے کسی قسم کی تاویل کے بغیر جزوِ آیت کا ترجمہ جمع مونث کے صیغے ہی سے کرنا چاہئے تھا۔

عربی صرف و نحو کے قطع نظر قرآنی الفاظ کے ترجمے میں موزوں الفاظ کا انتخاب بھی نہیں کیا گیا مثلاً یدعوننی کا ترجمہ دکنی مترجم نے "وہ فرماتی ہے" کیا ہے حالانکہ "فرمانا" اور "بلانا" کے معنی و مفہوم میں بین فرق ہے۔ اسی طرح "الا تصرف عنی" کا ترجمہ "اگر توں مجھے پرے نہ رکھے" کیا گیا ہے۔ کسی کے مکر سے پناہ میں رکھا جانا اس وقت کہنا بہتر ہوگا جب کہ وہ ابھی مکر و فریب میں مبتلا نہ ہوا ہو یا بالفاظ دیگر مبتلا ہونے سے پہلے اس سے بچے رہنے کی دعا در اصل اللہ کی پناہ میں رہنے کی دُعا ہے، لیکن جب کسی پر مکر و فریب کا جال پھینکا جا چکا ہو تو اس میں سے صحیح و سلامت بچ نکلنے کی دعا کی جاتی ہے اور یہی مفہوم "الا تصرف عنی" کا ہے یعنی اگر تو مجھ سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو دفع نہ کرے تو . . . . . .

مترجم نے "الجاہلین" کا ترجمہ "گنہ گاروں" کیا ہے۔ یہ ترجمہ عام اور وسیع مفہوم میں "الجاہلین" کے مفہوم کو ادا تو کر دیتا ہے لیکن "الجاہلین" کا صحیح ترجمہ نادانوں اور بے عقلوں ہے۔ مترجم لفظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے قرآن ہی کا لفظ جاہلوں استعمال کرتا تو بہتر تھا اس لئے کہ یہ لفظ اردو میں اسی مفہوم میں مروج ہے اور عربی جمع جاہلین اور اردو جمع جاہلوں میں صرف اعلان نون کا فرق ہے۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یأت بصیرًا
واتونی باھلکم اجمعین۔

ترجمہ: "یوسف نے کہا اے جاؤ میرا پیرہن انے (اور) باپ کے منہ پر چھوڑو تو دیکھتے ہوویں گے۔ انے پچھے سکلے (تمام) اپس کا کٹم کوں لیڑا نے (اور) میرے نزدیک آؤ (لاؤ)"۔

یہاں ترجمے میں فعل ماضی "کہا" استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ ماقبل آیت "قال رب السجن احب الی الخ" میں قال کا ترجمہ "کہیا" کیا گیا ہے۔ فعل کے ماضی مطلق میں الف سے پہلے یا کا اضافہ جیسے کہیا سنیا فعل ماضی مطلق کی قدیم شکل ہے جو گیارہویں صدی ہجری کے اواخر سے رفتہ رفتہ ترک کی جانے لگی لیکن گیارہویں صدی یا اس سے قبل کی تحریروں میں ماضی مطلق کی یہ قدیم شکل کبھی کبھی بغیر یا کے بھی مستعمل رہی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس قدیم ترجمے میں بھی کہیا کے ساتھ کہا کی شکل بھی موجود ہے۔ اس کو کاتب کا تصرف نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جیسا کہ دکنی مخطوطات کے بعض مرتبین نے ماضی مطلق بغیر یا کو کاتب کی غلطی تصور کیا ہے اگر یہ کاتب کا تصرف ہوتا تو وہ دونوں مقامات پر کہیا لکھ دیتا۔

"قمیصی ھذا" "میرا یہ پیرہن" کی جگہ صرف "میرا پیرہن" ترجمہ کر دیا ہے۔ یوں تو "میرا پیرہن" میں نسبت کی وجہ سے خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس سے تسامح ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد حضرت یوسف کا کوئی ایک پیرہن ہے لیکن یہاں قرآن کا مقصود اسم اشارہ قریب "ھذا" سے یوسف علیہ السلام کے پیرہنوں میں سے ایک خاص پیرہن ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرہن ہے جسے وہ آگ میں ڈالے جاتے وقت زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور حضرت یوسف جب کنوئیں میں تھے تو یہ ان کے گلے میں تھا۔ تفسیر جلالین میں لکھا ہے۔

وھو قمیص ابراھیم الذی لبسہ حین القی فی النار
کان فی عنقہ فی الجب وھو من الجنۃ امرہ جبریل با
رسالہ"۔

"فالقوہ علی وجہ ابی" کا ترجمہ "انے باپ کے منہ پر چھوڑو" کیا گیا ہے "القوا" کا صحیح اور موزوں ترجمہ ڈالو ہے اور یہ لفظ قدیم زمانے سے مستعمل ہے لیکن دکنی مترجم کے ذہن میں نہیں آیا۔ دوسرے یہ کہ "القوہ" کی ضمیر متصل کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے اور

یہ ضمیر "قمیصی ھذا" میرا یہ کرتہ کی طرف راجع ہے۔ اس کے علاوہ ترجمے میں "ابی" کی یائے متکلم کا بھی خیال نہ رکھا۔ "میرے باپ" کی بجائے صرف لفظ "باپ" لکھ دیا ہے اس طرح اب ترجمہ یہ ہوگا "اور میرے (اس) قمیص (کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو۔"

"یات بصیرا" کے ترجمے میں اختلاف ہے۔ بعض نے "یات" کے معنی "بصیر" لئے ہیں ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا۔ "میرا یہ کرتہ میرے والد کے چہرے پر ڈال دو تو وہ دیکھنے والے ہو جائیں گے۔" یعنی بصارت آ جائے گی۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اس انداز کا ترجمہ کیا ہے۔

"تو میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اس کو والد صاحب کے منہ پر ڈال دو کہ
دیکھنے لگیں گے۔"

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی اسی ڈھب کا ترجمہ کیا ہے۔

"میرے اس پیراہن کو لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر
ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔"

مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی "ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی" ترجمہ کیا ہے اور دکنی مترجم نے بھی اسی مفہوم کا ترجمہ کیا ہے۔

"لے جاؤ میری پیرہنی اپنے باپ کے منہ پر چھوڑ دو تو دیکھتے ہوویں گے۔"

مقالہ نگار کی ناقص رائے میں "یات بصیرا" میں فعل یاتی کا فاعل حضرت یوسف کے والد ہیں اور "بصیرا" فاعل کی حالت بتا رہا ہے اس طرح یہ اسم حالیہ ہوگا۔ اور اس جزو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔

"اس (کرتہ) کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو وہ (آنکھوں سے) دیکھتے
ہوئے (میرے پاس) چلے آئیں گے اور اپنے (باقی) گھر والوں کو (بھی)
سب کو میرے پاس لے آؤ"۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر اور شیخ الہند مولانا محمود حسن نے بھی "یات بصیرا" کا ترجمہ اسم حالیہ کے مفہوم کے ساتھ کیا ہے۔

"کہ چلا آوے آوے آنکھوں سے دیکھتا" (شاہ عبدالقادرؒ)

"کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا"۔ (مولانا محمود حسن)

شاہ رفیع الدینؒ نے بھی اس کو اسم حالیہ سمجھا ہے لیکن ترجمہ فعل معطوف کے ساتھ کیا ہے۔ ترجمہ ہے۔

"آوے گا بینا ہو کر"۔

واتونی باھلکم اجمعین کے ترجمے "انے پچھے سگلے اپس کے کٹم لوگ لیو انے میرے نزدیک آنو" کے ترجمے میں لفظ "پچھے" زائد اور غیر ضروری ہے۔ "اور اپنے گھر والوں کو سب کو میرے پاس لے آؤ۔" ترجمہ کرنے کی بجائے دکنی مترجم نے لیو اور آنو دو فعل دو علاحدہ جملوں میں استعمال کئے ہیں اور ان جملوں کو حرف عطف "انے" (اور) سے ملا دیا ہے۔ غالباً اس وقت جملوں کی بندش اس طرح بھی ہوا کرتی تھی لیکن مندرجہ بالا سطور میں "اذھبوا بقمیصی ھذا" کے ترجمے میں ایسی ترکیب نہیں ہے یعنی پہلی ترکیب کے مطابق "لیو میری یہ پیرہنی اور جاو"۔ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہاں تو دکنی مترجم نے جملہ مفرد بنایا ہے۔ "لے جاؤ میری پیرہنی" گیارھویں صدی کے ختم تک جملوں کی کوئی ترکیب منظم و مرتب نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے جس طرح بن پڑتا مفہوم ادا کر دیا جاتا تھا۔ تفسیر کی عبارت کا نمونہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"پیچھے بھائی کے عہد یاد نے کیا کہ وے دائم نماز گزارتا ہے۔ انے
روزے رکھتا ہے انے تسبی (تسبیح) کرتا ہے انے طولوں (عمر زدوں)
کو پوچھتا ہے انے درویشوں کو کھان (کھانا) دیتا ہے۔ انے جے (جو)
کچھو (کچھ) اس پاس آوتا ہے سو محتاجوں کو بانٹ دیتا ہے انے اپین

نہیں کھاتا۔ انے کد صین اس بھیں کوئی رنجیدہ نہیں ہودا ۔ انیں
دیکھیں جب اے صفتان ملکین سنیان تب کہیا کر اے باہاں
تھوویں کمی منے منگ پیغا بروں منے ہوویں یا پیغا بروں کے
پنگڑوں (اولاد) منے ہوویں۔ انے ودجایہ پوچھیا کہ یوسف کی
تبیع بھاکمی منے کون کرتا ہے۔ انے اس پاس کمی پاس نہیں کچھ آوتا
ہے پیچھے انھوں نے کہیا کہ عزیز کی بیر (عورت) چھپا کر نے بھیجتی و
لیکن وے قبول نہیں کرتا انے وے پانچ بیران دوجیاں کوں
یہاں وے بھی بھیجتیاں ہیں انھوں کا بھی کچھ قبول نہیں کرتا۔ انے
انھوں کا بول بھی نہیں سنتا۔"

تفسیر کی زبان سادہ اور بول چال کی ہے تاہم قدیم الفاظ استعمال کئے ہیں اور پرانی
ترکیبیں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔ مثلاً تھا ذگزارنا، تبیع کرنا، بول سننا وغیرہ۔ گجراتی الفاظ
کے کثرت سے استعمال کی وجہ سے مولوی عبدالحق کا قیاس ہے کہ یہ گجراتی اردو ہے اور
مترجم گجرات کا رہنے والا تھا۔ مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں اس تفسیر کے چند گجراتی
لفظ معنوں کے ساتھ مثال کے طور پر بھی لکھے ہیں مثلاً انے (اور) بی (سے، میں) تھیکٹ
(تھوڑا) ہمیں (اب) ہوں (میں) ڈوسی (بڑھیا) جنا (دایاں) بیر (عورت)
وغیرہ۔

حال مطلق "پوچھیتا ہے" بالکل نیا ہے۔ الف سے پہلے "ی" کا اضافہ صرف ماضی
مطلق میں کیا جاتا تھا یہاں حال مطلق میں "ی" کے اضافہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔
اس مختصر عبارت میں جہاں کہیں فاعل کے ذکر کے ساتھ فعل ماضی مطلق استعمال ہوا ہے
وہاں معزنے "نے" کا بالالتزام استعمال کیا ہے اور معیاری اردو کے قاعدے کے
مطابق کیا ہے۔ "عہدیدار نے کہیا" "ملکین سنیاں" انھوں نے کہیا اسی ترجمہ کے

نمونہ میں بھی "یوسف نے کہیا" لکھا ہے۔ دکنی میں اول تو "نے" کا استعمال ہی نہیں کیا
جاتا اور جہاں کہیں استعمال کیا جاتا ہے تو بالکل بے قاعدگی سے کیا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ
مترجم نے "نے" کا استعمال التزام کے ساتھ کیا ہے اور نہایت درست کیا ہے۔ اگر ترجمہ
و تفسیر کا پورا متن یا کم از کم چند صفحات پیش نظر ہوتے تو کوئی قطعی رائے قائم کی جا سکتی۔ اور
اس امتیازی صرفی خصوصیت کی لسانیاتی توجیہ کے لئے کوئی راہ نکل آتی۔

۳۔ تفسیر حسینی :

مولوی عبدالحق صاحب نے قدیم اردو میں قرآن مجید کے ترجموں کے سلسلے میں "تفسیر حسینی[۱]" کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس کے مترجم یا مفسر کا نام مولوی صاحب کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ لکھا ہے۔

"تفسیر حسینی کا ترجمہ بھی کسی صاحب نے پرانی دکنی میں کیا ہے۔ یہ تفسیر بہت مقبول ہے اور اس کے متعدد ترجمے دکنی زبان میں ہوئے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت پارہ عم کی تفسیر کا ترجمہ موجود ہے۔ اس کی زبان پرانی ہے۔ آخر میں کاتب نے دن وقت تاریخ (روز جمعہ بوقت عصر دو ماہ جمادی الاخر) تو لکھی ہے سنہ نہیں لکھا۔ چند آیتوں کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ تفسیری جملے بھی ہیں۔"

مولوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ کس بنا پر اس کو تفسیر حسینی کا ترجمہ قرار دیا ہے۔ مولف تفسیر حسینی فارسی زبان میں ہے۔ اس کے ترجمے کی تصدیق کے لیے اصل تفسیر حسینی سے اس کا مقابلہ ضروری تھا۔ لیکن مولوی صاحب نے تقابلی مطالعہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ "حسینی" مترجم کا نام یا جزو نام ہو اور مولوی صاحب نے جس تفسیر کا حوالہ دیا ہے وہ کوئی اور تفسیر حسینی ہو جو بقول مولوی صاحب "بہت مقبول ہوگی اور جس کے متعدد ترجمے دکنی زبان میں ہوئے ہوں گے لیکن یہاں ایک کا بھی حوالہ نہیں دیا گیا۔ صرف یہ لکھا ہے کہ "میرے سامنے اس وقت پارہ عم کی تفسیر کا ترجمہ موجود ہے۔"

---

۱ قدیم اردو صفحہ (۱۲۷)

ترجمہ و تفسیر کا نمونہ درج ذیل ہے :-

"(عم یتساءلون) کس چیز تے پوچھتے ہیں او کافراں یعنی بعث تے پوچھتے ہیں آپس میں آ کے یا رسول کوں ہور مومناں کوں (عن النبإ العظیم) بزرگ خبر تے (الذی هم فیه مختلفون) ایسی خبر کہ انوں اس میں اختلاف کر جارے ہیں (کلا سیعلمون) یوں نہیں پوچھتا ہے کہ انکار کرے تو شتے کہ سمجھیں گے اور لوکاں پر ڈرانے کا وعدہ ہے (ثم کلا سیعلمون) پچھیں یوں نہیں پوچھتا ہے ترت ہے کہ سمجھیں او تو دو بار لیا یا ایسے تاکید کے واسطے ہور "ثم" سوں لیانا بھی کر دیتا ہے یو کہ دوسرا وعدہ بہت سخت ہے اور بعضے بولے پیلا[۱] سو جو کا پڑتے وقت دوسرا سو گنوار[۲] جو بنوا[۳] وانکا کا ہے۔ یو ذکر کرتا ہے تھوڑیاں باتاں کوں جو دیکھتے ہیں او خدا کے عجائب صفت تے یو دو کوں سمجھنے کے واسطے اس کی کمال قدرت پر دلیل پڑیں اس سے بعث کے درست ہونے پر (والجبال اوتادا) بولتا اللہ تعالیٰ آیا نہیں کئے ہیں ڈونگراں[۴] کوں میخاں زمین کیاں یوں نہ ہوتے تو ہلتی (و خلقناکم ازواجا) ہور کیا نہیں پیدا کئے ہیں تماں جوڑی جوڑی مرد عورت (و جعلنا نومکم سباتا) ہور کیا نہیں پیدا کئے ہیں تمارے سونے کوں توڑنا دیکھنے تے ہور ہلنے سے تمارا حت ہور آسودہ ہونے کے واسطے (و جعلنا اللیل لباسا) ہور کیا نہیں پیدا کئے ہیں رات کوں پہنتا[۵]۔ اودہاں[۶] یعنی ہے اپنے

---

۱ پہلا ۲ گوارہ ۳ بچوں ۴ پہاڑوں ۵ پہننا ۶ دہان

TooBaa-Research-Library

اندھارے سوں جو کہ کپڑا ڈھانکتا ہے اپنے انگ کوں (وجعلنا
النہار معاشا) ہور کیا ہیں کے ہیں دیس[1] کوں زندگانی بدلی
تا طلب کریں تیں زندگانی سیا ئو جو کچھ کھانا پینا کپڑا (وبنینا
فوقکم سبعاً شداداً) ہور کیا ہیں بنا کیا کے ہیں تمارے
اوپر سات آسماناں گھٹ کر نہیں پورانیاں ہوتیاں نئی زمانے
جائے سوں۔"

مولوی صاحب نے اپنی رائے قلمبند کرنے سے پہلے اگر اصل تفسیر حسینی (فارسی) کے اوراق الٹے ہوتے تو صاف پتہ چل جاتا کہ زیرِ نظر تفسیر اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ دکنی تفسیر میں آیتوں کی ترتیب و تقسیم کی نوعیت فارسی تفسیر سے جدا ہے۔ الفاظ، معانی اور ترکیب کے اعتبار سے بھی جگہ جگہ نمایاں فرق ہے۔ اس کے علاوہ فارسی تفسیر میں بعض مقامات پر تفسیر تفصیل سے کی گئی ہے جو دکنی تفسیر میں نہیں۔ سورۃ النباء کی ابتدا فارسی تفسیر[2] میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس طرح کی گئی ہے :-

"چون حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت آشکارا کرد و قرآن
بر خلق خواندن بروز قیامت بیم فرمود کفار در نبوت آنحضرت و
نزول قرآن و وقوع بعث اختلاف کردند و از ان یکدیگر را می پرسیدند
یا از پیغمبر و مومنان پرسش می نمودند چنانچہ حق تعالی فرمود عم یتساءلون..."۔

---

[1] دنیا کے معاش کے واسطے ہی محکم ٹھ بہت۔

[2] تفسیر حسینی از حسین واعظ کاشفی۔ کتاب کے آخر میں سنہ کے تعلق سے لکھا ہے "در شہر شوال نوشت سنہ ثمان و تسعین و ہشتصد بنہایت رسید و بنہایت انجامید تفسیر کتاب۔" مخطوطہ (۲۵۷) میں "سنہ ثمان و تسعین و ہشتصد بنہایت رسید" لکھا ہے مخطوطہ (۵۶) میں تاریخ و سنہ یہ ہے۔ "در غرہ محرم المکرم سنہ سبع و تسعین و ثمان مایہ ہجریہ" اس طرح سنہ میں اختلاف ہے۔

یہ عبارت دکنی تفسیر میں نہیں پائی جاتی۔ ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں اس حصے کو کسی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہو (جس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی) باوجود اس کے بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں دونوں ترجموں میں بین فرق پایا جاتا ہے۔ دکنی ترجمہ پر تنقید و تبصرہ کے سلسلے میں جستہ جستہ فارسی ترجمہ کی عبارت بھی نقل کی جائے گی۔

زیر نظر ترجمہ پرانی دکنی میں ہے۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ تفسیری جملے بھی ہیں۔ ترجمے سے دکنی مترجم کی احتیاط نظری کا ثبوت ملتا ہے۔ عم یتساءلون کا ترجمہ و تفسیری جملہ ہے :-

"کس چیز نے پوچھتے ہیں اد کافراں یعنی کلی کافراں یعنی بعث تے پوچھتے
ہیں آپس میں اے یار رسول کوں ہور مومناں کوں"۔ "تے"
اور "کوں" دونوں حرف ربط ہیں لیکن یہاں مترجم نے دونوں کے
استعمال کی نزاکت کو جو ملحوظ رکھا ہے وہ قابل داد ہے۔ بعث سے
مراد قیامت ہے اور "تے" عربی کے حرف جار "عن" کے معنی
میں اور یہاں "بارے میں" یا "متعلق" کے معنی دیتا ہے۔ "رسول
کوں اور مومناں کوں" میں "کوں" "سے" کے معنی میں ہے یعنی
رسول اور مومنوں سے وہ کافر پوچھتے ہیں یہاں دکنی مترجم "رسول
ہور مومناں" کے ساتھ حرف ربط "نے" لکھتا یعنی "رسول نے
ہور مومناں نے" تو مطلب قرآن کے منشا کے خلاف ہو جاتا۔ سمجھا جاتا
کہ کافر آپس میں بعث یعنی قیامت رسول اور مومناں کے بارے میں
پوچھتے ہیں۔ اس قسم کی غلط فہمی سے قاری کو بچانے کی خاطر مترجم نے
"رسول" اور "مومناں" کے بعد حرف ربط "کوں" استعمال کیا
ہے۔ تفسیر حسینی کی فارسی عبارت صرف اسی قدر ہے "عم یتساءلون
از چہ چیزی پرسند کافران"۔

"عن النبإ العظیم" کے دکنی ترجمے "بزرگ سار تے" میں لفظ "بزرگ" کچھ موزوں نہیں ہے۔ "بڑی خبر" مناسب تھا۔ ویسے صفت کا ترجمہ نہ کیا جاتا اور قرآنی لفظ "عظیم" ہی رکھا جاتا تو اس "خبر" کی اہمیت برقرار رہتی۔ فارسی لفظ "بزرگ" رکھ دیا ہے جو اردو میں بجائے بڑائی کے تقدس کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ غالباً اس زمانے میں لفظ "عظیم" عام فہم نہ تھا۔ فارسی تفسیر میں ترتیب وعبارت ترجمہ اس طرح ہے:۔

"عن النبإ" از خبر "العظیم" بزرگ یعنی قرآن۔

دکنی تفسیر میں بزرگ خبر سے "قرآن" کا مفہوم نہیں لیا گیا ہے۔

"الذی هم فیه مختلفون" کا دکنی ترجمہ ہے "ایسی خبر کہ انو اس میں اختلاف کرنہارے ہیں" یہاں تفسیر نہیں کی گئی حالانکہ اس میں دو چیزیں تفسیر طلب ہیں۔ ایک "فیه" یعنی قیامت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف مثلاً کوئی اس کے واقع ہونے پر یقین رکھتا ہے، کوئی منکر ہے اور کوئی شک میں پڑا ہے۔ کوئی سمجھتا ہے کہ اس دن صرف بدن اٹھے گا کوئی کہتا ہے کہ عذاب و ثواب روح سے متعلق ہے بدن سے کوئی تعلق نہیں وغیرہ۔ دوسری بات "مختلفون" کے تعلق سے ہے کہ یہ اختلاف کرنے والے لوگ کون ہیں مومن اور کافر ہیں یا صرف کافر؟ فارسی تفسیر حسینی میں اس کی ترتیب و تفسیر اس طرح ہے۔

"الذی هم" آں خبری کہ ایشان "فیه" در آن خبر "مختلفون"
اختلاف کنند کافر یعنی او را بسحر و شعر و کہانت نسبت می دہند و
مختلف مفتری و اساطیر میگویند و بقولی با خبر عظیم نبوت آنحضرت است
کہ میگویند آیا او پیغمبر ہست یا نی و ساحرست یا شاعر یا مجنون و بعضی برانند
کہ آن خبر عظیم بعث است و در آن مختلف بودند جمعی میگفتند قیامت
نیست و بتان ما را شفاعت خواہند کرد کہ ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ و برخی

معطلند و منکر بودند و می گفتند ان ہی الا حیاتنا الدنیا و گروہی شکی
داشتند در وقوع ولا وقوع آن بل هم فی شک منها۔"

"و خلقنٰکم ازواجًا" کا ترجمہ آسان اور سیدھا سادہ ہے۔ دو چار مستند مشاہیر کے ترجمے نمونتاً درج ذیل ہیں۔

"اور پیدا کیا ہم نے تم کو جوڑا نر اور مادہ تو تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے۔"[1]

"اور (اس کے علاوہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) پیدا کیا۔"[2]

"اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے"[3]

"ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) بنایا۔"[4]

"اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا۔"[5]

نسخہ زیر نظر میں دکنی ترجمہ استفہام اور منفی فعل میں کیا گیا ہے۔

"پھر کیا نہیں پیدا کیے ہمیں تمنا جوڑی جوڑی مرد و عورت"۔

دکنی ترجمے سے قطع نظر مندرجہ بالا مشاہیر کے پاس استفہام اور مضارع منفی کا عمل صرف "الم نجعل الارض مهادًا والجبال اوتادًا" تک ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد کی آیت "خلقنٰکم ازواجًا" سے بموجب الفاظ قرآن فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم ترجمہ کیا گیا ہے یعنی استفہام اور منفی فعل کا اثر مابعد آیتوں کے ترجموں میں پایا نہیں جاتا لیکن دکنی ترجمے میں استفہام و منفی فعل کا سلسلہ آگے کی آیتوں میں ماضی کے تمام جمع متکلم صیغوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جس سے بظاہر ترجمے کی غلطی معلوم ہوتی ہے لیکن تفسیر فتح المنان سے دکنی ترجمے کی صحت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ لکھا ہے۔

---

[1] موضح القرآن، شاہ عبد القادر۔ [2] ڈپٹی نذیر احمد۔ [3] شیخ الہند مولانا محمود حسن
[4] مولوی اشرف علی تھانوی۔ [5] تفسیر فتح المنان، علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی۔

"وخلقنکم معطوف علی المضارع المنفی داخل
فی حکمہ" [1]

فارسی تفسیر حسینی میں بھی اسی انداز کا ترجمہ ہے :-

"وخلقنکم" ومیافریدہ ایم شمارا ازواجاً ہر گونہ زرومادہ تا
نسل باشما باقی ماند یا خلق کردہ ایم گونہ گونہ سیاہ و سفید و دراں کوتاہ
خوب وزشت۔"

دکنی ترجمے میں "ازواجاً" جوڑے کی تفسیر میں مرد عورت کے علاوہ طرح طرح
کے اشکال والوان کے جوڑوں کی وضاحت نہیں ہے۔

"وجعلنا نومکم سباتا" کا دکنی ترجمہ بھی عام ترجموں سے جدا انداز
کا ہے۔

"ھور کیا نہیں پیدا کئے ہیں تمارے سونے کوں توڑنا دیکھنے نے ھور ہلنے
سے تمنا راحت ھور آسودہ ہونے کے واسطے۔"

ڈپٹی نذیر احمد نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو
(موجب) راحت بنایا۔"

مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس بھی اسی انداز کا ترجمہ ہے ۔ "اور ہم ہی نے تمہارے
سونے کو راحت کی چیز بنایا۔" تفسیر حقانی میں ہے ۔ اور تمہاری نیند کو آرام بنا دیا۔"
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے پاس اس کا ترجمہ یوں ہے ۔ "اور بنایا نیند کو
تمہاری تھکان رفع کرنے کے لئے۔" سب کے پاس جملہ خبریہ ہے اور دکنی ترجمہ میں جملہ
انشائیہ ہے نیز سبھوں نے "سباتا" کے مرادی معنی راحت و آرام جیسے الفاظ لئے ہیں

---

[1] تفسیر فتح المنان جلد ہفتم ص ۴۔

لیکن دکنی مترجم نے حقیقی معنی اور اس کے حاصل معنی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ "ھور کیا نہیں پیدا
کئے ہیں تمارے سونے کوں توڑنا دیکھنے تے ھور ہلنے سے تمنا راحت ھور آسودہ ہونے کے
واسطے"۔ تفسیر فتح المنان میں "سباتا" کے تعلق سے لکھا ہے۔

"قال الزجاج السبات ان ینقطع عن الحرکۃ
والروح فی بدنہ حاصل المعنی الراحۃ جعلنا
نومکم راحۃ لکم" [1]

فارسی تفسیر حسینی میں "سباتا" کی تشریح تو ہے لیکن "جعلنا" کو دکنی مترجم کی
طرح "معطوف علی المضارع المنفی" کے حکم میں نہیں داخل رکھا گیا۔ "وجعلنا و گردانیدہ
ایم نوکم خواب شمارا سباتا راحت تنہا شمارا یعنی خواب قطع حس و حرکت کند تا قوای حیوانی
برآساید و ماندگی از ابدان زایل شود"۔ دکنی مترجم کے نام اور سنہ ترجمہ کی تحقیق نہ ہوسکی۔
زبان دکنی ہے۔ ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت حرف ربط "تے" اور "سے" دونوں
مستعمل تھے۔ اسم کی جمع الف نون لگا کر بنائی جاتی تھی۔ اسم جمع کے ساتھ صفت عددی
غیر معین ہوتی۔ تو اس کی بھی جمع الف نون لگا کر بناتے تھے۔ مثلاً "تھوڑیاں باتاں" اس
طرح مضاف کے جمع ہونے کی صورت میں حرف اضافت بھی جمع الف نون سے بنائی جاتی تھی
مثلاً "میخاں زمین کیاں" اور اس اسم کو واحد رکھ کر بھی حرف ربط کی جمع سے اسم کا
بصیغہ جمع ہونا ظاہر کیا جاتا تھا مثلاً "زندگانی سیاں"۔ ضمیر جمع مخاطب حالت مفعولی میں
"تمناں" یا "تمنا" تھی اور ضمیر جمع متکلم حالت فاعلی میں "ہمیں"۔ الفاظ کا بجا بول چال
کے لحاظ سے ہوتا تھا مثلاً پیلا (پہلا) گھوارا (گہوارہ) پنیا (پہنتا) وغیرہ قدیم الفاظ کے
استعمال اور زبان و بیان کے اعتبار سے قیاس ہے کہ یہ اواخر گیارھویں صدی ہجری یا بارھویں
صدی ہجری کے اوائل کا ترجمہ و تفسیر ہوگا۔

---

[1] جلد ہشتم صفحہ (۴)

۸۸۴ / ۹۲

۴۔ تفسیر قرآن مجید از سورۂ مریم تا آخر مع چہل حدیث[1]

عنوان سے خیال ہوتا ہے کہ مفسر نے سورہ مریم سے آخر سورۃ الناس تک تفسیر کی ہوگی۔ لیکن مخطوطے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف چند سورتوں کا ترجمہ و تفسیر ہے اور وہ سورتیں یہ ہیں:۔

۱۔ سورۃ مریم
۲۔ سورۃ طٰہٰ
۳۔ سورۃ یٰسین
۴۔ سورہ صافات
۵۔ سورۃ ص
۶۔ سورۃ زمر
۷۔ پارہ عم۔

پارہ عم کی بعض سورتوں کا ترجمہ نامکمل ہے۔ مثلاً سورہ شمس کی صرف پہلی آیت والشمس والضحٰہا والقمر اذا تلٰہا کا ترجمہ کیا ہے اس کے بعد والنہار اذا جلٰہا لکھ کر سورۃ الیل شروع کر دیا ہے۔ آیتوں کی کتابت میں املا کی بہت

۱۔ مخطوطہ نمبر تفسیر (۸۶۰) کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد۔ سائز ۱۰ × ۷، صفحات ۱۰۰، [illegible]

غلطیاں ہیں مثلاً والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ " ووجدک عائلاً فاغنیٰ " وغیرہ۔ آخر میں سورہ الناس کے بعد سورہ فاتحہ کا ترجمہ ہے اور اس کے بعد چہل حدیث اور ان کا بھی ترجمہ ہے۔ سورتوں کے علمی خواص کا بھی ذکر گیا ہے۔

مخطوطے کے اول و آخر کہیں بھی اس قسم کی کوئی تحریر نہیں پائی جاتی جس سے مفسر کے نام اور سنہ تفسیر کے تعلق سے کوئی معلومات حاصل ہو سکیں۔ لیکن زبان و بیان کے لحاظ سے قیاس ہے کہ یہ مابعد گیارہویں کی تصنیف ہوگی۔

تفسیر کا آغاز سورہ مریم سے کیا ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں سرخی سے لکھی ہیں اور اس کے نیچے سیاہی سے معنی لکھے ہیں۔ یہاں سورۃ النباء سے نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عم یتساءلون کیا چیز تے سوال کرتے ہیں کافراں بکی۔ عن النباء العظیم الذی هم فیه مختلفون۔ یعنی بزرگ خبر کیا ہی وہ کہ قرآن کہ اونو اوس میں اختلاف۔
کلا سیعلمون سوگند ہے کہ جانے گی[1] یو جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں سو او۔
ثم کلا سیعلمون بس بک ہے کہ تکی یو اپنے بری حقیقت کی کیتیں پچھان۔
الم نجعل الارض مهٰداً ایا نہیں کیا ہوں زمین کیتیں بچھانا۔ والجبال اوتاداً اور نہیں کیا ہوں پہاڑاں کیتیں میخاں تا زمین استوار اچھی اوس سوں۔ وخلقناکم ازواجاً اور یا نہیں کیا ہوں تمکوں نر اور مادہ تا نسل تماری باقی رہیگی یوں۔
وجعلنا نومکم سباتاً وجعلنا اللیل لباسا۔ اور کیا ہوں خوب[2] تم کوں راحت اور کیا ہوں رات کوں پوشش۔ وجعلنا النہار معاشا اور کیا ہوں روز کیتیں طلب

۱۔ یہ لفظ "جانیگی" ہوگا۔ ۲۔ یہ لفظ "خواب" ہے۔ کاتب کی غلطی سے "خوب" لکھ دیا گیا یا یہ کہ اس زمانے میں اس کی ہجا اس طرح تھی۔

معاسکا کرنی بدل دو۔ "وبنینا فوقکم سبعًا شدادًا" اور بنا کیا ہوں اوپر تمہاری ہفت
آسمان سخت استوار "وجعلنا سراجًا وھاجًا" اور پیدا کیا ہوں آسمان بیچ
چراغ ساگی سو یعنے آفتاب "وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجًا" اور بھیجیا
برستیا پانی کیتین تا برساتا اچھی "لنخرج بہ حبًا ونباتًا وجنات الفافًا"
تا باہر کیا ونکا اس پانی سوں دانے ہر جنس کے تا کھانے بدل تمہاری اور بہار کاروں کا کیا
کیتین تا روزی ہوئیگا جھار پایاں کیتی اور درختاں درہم ہوئی سو۔"

مترجم نے "عم یتساءلون" کے ترجمے میں لفظ "پچھی" کو فعل "سوال کرتی ہیں" کا مفعول کر دیا ہے جس کی وجہ سے مفہوم محدود ہو گیا۔ "کیا چیز تی سوال کرتی ہیں کافراں پچھی"۔ حالانکہ قرآن کفار کی آپس کی پوچھ پاچھ کی طرف اشارہ کرتا ہے یا ان سے کفار کا قیامت کے بارے میں بطور انکار و استہزاء رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر مومنین سے سوالات کرنا مقصود ہے۔ آیت "عن النبأ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون" کے متعلق دو باتیں زیر بحث آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔ اس آیت کے تحت جو عبارت درج ہے وہ تفسیری نوعیت رکھتی ہے۔ "یعنی بزروگ خبر کیا ہی وہ کہ قرآن کی اوذ اوس میں اختلاف۔" دوسری بات یہ کہ ترجمہ کا جملہ خبریہ ہے نہ انشائیہ۔ حالانکہ قرآن کی آیت خبریہ ہے۔ "اختلاف" کے بعد امدادی فعل "کرنا" لگا کر مرکب فعل بنانا چاہئے تھا۔ یعنی "اختلاف کرتی ہیں" کتابت کی غلطی سے فعل حال مطلق تحریر میں نہ آیا ہوگا۔ تیسری بات یہ کہ "نبأ عظیم" کا ترجمہ "بزروگ خبر" کیا ہے۔ قبل ازیں میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ "بزرگ" کی بجائے "بڑی" کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ علاوہ بریں یہ لفظ اردو میں "بڑائی" سے زیادہ تقدس کے مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ دکنی مترجم نے "کلا سیعلمون" میں "کلا" کے معنی قسم کے لئے ہیں۔ سو کتنہ ہے کہ جانے گی یو جس چیز میں اختلاف کرتی ہیں۔" کلا کا ترجمہ "ہرگز نہیں" ہونا چاہئے۔ عربی زبان

میں حرف "س" اور "سوف" زمانہ قریب میں کسی کام کی انجام دہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن دکنی ترجمے میں اس کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ البتہ مابعد آیت میں "سیعلمون" کے تفسیری فقرے میں لفظ "بیگش"[1] کی مدد سے زمانہ قریب کی رعایت پوری کی گئی ہے۔

"ثم کلا سیعلمون پس بیگ ہے کہ نکی یو اپنے بری عقیدی کیتی پچھان"۔ اس کو ترجمے کی بجائے مختصر تفسیر کہنا مناسب ہوگا۔ مضارع کے بعد "گا"، "گی" یا "گے" بڑھا دینے سے فعل مستقبل بنتا ہے۔ مصدر "پہچاننا" سے فعل مستقبل کا جمع مذکر غائب کا صیغہ "پہچانیں گے" ہوتا ہے۔ گو اس وقت کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا تاہم اس فعل کی پھوڑی جو دکنی مترجم نے کی ہے قابل غور ہے۔ ایک ٹکڑا "پچھان" کا اور دوسرا "نکی" کا۔ دوسرے ٹکڑے "نکی" کو جملے کے پہلے حصے میں رکھ کر پہلے حصے "پچھان" کو جملے کا آخری کلمہ بنا دیا۔

"پس بیگ ہے کہ نکی یو اپنے بری عقیدی کیتی پچھان"۔ "پہچانیں گے" یعلمون کا موزوں ترجمہ بھی نہیں۔ اس ترجمے سے پہلے یعنی اواخر گیارہویں صدی ہجری کے ترجموں میں یعلمون کے معنی "سمجھیں گے" بھی ملتے ہیں۔ ویسے "جاننا" اس زمانے میں مروج تھا اور خود اس مترجم نے اس سے پہلی آیت میں کلا سیعلمون کا ترجمہ "جانیگی" کیا ہے۔

"لنخرج بہ حبًا" کا ترجمہ فعل مستقبل میں امدادی فعل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ "تا باہر کیاوں کا اس پانی سوں دانے ہر جنس کے تا کھانے بدل تمہاری" امدادی فعل کی وجہ سے مفہوم بدل گیا اس لئے کہ قواعد کی رو سے "لے" فعل کے شروع میں آنے سے فاعل کا اپنے ساتھ اناج (دانوں، حبا) کو زمین سے باہر لانے کا مفہوم نکلتا ہے۔ اور یہاں "لنخرج" کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ "تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج" موزوں ترجمہ ہے۔

---

[1] یہ لفظ "بیگی" ہے۔ ع۔ تقیر حسینی

یہ زیادہ تر لفظی ترجمہ ہے۔ تفسیر کے لئے کہیں کہیں دو چار لفظ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ تفسیر تشنہ رہ گئی ہے۔ مثلاً "النباء العظیم" سے صرف قرآن مراد ہونا ظاہر کیا ہے۔ مفسرین نے یہاں بعث یعنی قیامت، نبوت اور قرآن تینوں کو متعلق سے تفسیر کی ہے۔ "وخلقنٰکم ازواجاً" میں "ازواجاً" کے تحت صرف نر و مادہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کے جوڑے کے علاوہ طرح طرح کے اشکال اور الوان کے جوڑوں کی بھی وضاحت ہو جاتی تو بہتر تھا۔ ترجمے میں فاعل کی ضمیر جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے ہمیشہ محذوف رکھی گئی ہے۔ آیتوں میں جہاں فاعل متکلم بصیغۂ جمع اللہ تعالیٰ ہے وہاں فعل کا ترجمہ ہمیشہ بصیغۂ واحد کیا گیا ہے مثلاً "الم نجعل الارض مھاداً" دیا نہیں کیا ہوں زمین کیتین بچھانا "والجبال اوتاداً" اور نیں کیا ہوں پہاڑاں کیتین میناں تا زمین استوار اچھی اوس سوں"۔ اسی طرح بعد کی آیتوں میں بھی بصیغۂ واحد ترجمہ کیا گیا ہے۔ بظاہر مترجم پر عربی قواعد کی عدم پابندی کا الزام عائد ہوتا ہے لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کی شان خطابت بصیغۂ جمع متکلم کو دکنی زبان میں صیغۂ واحد بیان کر کے عوام کو خدائے واحد کے ہی ایقان پر قائم رکھنے اور ان کے ذہنوں کو جمع کے تصور سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے۔ بعض مفسرین نے "وجعلنا سراجاً وھاجاً" کی تفسیر میں سراج سے آفتاب چاند اور ستارے سب ہی مراد لئے ہیں لیکن یہاں دکنی مترجم نے صرف آفتاب مراد لیا ہے اور یہ درست ہے۔ اس لئے کہ سراج بصیغۂ واحد ہے۔ اور آفتاب ہی سے حرارت اور روشنی ملتی ہے۔

۷۸۶
۳۹۲

منظوم ترجمہ

سورۂ رحمٰن (منظوم)

قرآن شریف کے منظوم اردو تراجم جو مقالہ نگار کو دستیاب ہوئے ہیں ان میں سورۂ رحمٰن کا ترجمہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ مولوی عبد الحق نے قدیم اردو (ص ۱۲۲) میں اس سورہ کی بھی چند آیتوں کا ترجمہ نمونۃً پیش کیا ہے یہ پورا ترجمہ منظوم ہے اور فعلن فعلن فعلن فع کی بحر میں ہے۔ مولوی صاحب نے وزن پر تو توجہ نہیں کی اس لئے انھیں التباس ہوا کہ یہ نثر مقفیٰ ہے۔

مولوی صاحب نے مترجم کا نام بتایا ہے نہ سنہ ترجمہ اور نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا ہے اس سے اس نسخے کے ناقص الاول والآخر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ویسے تو زبان کی قدامت اور پرانے الفاظ مثلاً 'مین' کا 'جین' 'اگل' وغیرہ کے استعمال سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ گیارہویں صدی ہجری کا ہی ترجمہ ہوگا۔ اگرچہ مولوی صاحب نے اس ترجمے کے سنہ کا تعین نہیں کیا ہے لیکن اس کا ذکر انھوں نے گیارہویں صدی ہجری کے تراجم کے ساتھ ہی کیا ہے۔ نمونۂ ترجمہ ذیل میں پیش ہے:۔

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان

ترجمہ:۔ اے لوگو تم کرو پچھان — جس کا میٹھا نام رحمٰن
جن سکھایا ہے قرآن — جن سرجا ہے انسان

الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان

TooBaa-Research-Library

ترجمہ: سکھایا تم کو سبھی بیان — چاند سورج سوں حساب پچھان

جھاڑ پیڑ بھی نیں[1] سبحان — سجدہ کریں ہیں اوس کوں مان

والسماء رفعها ووضع الميزان الا تطغوا في الميزان

ترجمہ: اونچا کیتا ان اسمان — رکھے ہے گی ان میزان

اپنے دل سوں حق پچھان — کم زیادہ منہ کو جان

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان

ترجمہ: جو تول سو پورا تول — جو مول سو پورا مول

ڈنڈی دل پہ نہ دیکھو جھول — دغل نہ کیجو تول ابول

والارض وضعها للانام فيها فاكهة والنخل ذات الاكمام والحب ذو العصف والريحان

ترجمہ: لوگوں کا جینٹ زمین بچھائے — میوہ خرما جھاڑ اگائے

دانہ پیدا کر پھیلائے — اوس میں اگل ریحان کھلائے

فبای آلاء ربکما تکذبان

مترجم کو چاہیے کہ ترجمے میں اصل متن سے نہ ہٹے۔ لیکن منظوم ترجمے کا بڑا عیب یہی ہوتا ہے کہ مترجم ضرورت شعری سے غیر ضروری الفاظ بلکہ مطالب میں بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس ترجمے میں بھی یہی سقم آگیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ حشو و زوائد کو خارج کر کے صرف اس قدر عبارت سے ہو جاتا ہے۔

"رحمٰن سکھایا ہے قرآن، سرجا ہے انسان، (پھر) سکھایا اوس کوں (سبھی)

---

[1] جھکنا۔ [2] لے۔ [3] کاتب کی غلطی ہے "واو" ہونا چاہیے۔ [4] اصلی درجہ ہے (مولوی عبدالحق)

بیان۔"

"اے لوگوں تم کرو پچھان" کسی جزو آیت کا ترجمہ ہے نہ تفسیر اس کی متقاضی ہے۔ البتہ "اے لوگوں" سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ اس زمانے میں منادٰی کے جمع ہونے کی حالت میں بھی اس کا آخری نون نہیں گرایا جاتا تھا۔ آگے ترجمے میں "جس کا میٹھا نام" کی گنجائش نہیں تھی۔ "علمہ البیان" میں فعل "علّم" کا مفعول "ہٗ" ضمیر متصل بصیغہ واحد غائب ہے "اس کو" جو انسان کی طرف راجع ہے لیکن مترجم نے اپنے ترجمے میں ضمیر جمع مخاطب "تم" استعمال کی ہے۔ ان آیتوں کا ترجمہ نحوائے قرآن کے مطابق اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

"رحمٰن نے قرآن سکھایا یا رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو بیان (گویائی) سکھلایا۔"

مندرجہ بالا سب مفرد جملے ہیں لیکن مترجم نے ان سب کو ملا کر جملہ مرکب ملتف و معنی خیز بنا دیا ہے۔ اس طرح اصل جملہ "رحمٰن سکھایا ہے قرآن" کی بجائے "رحمٰن سکھایا تم کو بھی بیان" قرار پائے گا۔ "جن سکھایا ہے قرآن" اور "جن سرجا ہے انسان" یہ جملے تابع وصفی ہوں گے۔ اور ایسا ترجمہ قرآن شریف کے منشا کے خلاف ہے۔

"الشمس والقمر بحسبان" کا ترجمہ کیا ہے "چاند سورج سوں حساب پچھان" اس جزو آیت کا ترجمہ جملہ انشائیہ میں جیسا کہ مترجم نے کیا ہے نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں یہاں صیغہ امر نہیں ہے بلکہ اسم سورج اور چاند حالت خبری میں ہیں "سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے"۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمے میں فعل حال متعلق کو قوسین میں لکھا ہے۔ "سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں۔"

"والنجم والشجر یسجدان" کے دکنی ترجمے "جھاڑ پیڑ بھی نین سبحان سجدہ کریں ہیں اوس کوں مان" میں "سبحان" اور "اوس کوں مان" اضافہ شدہ الفاظ ہیں جو قافیے کی خاطر لائے گئے ہیں۔ ویسے ان کو تفسیری الفاظ مان لیتے ہیں

TooBaa-Research-Library

کوئی حرج نہیں۔

"والسماء رفعها ووضع المیزان ألا تطغوا فی المیزان" کا ترجمہ دکنی مترجم نے اس طرح کیا ہے۔

اونچا کیتا ان اسمان　　راکھے ہیگا ان میزان
اپنے دل سوں حق پچھان　　کم زیادہ منہ کر جان

پہلے دونوں مصرعوں میں ٹھیک ٹھیک ترجمہ کیا ہے۔ لیکن نظم کی مجبوری سے واو عطف کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ ترجمے میں "اپنے دل سوں حق پچھان" مترجم کی طرف سے اضافہ شدہ ہے۔ "کم زیادہ منہ کر جان" میں غالباً کاتب کی غلطی سے "مت" "منہ" ہو گیا۔

"واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان" کے منظوم ترجمے میں قرآن مجید کے جملۂ انشائیہ کی وہ قوت اور زور نہ آسکا۔ مترجم نے ضمیر موصولہ "جو" کے ساتھ مصرعۂ ثانی میں اس کے جواب میں "سو" لا کر ترجمہ کیا ہے اور دونوں مصرعوں میں بھی حرف عطف "و" کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ قرآن کہتا ہے "اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت"[1] دکنی مترجم کے اس ترجمے میں بالخصوص آخری بیت سے قرآن کی معنوی سنجیدگی بھی باقی نہیں رہی۔

ڈنڈی مار نہ دیکھو بھول　　دغل نہ کیجو تول ابول

ترجمہ کرنے میں دکنی مترجم خود ڈنڈی مارتا نظر آتا ہے۔ اس کے ترجمے کا تول پورا نہیں ہے۔ کمی بیشی ہر جگہ نظر آرہی ہے۔ اس کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورہ کی مقفیٰ آیتوں کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کی خاطر مترجم نے عربی صرف و نحو کا لحاظ رکھے بغیر ترجمہ کر دیا ہے۔

---

[1] ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔

اسی طرح جب وہ آگے بڑھتا ہوا "فبأی آلاء ربکما تکذبان" پر پہنچتا ہے تو کچھ الفاظ کے اضافے سے تفسیری رنگ پیدا کر دیتا ہے۔

تم پر رب کا احسان　　کس نعمت تے ہوئے اجان

پہلا مصرعہ "تم پر رب کا احسان" واقعی تفسیر کے اعتبار سے جامعیت کا حامل ہے لیکن دوسرے مصرعے میں لفظ "اجان" موزوں نہیں ہے۔ محض قافیہ کی خاطر منتخب کیا ہے۔ ویسے اجان (انجان)، اور تکذبان (تکذیب سے جھٹلانا)، دونوں میں معنوی اعتبار سے بہت بڑا فرق ہے۔

ترجمے کے منظوم ہونے کی وجہ سے باعتبار ترجمہ یہ منظوم ترجمہ جس قدر بھی سقیم ہو گیا ہو اس میں بیان کا وہ الجھاؤ نہیں ہے جو نثری ترجمے میں عربی نحوی ترکیب کو زیادہ سے زیادہ قائم رکھنے اور متن قرآن سے قریب رکھنے کی کوشش میں پیدا ہو جاتا ہے۔ نظم کی وجہ سے مترجم تمام بندھنوں سے آزاد ہو گیا ہے اس لیے اس کا بیان بے تکلف اور رواں ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ترجمے کی زبان کا مقابلہ اسی دور کے دوسرے نثری تراجم سے کیا جائے جن کی زبان و بیان میں بڑا ثقل اور گنجلک ہے تو خواہ مخواہ گمان ہوتا ہے کہ یہ شاید بہت بعد کا ترجمہ ہو۔ حالانکہ زبان و بیان کا یہ فرق زمانے کے تقدم و تاخر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نظم و نثر کے ذریعہ اظہار کی مختلف نوعیتوں کی وجہ سے ہے۔

باب سوم

تراجم و تفاسیر ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء-۱۷۰۴ء تا ۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء-۱۷۹۰ء

۷۸۶
۹۲

الف: پس منظر

مغلوں نے یکے بعد دیگرے دکن کی سلطنتوں کو فتح کر کے تخت دہلی کے زیر نگین کر لیا۔ دکن پر مغلوں کے اس قبضے سے جو افراتفری پیدا ہوئی اس کی وجہ سے دکنی تہذیب کا ارتقاء نہ صرف منقطع ہوا بلکہ اس تہذیب کے عناصر ترکیبی منتشر ہونے لگے۔ شعراء، علماء اور اہل حرفہ سبھوں کی زندگی کے لالے پڑ گئے۔ مشہور ہے کہ اورنگ زیب نے بیجاپور کے قابل فخر شاعر نصرتی کو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا[1]۔ لیکن جب ملک میں سکون و آسودگی نہ ہو تو یہ فکریں کہاں آ سکتی ہے اور ذہن میں رہتی۔ اورنگ زیب نے جب ۱۰۹۲ ہجری میں اورنگ آباد کو اپنا صدر مقام بنایا تو پھر ایک مرتبہ دکن میں تہذیب کا مرکز قائم ہوا۔ ادھر دہلی سے امراء، شرفاء، علماء اور شعراء کی آمد کا تانتا بندھ گیا تو ادھر گولکنڈہ اور بیجاپور کے شعراء اور اہل کمال آ آ کر اورنگ آباد میں بسنے لگے اور پھر تہذیبی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ شعر و سخن کے چرچے ہونے لگے۔ اہل شمال اور اہل دکن کے اس اتصال اور ارتباط کے دو نتائج نکلے ایک تو اہل دکن کی زبان پر شمالی ہند کی ترقی یافتہ زبان کا اثر پڑنے لگا۔ دوسرے شمالی ہند والے جب دکنی شعر و ادب کے وسیع اور وقیع سرمایہ سے روشناس ہوئے تو انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے جس زبان کو عوامی اور بازاری سمجھ کر در خور اعتنا نہیں سمجھا اور فارسی ہی کو سر آنکھوں پر بٹھائے رکھا اسی زبان میں اہل دکن نے شعر و ادب کے شاہکار تخلیق کر لیے ہیں حالانکہ اہل دکن کی زبان وہ سیال اور

۱۔ فتوت "تذکرہ ریاض حسنی"

غیر منضبط نوع زبان تھی۔ جو صدیوں پہلے خلجیوں اور تغلقوں کے دور میں دکن آئی تھی اور نا جنس زبانوں میں گھری ہوئی ہونے کے باعث کم و بیش اسی حالت میں تھی جس حالت میں کہ وہ دکن میں آئی تھی اس کے برخلاف دہلی کی اردو اطراف و اکناف کی بولیوں کے اثر و نفوذ سے ترقی کے کئی مراحل طے کر چکی تھی۔

شعرائے اورنگ آباد کے دواوین کے سرسری مطالعہ سے بھی شمالی ہند کے محاورے سے اہل دکن کی زبان کی اثر پذیری کا صریح اندازہ ہو جاتا ہے۔ خود ولی کا دیوان اس لسانی تغیر کی سب سے اہم دستاویز ہے۔ دوسری طرف دکنی شعر و ادب سے اہل دہلی کی اثر پذیری کی وجہ سے دہلی میں اردو میں شعر گوئی کا ذوق عام ہو گیا۔ جب ولی کا دیوان دہلی پہنچا تو اہل دہلی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اس کی زمینوں میں غزلیں کہنے لگے۔ عہد آغاز کے سبھی شعرا نے ولی کا اتباع کیا۔ اور اس سے اردو میں شعر گوئی کا سلیقہ سیکھا اور دیکھتے دیکھتے دہلی اردو شاعری کا مرکز بن گئی۔ اہل دہلی نے نثر کی طرف بہت دیر میں توجہ کی اور یہاں بھی دو تین کتابوں سے آگے نہیں بڑھے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے حال ہی میں عیسوی خاں کی نثری تصنیف "قصہ مہر افروز و دلبر" کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ صاحب موصوف نے اس کا سنہ تصنیف ۱۷۳۲ تا ۱۷۵۹ء کے درمیان قرار دیا ہے۔ فضلی کی کربل کتھا بھی اسی زمانے میں (۱۷۳۱ء / ۱۱۴۵ ہجری) میں لکھی گئی۔ سودا (۱۷۱۳ء۔ ۱۷۸۱ء ۔ ۱۱۲۵ھ تا ۱۱۹۵ھ) نے اپنے مرثیے کا دیباچہ مسجع اور مقفیٰ اردو نثر میں لکھا ہے۔ شمالی ہند میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن سے پہلے انہیں تین نثری کارناموں کا پتہ چلتا ہے۔

دکن پر مغلوں کا قبضہ تیس پینتیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ اور اس عرصے میں بھی مرکز کی کمزوری کی وجہ سے بغاوتیں ہوتی رہیں۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اول کو محمد شاہ نے قلمدان وزارت سپرد کیا (سنہ ۱۱۳۶ھ)۔ لیکن اسی زمانے میں دلی پر نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ نادر شاہ کی مصیبت سے نجات ملی تو نظام الملک کے خلاف دربار میں سازشیں

شروع ہوئیں۔ یہ رنگ دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہو گئے اور دکن کا رُخ کیا۔ دکن کے صوبیدار مبارز خاں کو شکر کھیڑا کے مقام پر شکست دے کر سلطنت آصفیہ کی بنیاد ڈالی اور اورنگ آباد کو پایہ تخت بنایا۔ یوں تو آصف جاہ اول امور مملکت کی درستی اور سلطنت کے استحکام کے کاموں میں ہمہ تن مصروف رہے لیکن اس کے باوجود علمی مشاغل کے لئے تھوڑا بہت وقت نکال لیتے تھے۔ اورنگ آباد پہلے ہی ادبی مرکز بنا رہا تھا آصف جاہ کی علم دوستی اور ذوق شعری کی وجہ سے یہاں کی علمی و ادبی فضا کی رونق اور بڑھ گئی۔ دہلی کی آئے دن کی تباہی و بربادی سے علماء اور شعراء اس نئے ادبی مرکز کا رُخ کرنے لگے۔ غلام علی آزاد بلگرامی، مرشد قلی خاں مخمور، قزلباش خاں امید جیسے متعدد علماء و شعراء اورنگ آباد آ گئے تھے۔ ان کے عہد میں اردو نثر میں شاہ ولی اللہ قادری نے سنہ ۱۱۵۰ ہجری میں رسالہ معرفت السلوک لکھا۔ ڈاکٹر زور نے اردو شہ پارے میں اس عہد کے ایک اور نثری کارنامے اخلاق ہندی کا بھی ذکر کیا ہے۔[1]

آصف جاہ اول کا عہد حکومت ۱۱۳۶ تا ۱۱۶۱ ہجری ہے۔ ان کے بعد ناصر جنگ شہید نے تین سال حکومت کی اور سنہ ۱۱۶۴ھ میں شہید ہوئے۔ مظفر جنگ اسی سال تخت پر بیٹھے اور اسی سال وفات پا گئے۔ نواب صلابت جنگ ۱۱۶۴ سے ۱۱۷۳ ہجری تک حکمران رہے۔

آصف جاہ اول کے بعد دکن کے حالات بہت پر آشوب رہے۔ پھر بھی علمی اور ادبی کام جاری رہا۔ صلابت جنگ کے عہد میں شعراء کے متعدد اردو تذکرے لکھے گئے۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں خواجہ حمید خاں نے گلشن گفتار کے نام سے ایک مختصر تذکرہ مرتب کیا جس میں دکن کے قدیم اور جدید شعراء کے علاوہ شمالی ہند کے شعراء کا بھی ذکر ہے۔ اسی سنہ میں افضل بیگ خاں قاقشال نے فارسی اور اردو کے شعراء کا ایک تذکرہ تحفۃ الشعراء کے نام سے لکھا۔ خواجہ عنایت اللہ فتوت نے سنہ ۱۱۶۸ھ میں تذکرہ ریاض حسنی قلمبند کیا۔ اس عہد کا چوتھا

---

[1] ڈاکٹر زور اردو شہ پارے۔

تذکرہ چمنستان شعرا ہے جس کو لچھمی نارائن شفیق نے سنہ ۱۱۷۵ھ میں مرتب کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شمالی ہند میں بھی تذکرہ نگاری کا آغاز اسی عہد میں ہوتا ہے۔ میر نے تذکرہ نکات الشعرا سنہ ۱۱۶۵ ہجری میں لکھا۔ میر کے تذکرہ کے بعد شمالی ہند میں بھی تذکرے لکھے جانے لگے۔ صلابت جنگ کے دور میں بھی شعر و سخن کی فضا قائم رہی۔

آصف جاہ ثانی سنہ ۱۱۷۵ ہجری میں مسند نشین ہوئے تو سلطنت آصفیہ کو نئی زندگی ملی۔ استحکام سلطنت کی وجہ سے تہذیبی سرگرمیاں بڑھیں۔ انھوں نے اورنگ آباد کی جگہ حیدرآباد کو پایۂ تخت بنایا تو اورنگ آباد کی علمی اور ادبی فضا بھی پہنچ کر حیدرآباد آ گئی۔ ان کے عہد میں ان کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے جہاں امور مملکت کی درستی پر غیر معمولی توجہ کی وہیں شعرا کی سرپرستی بھی اس قدر دل کھول کر کی کہ سینکڑوں شعرا ان کے دربار سے منسلک ہو گئے جن میں جگجیون لال جگ، شیر محمد خان ایمان اور احسان اللہ بیان، عبد الولی عزلت خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں نثر کا کام بھی ہوا۔ شاہ میر نے تصوف کے موضوع پر مختلف رسالے لکھے۔ طوطی نامے کے دکنی ترجمے کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ سید محمد قادری کے طوطی نامے کے دو ترجمے ہوئے ایک سنہ ۱۱۹۴ھ میں اور دوسرا سنہ ۱۲۰۸ھ میں۔ اسی زمانے میں حیدرآباد میں چند نثری داستانیں بھی لکھی گئیں۔ اسی عرصے میں بعض علما نے قرآن کے ترجمے اور تفسیر کے اس کام کو بھی خاموشی کے ساتھ جاری رکھا جس کا آغاز قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں ہو چکا تھا۔

اورنگ آباد کے مغلوں کے دار الحکومت بننے کے بعد سے دکنی زبان پر شمالی ہند کے محاورے کا جو اثر پڑنا شروع ہوا تھا۔ وہ امتداد زمانہ کے ساتھ بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ آصف جاہ ثانی کے عہد میں دکن کی علمی و ادبی زبان دکنی باقی نہیں رہی۔ بلکہ اس کی جگہ شمالی ہند کی زبان کا چلن ہو گیا۔ پہلے دکن کی اس لسانی شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ زبان کے معاملے میں اہل دہلی کے مقلد ہو گئے تھے۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک محاورے کے لیے انھیں شعرائے

دہلی سے سند لینا پڑتی تھی اور اس دور میں شمالی ہند سے جو شعرا دکن آتے رہے دہلی میں ان کا مقام جو کچھ بھی ہو دکن میں استاد الاساتذہ بن گئے۔ اگرچہ زبان کی اس محتاجی اور مجبوری کے باوجود دکن میں شعر و سخن کا غلغلہ بڑھتا ہی رہا۔ لیکن لسانی برتری کی وجہ سے دہلی کا ایک معمولی شاعر بھی دکن کے بڑے سے بڑے شاعر کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔ جو زبوں حالی دہلی کے فارسی گو شعرا کی ایرانی شعرا کے مقابلے میں تھی کم و بیش وہی صورت حال دکن میں پیدا ہو گئی۔

ب۔ تراجم و تفاسیر

(i) دکن کی مساعی (دور ثانی)

(ii) شمالی ہند کی مساعی

۷۸۶ / ۳۹۲

(ا)

تفسیر پارہ ہود:

مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون "کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"[1] میں "تفسیر پارہ ہود" کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ[2] میں موجود ہے۔ دیسی کاغذ پر خط نستعلیق و نسخ میں (۲۸۱) صفحات پر مشتمل تفسیر ہے۔ ہر صفحہ میں بارہ سطریں ہیں اور سائز (۹×۵) ہے۔ مصنف کا نام اور سنہ تصنیف کا صحیح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ ہاشمی صاحب نے اس کو مابعد گیارہ سو ہجری کی تصنیف قرار دیا ہے[3] اور اس نسخہ کو ناقص الآخر بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہاشمی صاحب کے مضمون کا عنوان ہے۔ "اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" اس کی بجائے "... قرآن شریف کے اردو ترجمے اور تفسیریں" ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ دوسری بات یہ کہ "تفسیر پارہ ہود" لکھا ہے۔ حالانکہ ہود پارہ کا نام نہیں۔ یہ ایک سورۃ ہے۔ ہاشمی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"اس میں سورۂ ہود سے لے کر سورہ الحجر کے کچھ حصے کی تفسیر شامل ہے۔"

واضح ہو کہ سورہ ہود قرآن مجید کے گیارہویں پارہ کے آخر سے شروع ہو کر بارہویں پارہ کے تقریباً

---

[1] رسالہ اردو بابت جنوری سنہ ۱۹۵۲ء [2] نمبر مخطوطہ تفسیر (۲۶ م ا) [3] معنون رسالہ اردو میں لکھا ہے "زبان کے لحاظ سے اس کو ... ہجری کے آخر دور سے متعلق کیا جا سکتا ہے" لیکن فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ میں اس کو مابعد گیارہ سو ہجری کی تصنیف ہونا ظاہر کیا ہے۔

یعنی چوتھائی حصے پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد سورہ یوسف ہے پھر سورہ رعد سورہ ابراہیم اور پھر سورہ حجر ہے اور یہ سورہ (حجر) چودھویں پارہ کے ربع پر ختم ہوتی ہے۔ بقول ہاشمی صاحب اگر اس میں سورہ حجر کے کچھ حصے کی تفسیر شامل ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس میں چودھویں پارے کی بھی تفسیر شامل ہے۔ ایسی صورت میں یہ مخطوطہ نہ تفسیر پارہ سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ تفسیر سورہ ہود سے۔

بات دراصل یہ ہے کہ نسخہ زیر نظر تیرھویں پارہ کی تفسیر ہے چنانچہ اس کی ابتداء آیت "وما ابرئ نفسی" سے ہوئی ہے اور یہ سورہ یوسف کا سلسلہ ہے۔ اس مخطوطہ کا اختتام سورہ حجر کی پہلی آیت الر تلک ایات الکتاب وقرآن مبین پر ہوا ہے اور یہ تیرھویں پارے کی آخری آیت ہے لیکن مفسر نے آخر میں چودھویں پارے کے آغاز کا کلمہ "ربما" اور اس کا ترجمہ و تفسیری جملہ "بہوت وقت ایں کہ ربع اون وقتوں کے" بھی لکھ دیا ہے۔ چونکہ یہ آخری عبارت وسط صفحہ پر ختم ہے اور اس کے آگے یا نیچے اور کوئی تحریر نہیں اس لئے سمجھا جا سکتا ہے کہ مصنف نے اسی حد تک ترجمہ و تفسیر کا کام انجام دیا ہے۔ لہٰذا اس تفسیر کا نام "تفسیر پارہ وما ابرئ" موزوں ہوگا۔ ویسے مخطوطے پر تفسیر یا ترجمے کے تعلق سے کوئی نام درج نہیں ہے البتہ حاشیے پر سرخی سے "الجزو الثالث عشر ۱۳" لکھا ہے۔

ہاشمی صاحب نے غالباً سورتوں کے لحاظ سے نسخہ کو ناقص الآخر لکھ دیا لیکن جب سورہ حجر کی نامکمل تفسیر کی وجہ سے اسے ناقص الآخر قرار دیا ہے تو آغاز میں سورہ یوسف کے ابتدائی تقریباً سات رکوع کی تفسیر نہ پائی جانے پر ناقص الاول بھی سمجھا جا سکتا تھا۔

الحاصل یہ مخطوطہ "تفسیر پارہ" "وما ابرئ" ہے جس کا آغاز یہ ہے۔

"وما ابرئ نفسی اور نئیں پاک کرتا ہوں نفس کیتن میرے یعنے
نیں کہتا ہوں میں کہ نفس میرا میل اور آرزوؤں سے پاک ہے۔
ان النفس لامارۃ تحقیق نفس میرا البتہ فرمابردار ہے بالسوسات

بدیکے الا ما رحم ربی مگر جس چیز کیتیں کہ رحم کرے پروردگار میرا یعنے بخشے اور نفس کے فرمابردار سے امن میں رکھے ان ربی تحقیق پروردگار میرا غفور بخشنے ہارا ہے گناہ کہ قصد کیتن یعنے جو گناہ کو ظاہر میں نہ آوے اور اوس کا خیال دل میں آیا پروردگار اوس گناہ کو بخشتا ہے رحیم مہربان ہے کہ بندے کیتن گناہ سے باز رکھتا ہے جس وقت کہ یہی بادشاہ کا بادشاہ کہ روبرو آیا یوسف علیہ السلام کے باتاں تمام کہا پس بادشاہ کیتن یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے آرزو اور زیادہ ہوئے"۔

قرآن کی آیتیں سرخی سے لکھی ہیں اور اس کے بعد سیاہی سے معنی و تفسیر درج ہے۔ یہ زیادہ تر لفظی ترجمہ ہے کہیں کہیں الفاظ کی کسی قدر صراحت بھی کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر واقعات نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ "وما ابرئ نفسی" کا ترجمہ "اور نیں پاک کرتا ہوں میں نفس کیتن میرے۔" کیا ہے۔ آگے تفسیری جملہ نہ ہوتا تو مفہوم میں فرق آجاتا۔ اس لئے کہ نفس کو پاک کرنے اور نفس کو پاک سمجھنے یا پاک جتلانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس کا مناسب ترجمہ یہ ہوتا ہے "اور نیں پاک کہتا یا جتلاتا ہوں میں نفس کیتن میرے"۔ ان النفس لامارۃ میں "امارۃ" کا ترجمہ "فرمابردار" کیا ہے۔ تفسیر الجلالین میں امارۃ کے معنی "کثیرۃ الامر" لکھے ہیں۔ اس طرح "حکم کرنے والا" اور "فرمابردار" کے معنوں میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ لفظ "غفور" کے معنے "بخشنے ہارا ہے" لکھا ہے لیکن اس کے آگے بخشنے کے تعلق سے جو تفسیری جملہ اضافہ کیا ہے اس میں اس صفت کی تخصیص ایسے گناہ کے بخشنے سے کر دی ہے جو صرف خیال کی حد تک رہا ہو۔ "بخشنے ہارا ہے گناہ کہ قصد کیتن یعنے جو گناہ کہ ظاہر میں نہ آوے اور اوس کا خیال دل میں آیا پروردگار اوس گناہ کو بخشتا ہے"۔ اس طرح "رحیم" میں رحم کی خصوصیت بندہ کو گناہ سے باز رکھنے

کی ظاہر کی گئی ہے۔ غفور اور رحیم کی صفت کو اس طرح مخصوص معنوں میں محدود کر دینے سے غالباً مترجم کا منشا قرآن کے متن کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت و پاکدامنی پر مہر ثبت کرنا ہے۔

مولوی عبدالحق نے قدیم گجراتی اردو میں سورۂ یوسف کے ترجمے سے کچھ حصہ نقل کیا ہے[1]۔ گو وہ پرانی گجراتی اردو میں ہے۔ تاہم ان دونوں ترجموں کا معنوی اعتبار سے یہاں تقابلی موازنہ مناسب ہوگا۔

	پرانی گجراتی اردو میں ترجمہ
اذهبوا بقميصي هذا۔ لیجاؤ تم پیراہن میرا جو یہ ہے اور وہ پیراہن ابراہیم علیہ السلام کا تھا کہ جبرئیل کنوئیں میں یوسف کتیں پہنائے تھے اور وہی پہونچائے تھے کہ اوس پیراہن کتیں یعقوب کے پاس کنعان میں بھیجو۔ پس یوسف علیہ السلام بھائیوں کتیں کہے کہ یہ پیراہن لیجاؤ۔	اذهبوا بقميصي هذا یوسف نے کہا لے جاؤ میری پیرہنی۔
فالقوه پس ڈالو تم اوس پیراہن کتیں علی وجہ ابی اوپر منہ باپ کے میرے یات بصیرا آئیں گے بینائے آنکھوں کے یعنے آنکھاں اون کے روشن ہوویں گے۔	فالقوه على وجه ابي يات بصيرا انے باپ کے منہ پر چھوڑو تو دیکھتے ہوویں گے۔
وأتوني اور آؤ تم میرے پاس باهلكم اجمعین۔	وأتوني باهلكم اجمعين

[1] اس مقالے میں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے ملاحظہ ہو صفحہ (   )

ساتھ لوگوں تمہارے تمام ہو دہیکے کہ گئے یوسف	انے پیچھے سگلے اپس کے کٹم کوں لیئے انے۔
پیراہن ہوئے بھرا ہوا باپ کو دور دیں لیگیا تھا یہ پیراہن میریتیں دیکو تامیں لے جاؤں شاید کہ یہ خوشی کا پیراہن اوس غم کے پیراہن کا بدلہ ہووے یوسف علیہ السلام اوس پیراہن کو بھوداکر حوالی کئے اور اسباب اور سواریاں اور راہ کا خرچ تیار کرکر بھائیوں کے حوالے کئے بھودا مصر سے بھائیوں کے ساتھ باہر نکلی اور کنعاں کے طرف متوجہ ہوئے۔	میرے نزدیک آؤ۔

زیر نظر مخطوطے میں اذهبوا بقميصي هذا کا ترجمہ ضمیر موصول کے ساتھ کیا ہے۔ "لیجاؤ تم پیراہن میرا جو یہ ہے" اور "فالقوه على وجه ابي يات بصيرا" میں "يات بصيرا" کا ترجمہ عام تفاسیر کے نہج پر ہی کیا گیا ہے۔ "آئیں گے بینائے آنکھوں کے یعنی آنکھاں اون کے روشن ہوویں گے۔" یہاں "وہ دیکھتے ہوئے میرے پاس آئیں گے" کا مفہوم نہیں پیدا کیا۔ پرانی گجراتی اردو والے ترجمے سے بھی یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ بحیثیت مجموعی زیر نظر ترجمہ میں پرانی گجراتی اردو ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صحت پائی جاتی ہے۔ ترجمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت "کتیں" حرف ربط "کو" اور "پر" دونوں کے لئے مستعمل تھا۔ اور "مجھ کو" کے لئے "میرے تئیں"۔ "کے" کی املا "کی" اور اس کا عام رواج تھا۔ پہلی کی جگہ نہیں معلوم پیلی کیوں لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے میں پہلی کو پیلی بھی کہتے ہوں۔[2] زبان نہایت صاف اور نحوی ترکیب نہایت سلجھی ہوئی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو رسالہ امین الدین علی اعلیٰ "کلمۃ الاسرار"

اس لئے زبان کی بنا پر ہاشمی صاحب کا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ بارہویں صدی کی زبان ہے۔

۴۸۶
۴۹۲

۲۔ تفسیر قرآن

مولوی عبدالحق نے شاہ مخدوم حینی کی ایک تفسیر موسومہ "تفسیر قرآن" کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ آخر سے ناقص ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ انھوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی یا حرف چند پاروں کی۔"[1]

مفسر کا نام شاہ مخدوم حینی تو بتایا ہے لیکن کوئی سند پیش نہیں کی۔ ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے انھیں ترقیمہ بھی نہ مل سکا۔ غالباً اس مخطوطہ میں کوئی دیباچہ بھی نہیں تھا۔ ورنہ مولوی صاحب ضرور اس کا ذکر کرتے اور دیباچہ کی مندرجہ معلومات پیش کرتے۔ صاف لکھ دیا ہے کہ "مولف کا حال بھی کہیں نہیں ملا۔"

مولوی صاحب نے سورۃ بقرۃ کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے اور تفسیر کا جو نمونہ نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"(ذالک) یہ وہ کتاب ہے کہ خداوند عالیشان دوا گے کے ساتھ اتارنے اس کتاب کے وعدہ دیا تھا (الکتاب) یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن مجید (لاریب) کچھ شک و شبہ نہیں ہے (فیہ) بیچ اس کتاب کے یعنی ظاہر ہونے کے قبت کے اور واضح ہونے سے دلیلوں

کے یہ کتاب ساتھ اس مانند کے ہے کہ جو کوئی کہ بیچ اس کتاب کے اوپر فکر اپنی متوجہ کرے از شک خود کنڑے رہ جاوے اور جانے کہ شبہ کچھ نہیں بیچ اس کتاب کے طاقت اپنی کی نہیں ہے (ھدیً) دلالت کرنے والی اور راہ بتانے والی (للمتقین) خاص پرہیزگاروں کے تئیں کیونکہ یہ پرہیزگاران ساتھ اس کتاب کے فائدہ پائے ہوئے ہیں (الذین) وہ لوگ کہ ساتھ پنے اعتقاد اپنے سے (یومنون) خواہش کرتے ہیں (بالغیب) ساتھ نہیں "دیکھی ہوئی چیز کے۔ وہ کون ہے یعنی حق تعالیٰ اور وہ کون یعنی فرشتے اور وہ کون ہے یعنی قیامت کا دن ساتھ علاقہ والے اس قیامت کے یا پوچھا ہوا دی ہے۔ اور کہتے ہیں مراد غیب سے قضاء و قدر ہے کہ مسلمانوں نے ساتھ ان چیزوں غیب کے ایمان لاتے ہیں (ویقیمون) اور قائم رکھتے ہیں اور ادا کرتے ہیں (الصلوٰۃ) نماز پانچ وقت کے تئیں ساتھ شرطیں اور ادبین اس نماز کے یعنی واجبات اور مستحبات نماز کے ادا بجا کرتے ہیں (ومما رزقناھم) اور اس چیز سے ساتھ ان نعمتوں کے بخشش کئے ہم (ینفقون) نفقہ کرتے ہیں اوپر اہل و عیال اور قرابتی اور ہمسایہ والے صاحب حقداروں کے۔"

اس تفسیر کے بارے میں مولوی صاحب کی رائے درج ذیل ہے:۔

"یہ تفسیر بھی بعد کے زمانے کی ہے۔ اس میں قدیم الفاظ کہیں نہیں آتے لیکن زبان دکنی ہے۔ مثلاً چھینا چھونے کی جگہ استعمال کیا ہے اور اسماء کی جمع "ان" سے بنائی گئی ہے۔ مثلاً

لوگاں، مایاں وغیرہ عبارت اکثر ناقص بے ربط ہے۔"

اس کتاب میں ترجمے کے ساتھ تفریح کے لئے کچھ عبارت بھی اضافہ کر دی گئی ہے۔

مندرجہ بالا نمونہ عبارت میں "یومنون" کا ترجمہ "ایمان لاتے ہیں" کی بجائے "خواہش کرتے ہیں۔" لکھا ہے۔ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ مولوی صاحب نے نمونتہً جو اقتباس نقل کیا ہے اس میں تو اسماء کی جمع "الف نون" اور "واؤ نون" دونوں سے بنائی گئی ہے مثلاً پرہیزگاراں "پرہیزگارون"۔

مولوی صاحب نے اس کی زبان سے قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ تیرھویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ [1]

یقیناً مفسر نے قدیم دکنی کے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے جو تیرھویں صدی ہجری میں متروک ہو گئے تھے۔ لیکن جملوں کی کوئی ترکیب اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ اس سے دو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ یا تو یہ تفسیر دسویں صدی کے آخر یا گیارھویں صدی کے آغاز کی نثر ہے اگر مفسر کا تعلق بارھویں صدی کے آخر یا تیرھویں کے آغاز سے ہے تو مفسر کو نثر لکھنے پر بالکل قدرت حاصل نہیں ہے اور اس نے معاصر اور ماقبل کی نثر سے استفادہ بھی نہیں کیا ہے۔ پہلے قیاس کی تائید زبان سے نہیں ہوتی اس لئے قیاس ثانی ہی زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو اس قدر عجز بیان کے باوصف مفسف کا تفسیر جیسے بڑے کام کا ارادہ کرنا حیرت انگیز ہے۔ بہرحال زبان و بیان کی بنا پر تفسیر کے عہد کا تعین بہت مشکل ہے۔

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۵۷)

(۱۱)

۱. تفسیر سورۂ بنی اسرائیل و کہف

"تفسیر سورہ بنی اسرائیل و کہف" کے نام سے ایک مخطوطہ [1] کتب خانۂ آصفیہ میں ہے۔ یہ در اصل قرآن مجید کے پندرھویں پارے کا مکمل ترجمہ و تفسیر ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت "سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً" الخ کے ترجمے سے کتاب کا آغاز ہوا ہے اور پندرھویں پارے کی آخری آیت "لقد جئت شیاءً نکراً" کے ترجمے و تفسیر پر اختتام ہے۔ اس مخطوطے کا نام "تفسیر بنی اسرائیل و کہف" کی بجائے "تفسیر پارہ سبحٰن الذی" ہونا چاہیئے۔ حیرت تو یہ ہے کہ کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد دوم میں بھی اس کا نام "تفسیر بنی اسرائیل و کہف" ہی لکھا ہے۔ اس نام کے تحت یہ نسخہ ناقص الآخر کہا جائے گا اس لئے کہ سورہ کہف کا سلسلہ سولہویں پارے کے ابتدائی تین رکوع پر ختم ہوتا ہے۔

کتاب میں نہ کہیں مفسر کا نام درج ہے اور نہ ترقیمے کی قسم کی کوئی عبارت ہے جس سے مفسر، سنہ تفسیر یا سنہ کتابت وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ قرآن مجید کی آیتیں سرخی سے لکھی ہیں۔ اور اس کے بعد ترجمہ و تفسیر سیاہی سے۔ دوران تفسیر مناسب حال اشعار بھی دیے گئے ہیں اور یہ اشعار مترجم ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ مقالہ نگار کی رائے میں یہ تفسیر

---

[1] مخطوطہ (۲۵۸) - سائز (۵/۱۰) - صفحے (۲۶۸) - سطر (۱۱) فی صفحہ خط نستعلیق۔

ملاحسین الواعظ کاشفی کی تفسیر حسینی کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نہ صرف فارسی عبارت کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے بلکہ فارسی اشعار کو بھی جو تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے ہیں، اردو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ صرف ایک دو مقامات ہی ایسے ہیں جہاں مترجم نے اپنے طور پر تشریح کی ہے۔ ذیل میں دونوں تفسیروں کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

تفسیر بنی اسرائیل

سبحان الذی پاکی دبے عیبی ہے اوس کیلکتین کو واسطے کرامت کے۔
اسریٰ بعبدہ لے گیا بندہ کیتین اپنے جو محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم لیلاً ایک رات یعنی بیچ بعضے شب سے من المسجد الحرام مسجد حرام سے کہ محیط سات حرم کعبہ کے ہے یا گھر سے ام ہانی کے جو دختر ابی طالب کے تھے زوجہ محترمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے کس واسطے کہ مکہ اور حریم کہ۔
تمام مسجد ہے۔ الی المسجد الاقصیٰ طرف مسجد اقصیٰ کے جو بیت المقدس ہے اور اقصیٰ اوسکیتین اس سبب سے کہتے ہیں کہ دور تر ہے اہل مکہ سے اور بیچ اس زمانے کے سیوای اوس کی مسجد دوسری دقی۔
. . . . . .
. . . . . .

تفسیر مواہب علیہ جلد اول معروف بہ تفسیر حسینی لہ

سبحان الذی پاکی دبے عیبی آنذات کہ بجہت کرامت۔
اسریٰ بعبدہ بر د بندہ خودرا کہ محمد است صلی اللہ علیہ وسلم لیلاً شبی یعنی در بعض از شب من المسجد الحرام از مسجد حرام کہ محیط بحرم کعبہ است یا از خانۂ ام ہانی
چہ مکہ وحریم او
ہمہ مسجد اند الی المسجد الاقصیٰ بسوی مسجد دورتر۔ از مسجد اہل مکہ یعنی بیت المقدس۔ . . .
. . . . .
. . . . .

لہ [illegible] مخطوط ۔ کتب خانہ آصفیہ۔

الذی بارکنا وہ مسجد کہ برکت کئے ہم حولہ اطراف اس کی جو زمین شام ہے ہم برکت دین کے کہ اوسکیتین۔
مہبط وحی اور معبد انبیاء کے ہم یعنے جائے نزول وحی اور عبادت گاہ انبیاء علیہم السلام کا کئے ہم۔
اور ہم برکت دنیا کے کہ ۲ بادکئے ہم اوسکیتین سات اشجار کے اور انہار کے اور سات بہوت سے میوہا کے اور سات فراخی معیشت کے اور ارزانے غلہ کے پہنچا بیچ اس جا کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیتین لے گئے ہم۔
لنریہ تا دکھیا دین ہم اوسکیتین من ایاتنا آیات اور دلائل قدرت سے ہماری بیچ تھوڑی وقت کے کہ منظر سے شام کیتین گیا اور بیت المقدس کیتین مشاہدہ کیا اور انبیاء کیتین دیکھا اور وقوف اوپر مقامات اونکی حاصل کیا۔ یعنے واقف ایک کے مقامات و منازل کا ہوا۔
اور اوپر عجائبات اور غرائبات آسمانہا

الذی بارکنا آن مسجدی کہ برکت کردیم حولہ گرداگرد او کہ ارض شام است بہ برکت دین کہ او را مہبط وحی و معبد انبیاء ساختیم
. . . .
. . . . . .
و ہم برکت دنیا کہ مخصوص گردانیدیم او را باشجار و انہار و بسیاری میوہ و فراخی معیشت و ارزانی پس بدانجا محمد را صلی اللہ علیہ وسلم بردیم
لنریہ تا بنمائیم او را من ایاتنا از دلائل قدرت ما کہ اندک زمانی از مکہ بشام رفت و بیت المقدس را مشاہدہ کرد و انبیاء را بدید و وقوف بر مقامات ایشان حاصل کرد۔
. . . . . .
. . . . . .
. . . . . .
و بر عجائب و غرائب آسمانہا اطلاع یافت

کے اطلاع پا کر اکثر علماء اوپر اس بات کے ہیں کہ قصہ معراج کا ایک سال آگے.

اکثر علما بر آنند کہ معراج در سال دوازدھم از مبعث بودہ.

ہجرت کے ہوا ہے اور بیچ ماہ اوس کی اختلاف کئے ہیں کہ ماہ ربیع الاول ہے یا ماہ رمضان ہے یا ماہ شوال ہے یا ماہ ربیع الآخر ہے.

و در ماہ او اختلاف کردہ اند کہ ربیع الاول است یا ربیع الآخر یا شوال.

اور اشہر یہ ہے کہ شب بیست و ہفتم تھے ماہ رجب سے اور جانا.

اشہر شب بیست و ہفتم است از رجب رفتن

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک.

آنحضرت از مکہ بہ بیت المقدس.

نص قرآن سے ثابت ہے اور منکر اوسکا کافر ہے.

بنص قرآن ثابت شدہ و منکر آن کافر است

اور عروج فرمانا اور آسمانوں کے اور واصل ہونا بیچ مقام قاب قوسین او ادنیٰ کے اور پہنچنا بیچ مرتبہ قرب ہے ساتھ احادیث صحیح مشہور ہوا ہے کہ قریب ساتھ حد تواتر کے ہے ثابت ہوا ہے اور جو کہ انکار اسکا کرے مضل اور مبتدع یعنی گمراہ اور بدعتی ہووے گا

و عروج بر آسمانہا و وصول بمرتبہ قریب باحادیث صحیح مشہورہ کہ قریبست بحد تواتر ثابت گشتہ و ہر کہ انکار آن کند ضال و مبتدع باشد. نظم:

شاہد معراج نبی واضح ہے :: جو منکر اوسکا یعنی کافر ہے

شاہد معراج نبی واضح است
آنکہ منکرست بدین کافر است

دست گہ سلطنت این وصال
نیست بپا مردی او قیل و قال

عقل کیا جانے یہ کیا ہے گا مقام
عشق پہچانے ہے یہ کیا ہیگا مقام

عقل چہ داند چہ مقام است این
عشق شناسد کہ چہ دام است این

اسی طرح معراج کا بیان آگے جاری رکھا گیا ہے اور یہ سلسلہ جملہ بائیس صفحوں پر ختم ہوتا ہے. درمیان عبارت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مناسب حال اشعار بھی لکھے گئے ہیں.
چند مزید اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں.
معراج بہ جسد مبارک بحالت بیداری کے تعلق سے شعر ہے :.

ع. جسد احمد کا الطف تھا ہماری روح سے زیادہ
ہوا معراج حضرت کو جسد کے ساتھ اس باعث

ع آنکہ سرشت تنش از جان بود
سیر عروجش بتن آسان بود

معراج کی سواری کے بارے میں یہ اشعار لکھے ہیں:.

ع جو یک شب خواب فرمائے تھے حضرت
کہ گھر میں ام ہانی کی بہ خلوت

ع ربی رخ نافتہ زین دیر فانی
بہ خلوتہ در سرائے ام ہانی

ع وہاں جبرئیل حکم حق سے آیا
براق برق سیر ہمراہ لایا

ع : رسیدش جبرئیل از بیت معمور
براق برق سیر آوردہ از نور

ع سوار اوس پر ہوئی ہیں ذات اقدس
کہ پہنچے پل میں جا بیت المقدس

ع توی پشت وگران سیر وسبک خیز
براندن دور بین وقت شد از تیز

مخطوطہ زیر نظر کی تفسیر کے تعلق سے کچھ کہنا گویا حسین کاشفی کی تفسیر پر تبصرہ کرنے کے مترادف ہے اس لئے کہ یہ اسی کا ترجمہ ہے۔ "الی المسجد الاقصیٰ" کا فارسی ترجمہ چونکہ "بسوی مسجد" کیا گیا ہے اس لئے اس کا اردو ترجمہ بھی "طرف مسجد اقصیٰ کے" کیا گیا ہے۔ بظاہر "لفظ" طرف "لفظ" تک" کے مقابلے میں یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ معراج کے واقعے کے سلسلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک" لیجانا بیان کیا جائے تو لفظ "تک" کی وجہ سے سفر کا اختتام مسجد اقصیٰ تک ہی سمجھا جائے گا۔ برخلاف اس کے لفظ "طرف" کے استعمال سے مسجد اقصیٰ پر سفر کا ختم ہو جانا نہیں سمجھا جا سکتا۔ "طرف مسجد اقصیٰ کے" ترجمے سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک کے سفر کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کیا ہے لیکن "علماء" کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو اسراء اور وہاں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیاحت کو معراج کہتے ہیں"۔ اس لحاظ سے "مسجد اقصیٰ تک" ترجمہ موزوں ہوگا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"وہ خدا (عجز اور درماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے
بندے (محمد) کو راتوں رات مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ)
سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرداگرد
ہم نے دنیا و دین کی برکتیں دے رکھی ہیں (اور اس کے لے جانے
سے مقصود یہ تھا) کہ ہم ان کو (اپنی قدرت کے چند نمونے معائنہ
کرائیں (اور) ان کو بعض اسرار غیب معلوم ہوں ورنہ اصل
سننے والا دیکھنے والا (یعنی غیب داں) وہی خدا ہے۔"

اردو ترجمے میں قدیم الفاظ بھی پائے جاتے ہیں مثلاً "وہ" بجائے

وہ "لگ" بجائے "تک"۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ "لگ" اور "تا" دونوں ہی ایک جملہ میں آ گئے ہیں مثلاً مقام سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا حد مقام یہاں لگے تھا اگر یہاں سے یک بال برابر آگے بڑھوں میں آتش قہرالٰہی سے سر سے تا پا لگ جلوں۔" گو لفظ "تک" "تا" اور "لگ" کی مرکب صورت ہے پھر بھی دونوں لفظ ایک ساتھ ایک ہی جملے میں استعمال کرنا غلط ہے۔ اس کو کتابت کی غلطی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ اوپر کے اس جملے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ الفاظ کی املاء بھی تھا اس کے تلفظ کے کی جاتی تھی۔ مثلاً بڑوں (بڑھوں)۔ وو (وہ)۔ پہچانے (پہنچانے)۔

ع۔ "عشق پہچانے ہے یہ کیا ہیگا دام"۔

پونچیا یا (پہنچایا) بیت المقدس کیتیں پونچایا۔ ع "کہ پونچی پل میں جا بیت المقدس"۔
خاتمہ کتاب میں پندرہویں پارے کی آخری آیت "لقد جئت شیئاً نکراً" کا ترجمہ "ہر آئینہ لایا تو مشئ منکر ناپسندیدہ کیتیں" کیا ہے۔ اس کے بعد لفظ "زکیۃ" اور "نکراً" کی حسب ذیل تشریح پر مخطوطہ اختتام کو پہنچا ہے۔ یہ تشریحی عبارت تفسیر حسینی میں نہیں ہے۔

"اور لفظ "نکرا" کے معنے میں قتادہ کہتا ہے کہ "نکرا" امر عظیم
سے ہے کس واسطے کہ حقیقت اوس کی ہلاک نفس ہے اور نیچ
شکست کشتے کے خوف ہلاک کا تھا نہ ہلاکت قطعی نافع اور
ابن عامر اور یعقوب اور ابوبکر "نکرا" کیتیں سات ضمتین کے
نکراً پڑھتے ہیں اور دوسری قاریاں سات سکون کاف کے نکراً
تلاوت کرتے ہیں۔"

تفسیر حسینی کی عبارت کے بہت سے فارسی الفاظ اور ترکیبیں اردو ترجمے میں جوں کی توں رکھ دی گئی ہیں۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں پیش ہیں۔

اشجار، انہار، فراخی، معیشت، میوہ ہا، ارزانی، دلائل قدرت، آسمانہا، اشہر، شب بیست و ہفتم، احادیث صحیح مشہورہ، براق برق سیر وغیرہ۔

ترجمے میں عربی اور فارسی دونوں ہی قواعد کے تحت جمع بنائے گئے اسما ملتے ہیں۔

زیر نظر تفسیر اور تفسیر حسینی کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر پارہ سبحٰن الذی "تفسیر حسینی" کی فارسی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے اس کو مابعد سنہ ۱۲۰۰ ہجری کا ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ نیز زبان ہی کی بنا پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مترجم کا تعلق شمالی ہند سے ہے اس لئے کہ دکنی زبان کی کوئی صرفی یا نحوی خصوصیت اس عبارت میں نہیں ملتی۔ مثلاً ہر جگہ فعل ماضی مطلق حرف الف کے اضافے سے بنایا گیا ہے۔ مترجم دکنی ہوتا تو کم از کم چند افعال ماضی مطلق تو "یا" کے اضافے سے بناتا اس کے علاوہ فعل ناقص "ہیگا" صرف شمالی ہند کے ساتھ خاص ہے یہ لفظ دکن میں کبھی مروج نہیں رہا۔ سلطنت آصفیہ کے ابتدائی عہد میں بعض دکنی شعرا نے میر و مرزا کے اتباع میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ دکن میں شعر و ادب کے لئے دکنی کا استعمال تقریباً متروک ہو چکا تھا اور اس کی جگہ شمالی ہند کے محاورے نے لے لی تھی۔

۸۶
۴۹۲

۲۔ "خدائی نعمت"

معروف بہ

"تفسیر مرادی"

پارہ عم کی تفسیر شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی نے کی ہے۔ تفسیر کا نام "خدائی نعمت" معروف بہ تفسیر "مرادی" ہے۔ فاتحۂ کتاب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب سنہ ۱۱۸۲ ہجری میں تفسیر کے کام میں مشغول تھے اور ۲۲ محرم سنہ ۱۱۸۵ ہجری کو یہ تفسیر اختتام کو پہونچی۔ اس کے بار بار چھپنے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے زمانے میں بہت مقبول رہی ہوگی۔ اس کا ایک مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو میں ہے[1]۔ یہ در اصل تفسیر مرادیہ کے ایک مطبوعہ نسخے کی نقل ہے۔ جس کی کتابت میر ابراہیم علی متوطن قصبہ راجمندری نے سنہ ۱۲۶۳ ہجری میں کی ہے۔ چنانچہ ترقیمے میں لکھا ہے۔

"ماہ جمادی الثانی کی بارہویں تاریخ جمعہ کا روز سنہ ۱۲۶۳ ہجری نبوی صلعم بموجب فرمائش میر نوازش علی صاحب کتاب تفسیر مرادی ترقیم نمودہ بحسن اتمام رسید۔ کاتب الحروف عاصی سراپا معاصی

---

[1] بزم مخطوطہ تفسیر (۲۵.۱) ساز ۲/۱ ۶ / ۲/۱ ۱۰ . ورق ۲۳ . سطر فی صفحہ ۱۵۔

میر ابراہیم علی متوطن قصبۂ راجبندری۔

کاتب کا تعلق راجبندری سے ہونے کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے کہ مخطوطے کی کتابت بھی وہیں ہوئی ہوگی۔ مخطوطے میں "خاتمۃ الطبع" ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی مطبوعہ کتاب کی نقل ہوگی عبارت مندرج ذیل ہے۔

"... تفسیر خدا کی نعمت تصنیف حضرت مولانا شاہ مراد اللہ
سنبھلی قدس سرہ العزیز کے ۲۱ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۵۱
ہجری قدسی جمعے کے دن حاجی الحرمین منشی وہاج الدین صاحب
کے اہتمام میں ... "یہ کام انجام پایا۔

مولوی عبدالحق نے بھی قدیم اردو میں شاہ مراد اللہ سنبھلی کی اس تفسیر کا ذکر کیا ہے۔[1] مگر اس کا نام "خدا کی نعمت" معروف "مرادیہ"[2] بتایا ہے۔ اور سنہ طباعت ۱۲۶۰ ہجری بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یہ بڑی تقطیع کے ۲۰۲ صفحوں پر ہے اور شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس سے قبل چھپی تھی۔ چنانچہ ناشر کتب نے خاتمۂ طبع میں یہ عبارت لکھی ہے۔"

"خاکسار سید عبداللہ ولد سید بہادر علی عفا اللہ عنہما نے صرف
یہ نیت اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کی جزا دیوے اور
شاہ مراد اللہ رحمۃ[3] کی روح مجھ سے خوش ہو جاوے اس
کتاب کی تصحیح کر کے چھپوایا اور غلطیوں کو دور کیا جس کو باور نہ ہو تو

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۰۔ [2] معروف بہ "مرادیہ" ہونا چاہئے۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔
[3] "رحمۃ اللہ" ہونا چاہئے کتابت کی غلطی ہے۔

اگلے چھاپے کی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھے اور انصاف کرے۔"[1]

مولوی عبدالحق کا خیال صحیح ہے کہ "یہ کتاب اس سے قبل چھپی ہے۔" چنانچہ ادارہ ادبیات اردو کا مذکورہ بالا مخطوطہ سنہ ۱۲۵۱ ہجری میں چھپے ہوئے نسخے کی نقل ہے اور اس نسخے کو منصور احمد ساکن بردوان نے حاجی وہاج الدین کے اہتمام سے ۲۱ رجب المرجب سنہ ۱۲۵۱ ہجری کو مطبع عالم افروز میں چھپوایا۔[2] ویسے ایک مطبوعہ نسخہ بھی ادارہ کے "ایوان قرآن" میں موجود ہے۔ علاوہ بریں کتب خانۂ آصفیہ میں بھی دو نسخے ہیں جن کا سنہ طباعت علی الترتیب ۱۲۵۸ اور ۱۲۸۴ ہجری ہے۔ سنہ ۱۲۵۸ ہجری کے مطبع محمدی میں چھپے ہوئے نسخے کے خاتمۃ الطبع کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اس سے پہلے دو مرتبہ چھپ چکی ہے نیز اس کی مکرر اشاعت کا سبب بھی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"...... آگے اس کے دو مرتبہ تفسیر سپارہ عم جس کا نام
خدا کی نعمت اور مشہور بمرادیہ اور تصنیف کی ہوئی مولانا شاہ
مراد اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی ہے چھپی تھی بالفعل سبب کمیابی
کے اکثر مومنان دیندار اور مسلمانان شریعت شعار فوائد سے
اس نعمت کے محروم ہیں اس واسطے عاجز نے ہزاروں کوشش
سے بعضے مقامات کو جو سہو بشری سے چھاپنے والے کے ربط
و ضبط نہ رکھتے تھے۔ زبدۃ سالکا[3] سالک الیقین و خلاصہ عارفاں
مناہج دین متین معدن فضل و کرم و مخزن جود و ہم مولانا شاہ

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۰۔ [2] ڈاکٹر زور نے مطبع عالم افروز کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کلکتہ کے محلہ کلنگا میں مدرسہ عزیزیہ کے متصل واقع تھا۔ (تذکرہ مخطوطات جلد پنجم ص ۲۱۱ و ۲۱۲)
[3] "سالکاں" ہوگا کتابت کی غلطی ہے۔

طبع العالم صاحب سے تحقیق کرکے شراکت میں مولوی عبدالقادر
صاحب و منشی احمدالدین صاحب و منشی محمد تقی صاحب و منشی مطیع اللہ
صاحب و شیخ گھاسی صاحب کے مطبع محمدی میں سنہ ۱۲۵۸ ہجری
میں چھپوایا اگر بشریت کے سبب سے باوجود درد سر کھانے
کی کسی جگہ میں سہو و خطا واقع ہوئی ہو معاف فرمادیں۔"

مختصر یہ کہ تفسیر مرادیہ مقبولیت عامہ کی وجہ سے کئی بار چھپ چکی ہے۔ خاتمۃ الطبع
(نسخہ ۱۲۵۸ھ) کی عبارت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کتب خانہ آصفیہ کا سنہ ۱۲۸۴
میں چھپا ہوا نسخہ پانچویں بار کی اشاعت کا ہے۔ اس کے سرورق پر سنہ طباعت اور
مطبع کے علاوہ کارکنان اشاعت کے نام بھی ملتے ہیں۔ لکھا ہے۔

" خدا کی نعمت المعروف مرادیہ جسے شاہ مراد اللہ انصاری
قادری نقشبندی غفر اللہ ذنوبہ نے تالیف فرمایا ہے۔ اسے
احقر العباد قاضی ابراہیم ولد قاضی نور محمد صاحب بلندری
نے اور نور الدین بن جیوا خاں صاحب نے جزیرہ معمورہ
بمبئی۔ کے مطبع حیدری میں زیور طبع سے تاریخ ۱۱ ربیع الاول
سنہ ۱۲۸۴ ہجری کو مزین کیا۔"

سنہ ۱۸۸۳ء (مطابق سنہ ۱۳۰۱ھ) کا بھی ایک مطبوعہ نسخہ کتب خانہ آصفیہ
میں ہے۔ اس کا کاغذ بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی مختلف
سنین میں یہ تفسیر چھاپی گئی ہو۔

تفسیر زیر نظر کے سلسلے میں سب سے پہلے اس کا نام زیر بحث آتا ہے۔ بجز ادارہ
ادبیات اردو کے نسخے کے تمام نسخوں میں اس کا نام " خدا کی نعمت " ("کی" حرف
اضافت کے ساتھ) لکھا ہے اور ادارہ کا نسخہ " خدائی نعمت " سے موسوم ہے۔ اس کے

خاتمۃ الطبع کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ " خدائی نعمت " تاریخی نام ہے اور کاتبوں کی
غفلت سے " ہمزہ " کی کشش کاف کے مرکز سے بدل گئی اور " خدا کی نعمت " ہوگیا۔
چنانچہ لکھا ہے۔

" خدائی نعمت کے بارے میں قیاس ہے کہ جو خدا کے نعمت ہو
اور کاتبوں کے غلطی سے کاف کی کشش اور بڑھ گئے ہے کیونکہ
حساب ابجدی میں اس کا عدد ۱۱۸۵[1] ہے۔ اور یہ مادہ تاریخ
تصنیف کا ہی کیونکہ حضرت قدس سرہ نے خاتمے میں کچھ ایما نہیں
فرمایا اس لیے اس عاصی نے سب نسخوں میں جیسا پایا ویسا ہی ہے
رکھ چھوڑا اور دس بارہ نسخے تصحیح کے واسطے جمع ہوئے تھے ہر
کوئی تحریف سے خالی نہ نکلے سوائے ایک نسخے کے جو عبارت
اوس کے باقی ہر ایک عبارت کے دو چند سے بھی (بھی) زائد
ہی پھر صرف اوسے نسخے کو تفسیر فتح العزیز اور تفسیر حسینی اور
تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف کے استعانت سے تصحیح کرکے
چھپوایا . . . . . "

عبارت مندرجہ بالا کی روشنی میں تفسیر کا تاریخی نام " خدائی نعمت " ہی ہونا چاہیے
اس لئے کہ تفسیر کا کام سنہ ۱۱۸۵ ہجری میں مکمل ہوا اور " خدائی نعمت " میں "ؤد" کی
محسوب ہونے سے اس کے عدد " ۱۱۸۵ " ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے " خدا کی نعمت " سے
۱۱۹۵ برآمد ہوتے ہیں۔ نیز خاتمہ کتاب میں سنہ تفسیر کو عبارت میں ۱۱۸۵ ہی لکھا ہے۔ عبارت
ذیل میں نقل کی گئی ہے۔

" حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہی سزاوار ہی پاک پروردگار کیتیں

---

[1] یہ عدد ۱۱۸۵ ہے۔

جس خداوند نے اپنے فضل اور کرم سے اور حضرت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم سپارہ کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروادیا اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبھلے قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر اسکے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان بخش زبان کو ہاتھوں کو قوت بخشے قلم کو کاغذوں کے اوپر جاری کروادیا۔ یہ خیر کا کام پورا کردیا پھر اس تفسیر کا نام خدا کے نعمت مقرر کروادیا۔

یہ تفسیر جو بیسویں تاریخ محرم کے مہینے کے جمعے کے دن تمام ہوچکی حضرت پیغمبر صاحب صلعم کے ہجرت کے گیارہ سو برس کے اوپر جو راسے برس گزرچکے تھے پچاسی شروع ہوا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ بندہ عاجز گنہگار امیدوار ہے جو اس تفسیر کے لکھنے میں اس کے پڑھنے میں اور پڑھانے میں یہ بندہ اور جو کئی ہووے پڑھے پڑھاوے ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں قبر میں آخرت میں اس کے برکتوں سے محروم نہ ہووے لکھنے کا پڑھنے کا پڑھانے کا سمجھانے کا سیکھنے کا سکھانے کا عمل کرنے کا اور کو عمل بتانے کا ثواب پاتا رہے۔

نعمتیں خوبیاں لیتا رہے۔ پھر رحمت خدا کے اور عنایت اور فضل خدا کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے پہنچاتا رہے۔ الحمد للہ تعالیٰ اولاً و آخراً۔ "[1]

---

[1] تفسیر مرادی نمبر مخطوطہ (۵ م ۱۰) ادارہ ادبیات اردو۔

سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں چھپے ہوئے مولوی عبدالحق والے نسخے میں خاتمہ کتاب کی مندرجہ بالا عبارت کے آخری حصے میں ایک جملہ کم ہے یعنی " توفیق بخش کر " کے بعد سلسلہ عبارت " یہ خیر کا کام پورا کردیا " سے جاری رکھا گیا ہے۔ " اس کے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان بخش زبان کو ہاتھوں کو قوت بخشے (بخشی) قلم کو کاغذوں کے اوپر جاری کروادیا " یہ جملہ موجود نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے شاہ صاحب کے جس نمونۂ عبارت پر اپنے مضمون میں تبصرہ کیا ہے وہ سورہ ضحیٰ کی ایک کتاب " ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ " کا ترجمہ و تفسیر ہے جسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

" (ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ) اور مقرر شتاب عطا کرے گا دیوے گا بخشے گا تجھکو یا محمد پاک پروردگار تیرا پھر راضی ہووے گا تو دے وسے نعمتیں خوبیاں بخشے گا تجھکو یا محمد پیدا کرنے والا تیرا آخرت میں جو تو خوش ہو جاوے گا۔ سب طرح کی فکریں جاتی رہیں گی تمام عالم کی شفاعت کا درجہ مقام محمود۔ تمام امت کی شفاعت کا حکم ' بہشت کی بڑی بڑی نعمتیں ' بے حد بے نہایت ' ہمیشہ کا دیدار ' ایسی بڑی خوبیاں تیرے واسطے رکھی ہیں۔ خاطر کو خوش رکھ ان کافروں مشرکوں کے طعنے مارنے میں غمگین ناخوش مت ہو کوئی دن میں بے سبب باتیں جاتی رہیں گی تم کو خوشی ہمیشہ رہے گی۔ روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت رسول (ص ع م) خوش ہوئے اور فرمایا میں ایک آدمی کا بھی میری امت کے دوزخ میں رہنے کا راضی نہیں ہونے کا یہ بات امت کے واسطے بڑی خوش خبری ہے۔ تھوڑے سے بہتیت ہے ' پہلے حال سے آخر کا حال بہتر ہے دنیا سے آخرت

بہتر ہے ۱؎"

ایک ہی آیت کے مختصر ترجمے اور تفسیر کی عبارت کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ زبان صاف اور سادہ ہے۔ ترجمے میں آیت کے عربی الفاظ کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے اور مترادفات کے استعمال سے جہاں مفہوم میں زور پیدا ہو گیا ہے وہیں تفہیم میں سہولت بھی ہو گئی ہے مثلاً یعطیك کا ترجمہ کیا ہے "عطا کرے گا، دیوے گا" بخشے گا تجکو"۔ انداز بیان کی یہ خصوصیت تفسیر کی عبارت میں بھی پائی جاتی ہے۔ "دے وے نفیس خوبیاں بخشے گا تجکو" تمام عالم کی شفاعت کا درجہ 'مقام محمود' تمام امت کی شفاعت کا حکم، بہشت کی بڑی بڑی نعمتیں' بے حد بے نہایت . . . "غمگین ناخوش مت ہو"۔ وغیرہ تحریر میں عربی اور فارسی کے ہلکے پھلکے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ بقول مولوی عبد الحق تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ متروک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی۔ مثلاً بے (بجائے یہ) وے (بجائے وہ) "اوپر" (بجائے پر) "ہووے" (بجائے ہو) "اندھیاری" (بجائے اندھیرا) "ان نے" (بجائے اس نے) اور یہ اور اسی قسم کے اور لفظ ہیں جو اب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں۔ جملوں کی ساخت البتہ کسی قدر پرانی ہے۔" لیکن امر غور طلب یہ ہے کہ کیا تفسیر کی موجودہ عبارت مفسر کی اصلی عبارت ہی ہے۔ اس لئے کہ سنہ ۱۳۵۱ ہجری والے نسخے کے خاتمۃ الطبع کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طباعت سے قبل صحت کے لئے اس کے دس بارہ نسخے مقابلہ کی غرض سے جمع کئے گئے تھے۔ ہر ایک تحریف کا شکار تھا۔ البتہ ایک نسخہ انھیں ایسا ملا جس میں بظاہر انھیں کوئی تحریف نہیں معلوم ہوتی۔ اور اس نسخہ کا حجم بقیہ نسخوں کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دوگنے حجم کا نسخہ اصل تفسیر مرادیہ ہے

۱؎ مقدمہ اردو صفحہ ۱۳۱۔

اور بقیہ نسخے اس کے ملخص ہیں اگر یہ صحیح ہے تو مرتب نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو اور اصل تفسیر کا حجم وہی ہو جو دوسرے نسخوں کا ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ سب سے زیادہ تحریف اسی نسخہ میں ہوئی ہے۔ دوگنے حجم کے تعلق سے مرتب کی کسی وضاحت کی عدم موجودگی میں یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ بقیہ نسخے ہی اصل تفسیر کی نقل ہیں اور سب سے زیادہ تحریف کا شکار وہی نسخہ ہوا ہے جس کا حجم دوچند ہے اور جس کے بارے میں مرتب کی رائے ہے کہ یہ تحریف سے پاک ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مرتب نے خود بھی تفسیر بیضاوی' تفسیر فتح الباری اور تفسیر کشاف وغیرہ سے مدد لے کر اس دوگنے حجم کے نسخے کی تصحیح فرمائی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مرتب نے دوسری تفاسیر سے خود لے کر اس نسخے میں مزید اضافے کئے ہیں۔ اس طرح یہ نسخہ جو ہمارے پیش نظر ہے تحریف در تحریف کا شکار ہے۔ اس لئے اس کی زبان کو اصل مفسر مراد اللہ انصاری کی زبان سمجھنا غلط ہو گا۔ چنانچہ ذیل میں سورۂ نبا کے ترجمے کی عبارت کا شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کی عبارت سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

سورہ نبا ر	ترجمہ شاہ مراد اللہ	ترجمہ شاہ عبد القادر	ترجمہ شاہ رفیع الدین
عم یتساءلون	کیا بات پوچھتے ہیں یہ لوگ آپس میں	کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں	
عن النبا العظیم	اس بڑی خبر سے		اس بڑی خبر سے
الذی هم فیه	جس میں وے کئی	جس میں وے کئی	
مختلفون	طرف ہو رہے ہیں۔	طرف ہو رہے ہیں	
کلا سیعلمون	یوں نہیں اب جان لیں گے۔	یوں نہیں اب جان لیں گے۔	
ثم کلا	پھر بھی یوں نہیں اب	پھر بھی یوں نہیں اب	

سیعلمون	جان لیں گے	جان لیں گے

اس کے بعد کی آیتوں کا ترجمہ گو بالکلیہ طور پر شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے ملتا نہیں ہے تاہم ترجموں میں مماثلت کی وضاحت کے لئے آگے کی دو ایک آیتوں کا بھی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

الم نجعل الارض	کیا ہم نے نہیں بنایا	ہم نے نہیں بنائی زمین
مھادًا	زمین بچھونا	بچھونا؟
والجبال	اور پہاڑیں	اور پہاڑ
اوتادًا	میخیں	میخیں
وخلقنٰکم	اور پیدا کیا ہم نے تم کو	اور تم کو بنایا جوڑے
ازواجًا	جوڑے جوڑے	جوڑے

تفسیر مرادیہ کا آغاز سورہ فاتحہ کی شان نزول سے ہوا ہے۔ اس کے بعد سورہ کا ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ سارے کا سارا شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے ملتا ہے۔ دونوں ترجمے ذیل میں بالمقابل پیش ہیں :-

سورہ فاتحہ	ترجمہ شاہ مراد اللہ	ترجمہ شاہ عبدالقادر
الحمد للہ	سب تعریف اللہ کو ہے جو	سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب
رب العلمین	صاحب سارے جہان کا	سارے جہان کا
الرحمن الرحیم	بہت مہربان نہایت	بہت مہربان نہایت
	رحم والا	رحم والا
مالک یوم الدین	مالک انصاف کے دن کا	مالک انصاف کے دن کا
ایاک نعبد وایاک	تجھی کو ہم بندگی کریں اور	تجھی کو ہم بندگی کریں اور
نستعین	تجھی سے مدد چاہیں	تجھی سے مدد چاہیں

اھدنا الصراط	چلا ہم کو راہ سیدھی	چلا ہم کو راہ سیدھی
المستقیم		
صراط الذین	راہ ان کی جن پر تو نے	راہ ان کی جس پر تو نے
انعمت علیھم	فضل کیا	فضل کیا۔
غیر المغضوب	نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ	نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ
علیھم ولا الضالین	بہکنے والے۔	بہکنے والے۔

اس تقابلی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض آیتوں کا ترجمہ اس نسخہ میں وہی ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں ہے۔ اور بعض آیتوں کے ترجمے میں صرف الفاظ کی کمی بیشی ہے اس لئے اس یگانگت کی وجہ تحقیق طلب ہو جاتی ہے۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن مجید سنہ ۱۲۰۵ ہجری میں مکمل ہوا اور تفسیر مرادیہ کا سنہ تکمیل ۱۱۸۵ ہجری ہے۔ اس (تفسیر مرادیہ) کی طباعت (سنہ ۱۲۵۱ ہجری) کے زمانے میں شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن مجید غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے قیاس ہے کہ تفسیر مرادیہ کی طباعت کے وقت مصححین نے بعض سورتوں اور آیتوں کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن سے اخذ کر لیا ہوگا۔ چنانچہ زیر نظر تفسیر کی عبارت اور اس کے ساتھ خاتمۃ الطبع کی عبارت میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ خاتمہ کی عبارت غالبًا شاہ مراد اللہ ہی کی ہے جو من وعن نقل کر دی گئی ہے۔ اور متن کی عبارت میں تحریف و تصرف کا عمل ہے۔ خاتمہ کی تحریر میں مترادفات کے علاوہ قدیم معمولی الفاظ مثلاً "کتیں" "اوپر" (بجائے پر) وغیرہ کہیں کہیں مل جاتے ہیں اور جملوں کی ترکیب بھی قدیم ہے۔ خصوصًا یہ جملہ "یہ تفسیر جو بیچ میں تاریخ محرم کے مہینے کے جمعے کے دن تمام ہوچکی۔ حضرت پیغمبر صاحب صلعم کے ہجرت کے گیارہ سو برس کے اوپر جو اسی برس گزر چکے تھے۔ پچاسی شروع ہوا تھا" زبان کی قدامت کو ظاہر کر دیتا ہے۔

اسی زمانے کی نثر کا ایک اور نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مرزا محمد رفیع سودا دہلوی کے دیباچہ "دیوان مرثیہ" کا ایک حصہ ہے۔

"مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا ہے کہ گوہر سخن عامی زیب گوشِ اہلِ ہنر ہوا ہے۔ اس مدت میں مشغل گوئی دقیقہ سنجی کا تمام رہا ہے۔ اور سدا مرغ معنی عرش آشیاں گرفتار دام رہا ہے۔ باوصف اس کے قول خذ ما صفا ودع ما کدر (صاف چیز لو اور گدلی چیز چھوڑ دو) پر عمل کیا ہے بلکہ تمام عالم کے سخن انصاف پر کلمۂ از گوش دیا ہے۔ جس کی زبان پر قبیل اعدادت سے حرف واقعی اور منصفی جاری ہوئے بااللہ کہ مرتبہ میں تقدم حرف لفظ مولا و (جس نے کوئی حرف بتایا وہ مولا (استاد) ہوا) طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد

ع۔ وائے بر جانِ سخن گر بہ سخنداں نرسد

لیکن مشکل ترین دقائق طریق مرثیے کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی سے دیا۔ چنانچہ اس کام میں مختشم کاشی نے بڑا قبول نہیں پایا ہے اسی مقولے نے یہ فرمایا ہے ؎

جمعے کہ پاس محفل شان اعتبار داشت
گشتند بے عیاری و محمل مختشم سوار

پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے

یہ متن ماخوذ کرے۔ نادر معقولہ ہے کہ عقلا جو دیکھیں
اور ضبط تضحیک و تمسخر بلکہ ہیں دین اس کا سیاق وسباق
جہلا دریافت کریں اور پھوٹ بہیں ؎

معنی لفظوں میں ہوئے ہیں روپوشش
یاں تلک رتبۂ سخن پہونچے"[1]

سودا کی اس عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کی تحریر کا یہی انداز تھا۔ فارسی اور عربی الفاظ کی ترکیبیں اور سجع و قوافی کا لحاظ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ سودا کا دیباچہ[2] شاہ مراد اللہ کی تفسیر سے کوئی چار یا پانچ سال پہلے لکھا گیا ہے تاہم شاہ صاحب کے پاس عربی اور فارسی الفاظ کی ترکیبوں اور سجع و قوافی کے لزوم کی اتنی سختی سے پابندی نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت بلحاظ سلاست اور روانی جتنی آسان ہے سودا کا انداز بیان بوجہ رنگینی اتنا ہی الجھا ہوا اور دشوار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مراد اللہ سنبھلی نے تفسیر کو عام فہم بنانے کے لئے آسان زبان اختیار کی ہے جسے انھوں نے "ہندی" سے موسوم کیا ہے۔

تفسیر مرادیہ کے سلسلے میں ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ ادارہ کے مخطوطے اور بعد کے مطبوعہ نسخوں کی عبارت میں "ی" کی کتابت میں معروف اور مجہول کا فرق ہے۔ اور مختصر کی جگہ "و" کے استعمال کو متروک کیا گیا ہے۔ مثلاً "اون" "اوس" کو "ان" "اس" اور "ہووے" اور "اوپر" کو "ہوئے

---

[1] تاریخ نثر اردو حصہ اول ص ۷۳

[2] دیباچہ دیوان مرثیہ کا سنہ تصنیف مولانا احسن مارہروی نے ۱۱۸۰ ہجری بتایا ہے۔ تاریخ نثر اردو حصہ اول ص ۷۵۔

TooBaa-Research-Library

" اور " پر " لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ بعد کے نسخوں میں طرز تحریر کے عصری تقاضوں
کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے ہر وقت کی تصحیح و ترمیم سے اصلی عبارت باقی رہنے
نہیں پائی۔ اسی بنا پر تفسیر کی زبان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

ج۔ منظوم ترجمہ و تفسیر

تفسیر مرتضوی

تفسیر مرتضوی پارہ عم کی ایک منظوم تفسیر ہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں شاہ
غلام مرتضیٰ جنونؔ نے پارہ عم کی تفسیر کو منظوم لکھا ہے۔ سنہ تفسیر ۱۱۹۴ ہجری ہے
یہ تفسیر مولوی عبدالماجد بن حکیم مولوی عبدالمجید کے مطبع طبی میں سنہ ۱۲۵۹ ہجری میں
چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک (مطبوعہ) نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں پایا جاتا ہے[1]
اور ایک نسخہ مولوی عبدالحق کے پاس بھی تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ مطبع کہاں تھا۔
کتاب تفسیر کے پہلے صفحہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمد صدیق صاحب اور
مولوی محمد وجیہہ صاحب مدرس مدرسہ کمپنی بہادر نے تفسیر کی تصحیح کا کام انجام دیا ہے
اس لئے قیاس ہے کہ یہ مطبع کلکتہ ہی میں ہوگا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے بھی یہی قیاس
ظاہر کیا ہے[2]۔ کتاب تفسیر کے پہلے صفحہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

" تفسیر مرتضوی یعنی پارہ عم کی تفسیر میں بنظم ہندی تصنیف
مولانا شاہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالےٰ متخلص بجنون

---

[1] " تفسیر مرتضوی " (۵۵ش) ٹائپ میں چھپی ہے۔

[2] قدیم اردو صفحہ ۱۴۶۱

ابن حضرت مولانا محمد تیمور الہ آبادی خاکسار خواجہ
عبدالصمد نے تصحیح سے حافظ محمد صدیق اور محمد وجیہ
صاحب مدرس مدرسہ کمپنی بہادر کے مطبع طبی[1]
میں مولوی عبدالماجد بن حکیم مولوی عبدالمجید خان
مرحوم کے واسطے فائدہ خاص و عام کے روز جمعہ
سنہ ۱۲۵۹ ہجری میں چھپوایا۔[2]

خاتمۂ کتاب میں مفسر نے اپنا ایک خواب بیان کیا ہے کہ اس نے سیدنا علی کرم اللہ تعالے وجہ کی حضور میں اپنی یہ تفسیر نذرانہ میں پیش کی اور امیرالمومنین کرم نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اشعار یہ ہیں:[3]

"دربیان خاتمۂ کتاب"

ذکر حق میں ایک شب ای دوستاں
میں گیا بیخود باوج آسماں

دیکھتا ہوں کیا کہ بر چرخ بریں
بیٹھے ہیں حضرت امیرالمومنیں

تخت زریں پر با عز و احتشام
ہیں ملک ہر سو برائے اہتمام

اولیا ہیں دست بستہ با ادب
خاموشی سے صورت دیوار ادب

جا کہ در پیش شہ عالی مقام
با ادب ہو کے کیا میں نے سلام

عرض کی میں نے کہ یا حضرت امام
حکم سے تفسیر کو لایا غلام

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں مطبع کا نام "مطبع طبی" لکھا ہے۔

[2] مخطوطہ تفسیر (۱)، کتب خانہ سالار جنگ۔

[3] مخطوطہ تفسیر (۱)، کتب خانہ سالار جنگ۔

دونوں جلدیں رکھ کے دونوں ہاتھ پر
لے گیا میں نذر کو پیش نظر

پایا حضرت نے مدد سے انصرام
ورنہ ہو سکتا تھا کب مجھ سے یہ کام

دونوں دست مبارک سے اٹھا
دیر تک دیکھا کیے وہ شیر خدا

تب یہ فرمایا باواز بلند
تیری محنت کو کیا ہم نے پسند

خوش ہوئے ہم اس تری تفسیر سے
تیری اس تحریر و اس تقریر سے

دوست جو اس کو رکھا ہم نے بجاں
دوست رکھیں گے اسے سب مومناں

مانگتا ہے اس کا کیا ہم سے صلا
جو تو چاہے دیویں ہم تجھ کو دلا

سیدنا علی کرم اللہ تعالے وجہ کی پسندیدگی اور قبولیت کے بعد مفسر نے اپنا مدعا اس طرح بیان کیا ہے۔

میں جو پایا شہ کا لطف بیقیاس
یہ کیا خدمت میں میں نے التماس

مانگتا ہوں تم سے میں حب خدا
اور حب اہل بیت مصطفےٰ

اور مہر جملہ آل فاطمہ
اور با ایماں ہو میرا خاتمہ

اور رہوں دنیا میں با عز و وقار
باقی جب تک ہے حیات مستعار

اور غلام مرتضےٰ میرا ہے نام
میں غلامی میں رہوں حاضر مدام

ایک میرا فرزند جو ہے نور عین
ہے غلام و بندہ حضرت حسین

مانگتا ہوں تم سے ای حق کے حبیب
دولت دارین ہو اس کو نصیب

اور رہے جس گھر میں دایم یہ کتاب
وہ رہے آباد تا روز حساب

اور جو اس کو پڑھے با اعتقاد
اس کی حاصل ہووے سب دل کی مراد

خاتمہ:- پس درود مصطفےٰ پر کر تمام
بھیج اصحاب اہل بیت ان پر تمام

یہ تفسیر سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہ سے شرف قبولیت پانے کی وجہ سے اپنے زمانے میں مقبول عام رہی ہوگی۔ آخری اشعار میں اس تفسیر کے ہر گھر میں رکھے جانے اور

پڑھنے کے جو فیوض و برکات دعائیہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں یقیناً ان سے عام طور پر لوگوں کو اس تفسیر سے استفادہ کی ترغیب ہوتی ہوگی اور اس کی متعدد نقلیں ہوتی رہی ہوں گی۔ لیکن مطبوعہ نسخوں کے علاوہ اس کے صرف چار مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ میں دو مخطوطے ہیں[1]۔ ادارہ ادبیات اردو میں ایک ہے[2] اور مولوی عبدالحق کے پاس بھی ایک قلمی نسخہ تھا[3]۔ ان مخطوطات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابت مختلف سنین میں ہوئی ہے۔ اور کاتب بھی الگ الگ ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطہ نمبر (۷) کے ترقیمہ کی عبارت میں سنہ کتابت ۱۲۷۰ ہجری اور کاتب کا نام محمد ٹیپو درج ہے:

"تمام شد تفسیر مرتضوی از دست امیدوار عفو
محمد ٹیپو تاریخ ہفتم جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۰ ہجری
بوقت سہ پہر منور باغ۔"

اس کے بعد کی عبارت یہ ہے:-

"مالک این کتاب محمد ٹیپو تربیت یافتہ
اعظم الامراء مرحوم"۔

ترقیمہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب محمد ٹیپو نے جو اعظم الامراء کا تربیت یافتہ تھا بعقیدت اس تفسیر کی نقل کی اور اپنے گھر میں خیر و برکت کی خاطر

---

[1] کتب خانہ سالار جنگ { نمبر مخطوطہ تفسیر (۷)۔ ورق ۱۹۵۔ سطر فی صفحہ (۱۱) سائز (۷ / ½۵)
نمبر مخطوطہ تفسیر (۸)۔ ورق ۱۵۰۔ سطر فی صفحہ (۱۵) سائز (½۸ / ½۵)

[2] ادارہ ادبیات اردو۔ مخطوطہ تفسیر (۲۲)، ورق (۲۸۰) سطر فی ص (۱۵) سائز (½۵ / ۹)

[3] "قدیم اردو" صفحہ (۲۶۰) "مضمون پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"۔

رکھا تھا۔

کتب خانہ سالار جنگ کے دوسرے مخطوطے نمبر (۸) میں کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں مخطوطے خط نستعلیق میں لکھے گئے ہیں لیکن قلم الگ الگ ہیں۔ مخطوطہ نمبر (۸) کا کاغذ دیسی ہے اور نمبر (۷) کے کاغذ کے مقابلے میں زیادہ پرانا ہے۔ اور اس کا کاغذ ولایتی ہے۔ طرز کتابت بھی ظاہر کرتا ہے کہ نمبر (۸) کی کتابت نمبر (۷) سے پہلے ہوئی ہوگی یعنی سنہ ۱۲۷۰ ہجری سے پہلے۔ طرز کتابت ذیل کے چند اشعار سے ظاہر ہوگا۔

مخطوطہ نمبر (۸):
کیونکہ ہو مخلوق سے خالق کلام — کیونکہ ہو بندہ خدا کا ہمکلام
کس سے ملتا ہے کلام ذوالمنن — کہ سخن شاہوں کا ہے شاہی سخن

مخطوطہ نمبر (۷):
کیونکہ ہو مخلوق سے خالق کا کلام — کیونکہ ہو بندہ خدا کا ہم کلام
کس سے ملتا ہے کلام ذوالمنن — کہ سخن شاہوں کا ہی شاہ سخن

ادارہ ادبیات اردو کا قلمی نسخہ ناقص الطرفین ہونے سے سنہ کتابت کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ ڈاکٹر زور[1] نے مخطوطے کے کاغذ، روشنائی وغیرہ کے لحاظ سے سنہ ۱۲۰۰ ہجری کے قریب زمانے کی کتابت بتائی ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے پاس کے مخطوطے کے کاتب کا نام نہیں بتایا اور نہ طرز کتابت، خط اور کاغذ وغیرہ سے سنہ کتابت کے بارے میں کوئی قیاس آرائی کی ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ مخطوطہ سنہ ۱۲۵۹ ہجری کے مطبوعہ نسخے سے نقل نہیں کیا گیا ہے اس لئے کہ مولوی عبدالحق والے اور ادارہ ادبیات اردو کے قلمی نسخوں میں منظوم دیباچہ بھی ہے جو مطبوعہ نسخے میں نہیں۔ البتہ کتب خانہ سالار جنگ کے دونوں مخطوطوں کے بارے

---

[1] تذکرہ مخطوطات جلد چہارم صفحہ (۶۱-۶۲) ادارہ ادبیات اردو۔

میں یقین ہے کہ وہ مطبوعہ نسخے سے نقل کئے گئے ہیں اس لئے کہ ان میں دیباچہ نہیں ہے اور پھر نمبر (۱۰) والے مخطوطے کے پہلے صفحہ کی عبارت اس خیال کی مزید تائید کرتی ہے۔[۱]

دیباچہ میں مفسر نے اپنا نام کئی جگہ لکھا ہے :-

مستعا غلام مرتضیٰ میرا ہے نام | تک سمجھ بوجھ کر ہوں کس کا غلام

یعنی اک بندہ غلام مرتضیٰ | حق تعالیٰ بارہ صدی میں ہوے گا

"در سبب تصنیف کتاب" کے عنوان کے تحت کتاب کے نام کے ساتھ اپنا نام اور سنہ تفسیر بھی لکھا ہے :

"دل لگا لکھنے بوقت اختتام | اس کا رکھو تفسیر مرتضوی تو نام
کیونکہ تو ہے گا غلام مرتضیٰ | حکم سے مولا کے ہے اس کو لکھا
سنہ ہجری ان دونوں ترجمان لے | یکہزار اور ایک سو چورانوے[۲]

مندرجہ بالا شعر میں سنہ تفسیر ۱۱۹۴ ہجری بتایا گیا ہے۔ لیکن مولوی نصیر الدین ہاشمی کے مضمون میں غالباً سہو کتابت سے سنہ ۱۲۵۶ ہجری لکھ دیا گیا ہے۔[۳]

---

۱ مقالہ زیر نظر میں تفسیر مرتضوی کے پہلے صفحہ پر (۲) کی عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

۲ مخطوطہ تفسیر (۳۲)، ادارہ ادبیات اردو۔ مولوی عبدالحق والے مخطوطے میں یہ شعر اس طرح ہے۔ "سن تھا ہجری ان دونوں میں جان لے۔ یک ہزار ایک سو چورانوے۔"

۳ مضمون "اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" ص ۲۷، مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ بابتہ سنہ ۱۹۳۵ء

اس کو سنہ کتابت بھی تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس مضمون میں اس کا سنہ کتابت ۱۲۷۰ ہجری بتایا گیا ہے جو درست ہے۔

مصحفی نے تذکرہ "ریاض الفصحا" میں غلام مرتضیٰ جنوں کا ذکر کیا ہے لیکن سوائے نام اور تخلص کے اور کچھ نہیں لکھا۔

خمخانہ جاوید[۱] میں لکھا ہے کہ :-

"شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد پٹنہ ہمعصر مرزا محمد رفیع السودا مہذب صورت، پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق۔ اکثر فنون میں قابل اور کامل۔ بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے مگر مشق سخن میں وہی انہماک تھا۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ لکھتے ہیں کہ ان کا وطن الہ آباد تھا۔ اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ دیوان ریختہ بھی مرتب کیا تھا۔"

منتخب دو چار شعر پیش کئے جاتے ہیں :-

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہونچا
تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہونچا

طوف با صدق و صفا کعبے دل آگاہ کا
میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا

---

۱ خمخانۂ جاوید جلد دوم ص (۲۷۰) لالہ سری رام۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء

اے جنوںؔ مصرع ترا سودا کے ہے زنجیر پا
قید سے تیری نہیں ہونے کے اب آزاد ہم

تری چشم مست سے ساقیا پیا مست جنوں ہوا
کہ مئے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہ یوں دھری رہی

تذکرہ گلشن سخن[1] میں جنوںؔ کے بارے میں لکھا ہے :-

"جنوں ناش شیخ غلام مرتضیٰ ابن شاہ تیمور متوطن چین پور
سہسرام شاگرد مولوی محمد برکت مرحوم است۔ مدتے
است کہ نابینا گشتہ در الہ آباد گوشہ نشین گردید"۔

دو شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :-

وجود اس جہاں کا عدم دیکھتے ہیں	عجب خواب ہے یہ جو ہم دیکھتے ہیں
مٹے ہے تبھی پیچ و تاب اپنے دل کا	جب اس زلف کا پیچ و خم دیکھتے ہیں

تفسیر مرتضوی کے دیباچہ اور خاتمہ کتاب کے اشعار سے جو معلومات ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ غلام مرتضیٰ شاہ عالم بادشاہ کے عہد کا ایک اچھا شاعر گزرا ہے۔ اس کے والد کا نام شاہ محمد تیمور تھا جو الہ آباد کے متوطن تھے[2]۔

مفسر کو حضرت سید محمد صاحب سے بیعت حاصل تھی۔ جو اپنے زمانے کے ایک عالم

---

[1] تذکرہ گلشن سخن ص ۹۷۔ مصنفہ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی سال تصنیف ۱۱۹۴ ہجری مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سنہ ۱۹۶۷ء

[2] مخطوطہ تفسیر (۱)، کتب خانہ سالار جنگ کے پہلے صفحہ کی عبارت تفسیر زیر تذکرہ کے پہلے صفحہ پر (ب) کے حاشیہ میں درج ہے۔ ملاحظہ فرمائی جائے۔

علوم ظاہری و باطنی بزرگ تھے۔ اور ان کا فیض خاص و عام تھا۔ اور تحصیل علم مولوی محمد برکت سے کیا تھا۔ غلام مرتضیٰ کے ایک ہی لڑکا تھا۔ ذیل کے مصرع ثانی سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید اس لڑکے کا نام غلام حسین تھا۔

ایک مرا فرزند جو ہے نور عین	ہے غلام و بندہ حضرت حسین

ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطے میں ابتدا حدیث شریف "تفکروا فی صفات ولا تفکروا فی ذاتہ[1]" سے کی گئی ہے۔ یہ حدیث کتاب کی پیشانی پر بقلم جلی لکھی گئی ہے۔ اس کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

حکم ہے یہ کہ کرو فکر صفات	کچھ نہ پاوے گا بحث بے فکر ذات

اس کے بعد "لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک" کے تحت حمد باری تعالیٰ میں سولہ اشعار ہیں۔ نمونتاً دو شعر پیش ہیں۔

کیا کروں میں حمد خالق کا بیان	جس سے قاصر ہے پیمبر کی زبان
یوں ہے فرمایا کہ لا احصی ثنا	ہے ثنا تیری جو کچھ تو نے کہا

حمد کے بعد نعت شریف اور اصحاب کرامؓ اور اولیاء کی مدح میں چند شعر موزوں کیے ہیں اس کے بعد "التجا بجناب مرشد" کے عنوان کے تحت دو شعر لکھے ہیں :-

حضرت سید محمد تو ہی پیر	دو نو عالم میں مرا ہے دستگیر
تو وسیلہ ہے مرا اور واسطہ	بے وسیلہ کس کو ملتا ہے خدا

اسی سلسلے میں بیعت کے تعلق سے آیات قرآنی کا بھی منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد "التجا بجناب والد شریف حضرت شاہ تیمور قدس اللہ سرہ العزیز" کے عنوان کے تحت آٹھ اشعار لکھے ہیں۔ چار شعر ذیل میں درج ہیں :-

---

[1] حدیث شریف کو اسی طرح لکھا ہے یعنی صیغہ امر دونوں کے آخر میں جمع کا الف متروک ہے۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔

بیگماں ای شاہ تیمور دلی — علم ہی عالم میں تیرا منجلی
عالم ظاہر بخشی مج نیں کیے — علم باطن بھی بخشی ایسا دیا
کھل گئی اسرار قرآنی تمام — تب ہوا توفیق بخشی خاص دعام
چاہئے ہو باپ کا بیٹا شبیہ — کیونکہ ہی الولد سر طلابیہ [1]

اس کے بعد اپنے استاد مولوی محمد برکت کی مدح میں بھی بطور عنوان کے تحت چار شعر لکھے ہیں۔ ایک شعر درج ذیل ہے :-

"در مدح اوستاد حضرت مولوی محمد برکت قدس اللہ سرہ العزیز" [2]

ہے مرا اوستاد فخر عالماں — مولوی برکت محیط بیکراں

استاد کی مدح کے بعد "استدعا بجناب الٰہی از برای بادشاہ وقت" عنوان قائم کرکے شاہ عالم بادشاہ کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ چند شعر پیش ہیں :-

وارث تیمور زیب تاج و تخت — شاہ عالم بادشاہ نیک بخت
کشور ہندوستان کا شاہ ہی — حامی دین رسول اللہ ہے
سلطنت اوس کی خدا کامل کرے — جو مراد دل ہو سو حاصل کرے

بادشاہ کے بعد وزیر مملکت آصف الدولہ کی مدح ہے :-

آصف الدولہ وزیر مملکت — حامی دین و مشیر سلطنت [3]
آصف وقت و سلیمان زمان — ہے سکندر بخت و دارائے جہاں

---

[1] عروض شعری کے تحت کچھ تصرف کیا ہے۔ مثلاً "ولد" کا لام ساکن اور "طلابیہ" پر ایک لام اور اضافہ کیا ہے۔ [2] مولوی عبدالحق نے غالباً سہو نظری سے استاد کا نام بجائے محمد برکت کے برکت اللہ لکھ دیا ہے۔ حالانکہ مصنف نے عنوان میں پورا نام "محمد برکت" لکھا ہے۔

[3] مولوی عبدالحق نے دوسرا مصرعہ اس طرح نقل کیا ہے۔ مع "حامی دین ہے و شہر سلطنت"

آخر میں سبب تفسیر کے ساتھ سنہ تفسیر بھی لکھا ہے۔ [1]

سنہ ہجری ان دونوں تو جان لے — یکہزار اور ایک سو چورانوے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مولوی عبدالحق کے اور ادارہ ادبیات اردو کے قلمی نسخوں میں دیباچہ ہے چنانچہ اسی کی مدد سے مندرجہ بالا معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ یہ دیباچہ کتب خانہ سالار جنگ کے دونوں قلمی نسخوں میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ مطبوعہ نسخے سے نقل کئے گئے ہیں جس میں دیباچہ نہیں ہے۔ ان دونوں نسخوں میں آغاز جدا ہے۔ نمبر (۸) والے مخطوطے کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کا ترجمہ اور استعاذہ کرنے کے احکام منظوم پیش کئے گئے ہیں۔

"پناہ خواہم اعوذ باللہ — من الشیطان الرجیم [2]
چاہتا ہوں میں خدا سے اب پناہ — مکر شیطان سے کہ ہے گم کردہ راہ
جو ہوا امر حق راندہ گیا — طوق لعنت اوس کی گردن میں پڑا
پیش تسمیہ تعوذ جو پڑھا — یوں لکھا قرآن میں ہے امر خدا
تو پڑھی جو وقت قرآن کریم — فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم
جب تلاوت تو کلام اللہ کری — چاہئے پہلی تعوذ باللہ پڑھی"

اس کے بعد شان نزول بسم اللہ (۱۹) اشعار میں بیان کی گئی ہے۔ بسم اللہ کے فوائد اور خواص کے ذکر کے بعد سورہ فاتحہ کے خواص و برکات احادیث نبویؐ کی روشنی میں منظوم پیش کئے گئے ہیں۔

---

[1] اس مطلعے کے اشعار تفسیر زیر نظر کے صفحہ (۳) پر درج ہیں۔

[2] یہ نہ موزوں ہے نہ ہم قالب ہے نہ اس کے دونوں ٹکڑے ہم قافیہ ہیں۔ نہ "پناہ خواہم" کی یہاں ضرورت ہے۔ یہ غیر ضروری اضافہ کاتب کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں چند شعر کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر شروع کی گئی ہے۔ ایک ایک آیت سرخی سے بحروف جلی لکھی ہے اور نیچے اشعار میں تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس مخطوط میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بعد حمد باری تعالیٰ کے شعر ہیں۔

مخطوط نمبر (۷) کا آغاز بھی حمد کے ان اشعار سے ہوتا ہے:-

"ہے سزائے حمد وہ عالیجناب　　جس نے بھیجا ہے محمد پر کتاب

یعنی قرآں کو بایں نظم کلام　　کہ پر از آیات قدرت ہے تمام

ہے کلام حق پر از عجائب سب　　کوئی اس صورت سے کہہ سکتا ہے کب

چند اشعار کے بعد حمد کو اس طرح ختم کیا ہے:-

"یہ کلام حق ہے شرکت سے بری　　بندہ سے کب ہو خدا کے ہم سری

کیونکہ ہو مخلوق سے خالق کلام[1]　　کیونکہ ہو بندہ خدا کا ہم کلام

کس[2] سے ملتا ہی کلام ذو المنن　　کہ سخن شاہ ہوتا ہے شاہی سخن[3]

مخطوط نمبر (۷) میں سورہ فاتحہ کی تفسیر نہیں ہے۔ سورۃ النباء کی تفسیر سے اس کا آغاز ہوا ہے اور سورۃ الناس پر اختتام۔

انداز تفسیر کے لئے سورہ النباء سے نمونہ پیش ہے[4]۔

---

[1] مخطوط (۷) میں "خالق کا کلام" ہے۔ (۸) میں کتابت کی غلطی ہوگی۔

[2] مخطوط (۷) میں "کس سے" لکھا ہے۔

[3] " " " "نشاہ سخن" لکھا ہے۔

[4] یہ نمونہ تفسیر مخطوط (۸) کتب خانہ سالار جنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ بڑے اختلافات نیچے حاشیے میں نوٹ کئے گئے ہیں۔

عم یتساءلون

اصل میں تھا عم عما ای پسر　　نون کیتیں کرمیم پھر ادغام کر[1]

کر الف کو حذف سن معنے بجان　　پوچھیں آکس چیز سے یہ کافران[2]

عن النباء العظیم الذی ہم فیہ مختلفون

اس خبر سے کہ بڑی ہی بے خلاف　　کرتے ہیں سب جس میں باہم اختلاف

یا کتاب اللہ ہی منبار عظیم　　قول شاعر جس کو کہتے ہیں لئیم

یا کہیں ہیں سحر یا ہی مفترا　　نزد بعضے ہی کلام کہنہ سا

یا محمد ہی کہ جمیع مومنین　　اس کو کہتے ہیں ختم المرسلیں

اور اسے کہتے تھے ساحر کافراں　　شاعر و مجنوں گروہ مشرکاں[3]

پاک ہی اس جا سے محشر مراد　　اسے نہ آگاہ جز رب العباد[4]

قولہ تعالیٰ ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ[5]

---

[1] مولوی عبدالحق نے مصرعہ اولیٰ میں "عم" کو "عما" نقل کیا ہے "اصل میں تھا عما عما اے پسر"

[2] مولوی عبدالحق نے مصرعہ ثانی کو اس طرح نقل کیا ہے ع "پوچھتے ہیں کس چیز سے یہ کافراں" مطبوعہ نسخے اور مخطوط (۸) میں اس طرح ہے ع "پوچھیں ہیں کس چیز سے یہ کافران"۔

[3] مولوی عبدالحق نے یہ شعر نقل نہیں کیا۔ مخطوط (۸) میں مصرعہ اولیٰ اس طرح لکھا ہے۔

ع "اور اوسی کہتے ہیں ساحر کافران"۔

[4] مخطوط (۸) میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے۔ ع "اوسے ہے آگاہ جز رب العباد" کتابت کی غلطی ہے۔

[5] مولوی عبدالحق نے "قولہ تعالیٰ" کو حذف کرکے صرف "ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ" نقل کر دیا ہے جس سے قاری کو اس آیت کے بھی سورہ عم النباء سے متعلق ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ محشر کے تعلق سے بطور تفسیر دوسرے مقام سے یہ آیت لی گئی ہے۔

TooBaa-Research-Library

حشر کو کہتے ہیں حق ہے مشرکاں   ہم کو بخشا زندگی پیش حق نبس ان

قولہ تعالیٰ ان ہی الا حیوتنا الدنیا [1]

منکران حشر کہتے ہیں ہنوز   ہے مگر یہ زندگی ہی چند روز

قولہ تعالیٰ بلہم فی شک منہا [1]

اور کہتے ہیں شکیں ذان جار عظیم   کیونکہ ہوں گے زندہ یہ عظم رمیم [2]
تاکہ رد ہو جائے قول ناصواب   یہ دیا کفار کو حق نے جواب

کلا سیعلمون [3]

جانینگے حقا کہ قوم منکران   روز مرگ و وقت نزع روح جاں [4]
یعنے جب ہوں گے فرشتے آشکار   تب یقیں جانینگے قوم نابکار

ثم کلا سیعلمون [3]

پس یقیں جانینگے یہ قوم پلید   جب عذاب قبر ہو یگا شدید
کہ وقوع بعث میں کچھ شک نہیں   ہم کو جز دوزخ کے اب مسلک نہیں

---

[1] یہاں بھی مولوی عبدالحق نے "قولہ تعالیٰ" کو حذف کرکے نقل کیا ہے۔

[2] "کیونکہ ہوں گے زندہ یہ عظیم رمیم" مطبوعہ نسخہ میں اس طرح ہے اور مولوی عبدالحق نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ البتہ مخطوطہ (۸) میں اس طرح لکھا ہے۔

"کیونکہ ہونگی زندہ کے ہی عظم رمیم"۔

[3] مولوی عبدالحق نے اس کے ترجمے و تفسیر کے اشعار نقل نہیں کئے۔

[4] جانگی حقا کہ قوم منکران   زود مرگ و وقت نزع روح جان۔ (مطبوعہ نسخہ)
جانگی حق کہ قوم منکران   زود وقت مرگ وقت نزع جان (مخطوطہ (۸))

پایہ تکرار از پئے تاکید ہی   کہ نہ ان اندھوں کو چشم دید بھی
پھر کئے حق نے برائے منکران   یہ دلائل اپنے قدرت کی بیان [1]
کتنے زیر پا ہیں کتنے فوق سر   کتنے ان کی ذات میں ہیں جلوہ گر

الم نجعل الارض مہادا

آیا یہ ہم نے کیا ہے خاک سے   فرش گسترده تمہارے واسطے [2]
ہی بچھائی ہم نے پانی پر زمیں   مردہ اور زندوں کے رہنے کیتیں [3]

والجبال اوتادا

اور کیا کوہوں کو میخیں استوار   تا نہ کانپے اور زمیں پکڑے قرار [4]

وخلقنٰکم ازواجا

اور تمہیں پیدا کیا ہے ہم جفت   ہی نر و مادہ کو بے گفت و شنفت
یعنے زن اور مرد کو پیدا کیا   ایک کا دل ایک پر شیدا کیا
تاکہ ان دونوں سے پیدا ہو پسر   جیسے آب و خاک سے کشت و ثمر
یا مراد ازواج سے ہے قسم قسم   مختلف در صورت و الوان و جسم [5]

---

[1] مخطوطہ (۸) میں اس طرح لکھا ہے ۔

پھر کئے حق نہیں برائے منکران   یہی دلائل اپنے قدرت کا بیان

[2] مخطوطہ نمبر (۸) میں مصرعہ اولیٰ اس طرح ہے۔

ع۔ آیا نہیں ہم نے کیا ہے خاک سے

[3] مخطوطہ نمبر (۸) میں یہ شعر اس طرح ہے۔

اور کیا کوہوں کو میخیں استوار   تا نہ کانپیں اور زمیں پہ پکڑے قرار"

[4] مخطوطہ نمبر (۸) میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے۔ ع۔ "مردوں اور زندے کے رہنے کیتیں"

[5] مخطوطہ (۸) میں مصرعہ ثانی اسی طرح ہے۔ ع۔ "مختلف در صورت و الوان جسم"۔

وجعلنا نومکم سباتاً

اور کیا ہم نے تمہارے خواب کو　　موجب راحت تن بیتاب کو
ہی کیا ہی ہم نے خواب مردمان　　راحت چشم و جان و جسم و جان[1]

وجعلنا اللیل لباساً

اور گردانا ہی ہم نے رات کو　　پردہ کار بد و کار نکو
شیخ اکبر کے سخن پر کر تو میل　　ہے شب ہی پردہ اصحاب لیل
شب طاق ہے انہوں کو یار سے　　کر کے پنہان دیدہ اغیار سے
تاکہ اس خلوت میں انکو یا حبیب　　لذت دیدار ہوتے ہیں نصیب
ہوتے ہیں محجوب جانے ہم کلام　　پیتے ہیں جام حضوری کو مدام
درخور احوال و استعداد خویش　　ہوئے برخوردار ہر درویش ریش
یہ سخن سن لے تو شیخ اسلام کا　　ہی یہ نکتہ سالکو نیکے کام کا
یعنی شب ہی پردہ دار سالکان　　پردہ پوشش کار دو بار عاشقان
شب ہی پردہ گریۂ عشاق کا　　شب ہی پردہ عاشق مشتاق کا
شب ہی پردہ دیدۂ بیخواب کا　　شب ہی پردہ عاشق بیتاب کا
شب دل عشاق کی ہی رازدار　　عاشق و معشوق کی ہی غمگسار
کہتے ہیں اہل وصال دوست سب　　کاش تا صبح قیامت رہتے شب

وجعلنا النہار معاشاً

اور کیا میں روز کو وجہ معاش　　تاکرو تم اس میں روزی کی تلاش

سورۃ البنا، کی تفسیر کے پہلے شعر میں مفسر نے قواعد کی رو سے " نم "

---

[1] مخطوطہ (۲) میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے۔ رخ۔ " راحت چشم جان و چشم و جان "۔

کی اصلیت بنائی ہے۔ " یتساءلون " میں بہت وسیع مفہوم ہے لیکن مفسر ایک مصرعہ میں صرف " پوچھیں آکس چیز سے یہ کافران " کہکر آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کو صرف ترجمہ کہنا مناسب ہوگا۔ یہاں قرآن فعل حال مطلق کا متقاضی ہے لیکن " پوچھیں " فعل مضارع ہے جس سے فعل حال مطلق کا کام لیا گیا ہے۔ عربی میں مضارع حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے شاید اسی لئے " یتساءلون " کا ترجمہ " پوچھیں " کیا گیا ہے اور عربی قاعدے سے اس کے معنی حال مطلق کے لئے ہیں۔ لیکن اردو صرف کی رو سے یہ درست نہیں ہے اس نسخے کے برخلاف دوسرے نسخوں میں " پوچھے ہیں " اور " پوچھیں ہیں " ترجمہ کیا گیا ہے۔ اردو قواعد کی رو سے یہ ترجمہ درست ہے۔ پھر بھی یتساءلون کا جو مفہوم " آپس میں پوچھتے ہیں " ہے ان ترجموں سے بھی ادا نہیں ہوتا " الم نجعل الارض مھاداً " کا مضارع منفی فعل " والجبال اوتاداً " پر معطوف ہے اور اسی طرح " وخلقناکم ازواجاً " پر بھی معطوف ہے[1]۔ لیکن مفسر نے ترجمہ میں اس کی پابندی نہیں کی اور جملہ انشائیہ کی بجائے ترجمہ جملہ خبریہ میں کیا ہے:

" اور کیا کوہ کو میخیں استوار　　تا نہ کانپے اور زمین پکڑے قرار
اور تمہیں پیدا کیا ہے یعنی جفت　　اے نر و مادہ کو بے گفت و شنفت

ویسے آیت " وخلقناکم ازواجاً " اور " وجعلنا اللیل لباساً " کی تفسیر میں بڑی صراحت سے کام لیا گیا ہے لیکن اس طرح منظوم ترجمے و تفسیر میں کچھ رومانیت کا سا انداز پیدا ہوگیا ہے جو قرآن کے پروقار انداز تخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بعض مقامات پر قرآن کی جامعیت کا انداز ایک حد تک

---

[1] تفسیر فتح المنان از علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی جلد ہشتم (۲) " وخلقناکم معطوف علی المضارع المنفی داخل فی حکمہ "۔

TooBaa-Research-Library

پیدا کرنے کی کوشش ہے اور یہ کوشش مستحسن معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً "الحمد للہ" کے تحت پہلا شعر ہے

"جس قدر عالیں ہے حمد و ثنا — سو وہ سب مخصوص ہے بہر خدا
یگانہ اللہ اسم ذات بے زوال — کہ وہی موصوف ہر وصف کمال

اسی طرح "رب العلمین" کے معنوں کو جو شعری صورت دی ہے وہ بھی مستحسن ہے:

پالنے والا ہے عالم کا تمام — پرورش پاتے ہیں اس سے خاص و عام

بعض آیتوں مثلاً صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کی تفسیر نہایت شرح و بسط کے ساتھ کی ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر کا نمونہ ذیل میں پیش ہے۔

راہ ان کی جن پر از راہ عطا — تو نے بخشیں نعمتیں صدق و صفا
یا نبوت بخشی یا صدیقیت — یا ولایت یا کہ نور معرفت
ہم کو راہ ان پاک مردوں کی دکھا — جنکو تم نے نعمتیں عرفان دیا
یعنے ہم کو بخشے چشم معرفت — جسنے پہچانے تجھے سے خوش صفات
یا کہ دکھلا ہم کو راہ واصلان — جنکو یہ بخشا تو نے قرب جاودان[2]
یا کہ راہ ان پاک مردوں کے دکھا — جن کو یہ بخشا ہے قرب مصطفےٰ

یہ صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر بالقرآن ہے۔ آیت ہے "انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین" اس میں واو عطف ہے۔ لیکن تفسیری اشعار میں "یا" مستعمل ہوا ہے جس کی وجہ سے

---

[1] یہ لفظ "وہ" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[2] یہ مصرع یوں ہوگا۔ "جن کو بخشا تو نے قرب جاوداں"۔

گمان پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان میں سے کسی ایک کی راہ اختیار کرنا مطلوب ہے۔ خصوصاً آخری تین اشعار سے تو ہر ایک کا الگ راستہ متعین ہوتا نظر آتا ہے۔ بعض مقامات پر ضرورت شعری کے لئے نہ صرف حشو و زوائد سے کام لیا گیا ہے بلکہ قافیہ و ردیف میں غیر ضروری اور ناموزوں الفاظ آ گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے خواے قرآنی فوت ہو گیا ہے مثلاً "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کے تحت لکھا ہے:۔

تیرے ہے ہم بندگی کرتے ہیں بس — اور مدد کے تجھ سے رکھتے ہیں ہوس
روز و شب اس بندگی کرتے ہیں ہم — کہ یہ ہے راحت ہے اور باقی ہے غم

ہوس کا لفظ شدید خواہش کے علاوہ بے جا خواہش کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے بلکہ موخر معنی زیادہ عام ہیں اسی لئے یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں ایک "ہے" زائد آیا ہے۔ اھدنا صراط المستقیم کے تحت شعر ہے:۔

ای خدا دکھلا مجھے وہ راہ راست — جسمیں حاصل ہوئے میرے دل کی خواست

"میرے دل کی خواست" کی قرآن میں قطعاً گنجائش نہیں صراط مستقیم کی تفسیر صراط الذین انعمت علیہم کے تحت ہوگی۔

زبان صاف اور واضح ہے۔ علامت فاعلی کے لئے "نے" اور "نیں" دونوں استعمال ہوئے ہیں:۔

"یوں ہے فرمایا کہ لا احصی ثنا — ہے ثنا تیری جو کچھ تو نیں کہا
عالم ظاہر تجھے حق نیں کیا — علم باطن میں تجھے ایسا دیا
پھر کئے حق نے برائے منکراں — یہ دلائل اپنے قدرت کی بیاں
اور کیا ہم نے چراغ آفتاب — روشنی و تاباں بروئے خاک و آب[1]

---

[1] "وجعلنا سراجاً وھاجاً" سورۃ النباء

"کہتے ہیں" کے بجائے "کہے ہیں" مستعمل ہوا ہے۔ ۵

اور کہے ہیں شک میں ذاں بنا ظلم   کیونکہ ہونگے زندہ یہ عظم رمیم

فارسی الفاظ اور تراکیب کے علاوہ دوران تفسیر مفسر کے قلم سے اکثر مصرعے فارسی میں بھی نکل گئے ہیں۔ "روشنی و تابان بروئے خاک و آب" "پردہ کار بد و کار نکو ہے۔ پردہ پوشش کاروبار عاشقاں"۔

مفسر کہیں کہیں عربی کے بھاری الفاظ اور تراکیب بھی استعمال کرتا ہے۔ مثلاً "عظم رمیم" "رب العباد" وغیرہ۔

تفسیر کے سلسلے میں مفسر کی فروگزاشتوں کو نظر انداز کر دینے اور اس کی کوششوں کو سراہنے کے باوجود مولوی عبدالحق سے ان کی رائے کے دوسرے جزو کی حد تک متفق ہونا پڑتا ہے۔ "ایسی چیزوں کا ترجمہ اور وہ بھی نظم میں سراسر بے لطف ہو جاتا ہے"۔ [1]

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۴۷)

باب چہارم

تراجم و تفاسیر

سنہ ۱۲۰۴ھ تا سنہ ۱۲۷۴ھ

۱۷۸۹ء۔۹۰ء تا ۱۸۵۷ء۔۵۸ء

الف: پس منظر

سولھویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے یورپی اقوام ہندوستان آنے لگے تھے پہلے پرتگالی آئے ان کے بعد ڈچ آئے۔ ان کے بعد فرانسیسی اور انگریز آئے۔ یہ سب قومیں یہاں تجارت کی غرض سے آئیں۔ ساحلوں پر تجارتی کوٹھیاں بنائیں۔ فرانسیسی اور انگریز تجارت کے علاوہ یہاں سیاست میں بھی دخیل ہونے لگے۔ ان یورپی اقوام نے ہندوستان کی زبانیں سیکھیں۔ ان زبانوں کی صرف و نحو پر کتابیں لکھیں، لغات مرتب کیے۔ انگریز چونکہ دوسری اقوام سے زیادہ ملک میں سیاسی اثر و نفوذ حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی سیکھنے پر زیادہ توجہ دی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا زوال اور اردو زبان کا عروج ساتھ ساتھ ہو رہا تھا اس لئے انگریز آہستہ آہستہ اردو سیکھنے کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین اپنے طور پر اردو سیکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن کمپنی کے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے محسوس کر لیا کہ ملازمین کمپنی کو باقاعدگی کے ساتھ اردو زبان سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی احساس کی وجہ سے اس نے ۱۸۰۰ عیسوی مطابق ۱۲۱۴ ہجری میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا جس کے پرنسپل جان گل کرائسٹ مقرر ہوئے۔ یہ اردو کے بڑے حامی اور پرستار تھے۔ انھوں نے تعلیم و تدریس کے لئے چند مسلمانوں اور ہندوؤں کو ملازم رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اردو کی تالیف و تصنیف کا ایک محکمہ بھی قائم کر دیا۔ اس محکمہ کے تحت ترجمہ و تصنیف کا کام شروع ہو گیا

اور ان کتابوں کو چھاپنے کے لئے اردو ٹائپ کا چھاپہ خانہ بھی قائم کیا۔ اس وقت تدریس کے نقطۂ نظر سے کوئی اردو کتاب موجود نہیں تھی اس کالج کی طرف سے فارسی کی متعدد کتابوں کے تراجم کروائے گئے۔ بعض کتابیں تالیف کروائی گئیں۔ اس طرح اٹھارہ برس میں فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں نے کوئی پچاس کتابیں تیار کر دیں۔ جن میں تصنیفات، تالیفات اور تراجم شامل تھے۔ یہ ساری کتابیں سلیس اور سادہ نثر میں لکھی گئیں۔ فورٹ ولیم کالج کے اس اسلوب تحریر کا اثر کالج کے باہر کے مصنفوں پر بھی پڑا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ جس قدر انگریزوں کو تھا اسی طرح ہندوستان کے ذی علم اہل قلم کو بھی اندازہ ہو چلا تھا کہ اردو بڑی تیزی کے ساتھ فارسی کی جگہ لے رہی ہے۔ اسی عام احساس کی وجہ سے فورٹ ولیم کالج کے قیام کے پہلے ہی سے اردو نثر میں کتابیں لکھنے کی طرف لوگ متوجہ ہو گئے تھے۔ پروفیسر حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں فورٹ ولیم کالج کے باہر کے مصنفوں کی جو طویل فہرست دی ہے ان میں سے ابتدائی پانچ مصنفین کی تصنیفات ۱۸۰۰ عیسوی سے پہلے کی ہیں۔

۱۔ ہری ہر پرشاد سنبھلی بدائع الفنون ۱۷۳۳ م ۱۱۴۶

۲۔ بندرابن متھرادی مصنف تذکرہ معاصرین (متوفی ۱۷۵۷ء م ۱۱۷۰ ہجری)

۳۔ محمد حسین کلیم دہلوی مترجم فصوص الحکم ۱۷۵۱ء م ۱۱۶۷ھ میں زندہ تھے

۴۔ نادر علی شاہ قادری مصنف رسالہ تصوف (۱۷۷۶ء م ۱۱۹۰ھ)

۵۔ مولوی قدر عالم بن مولوی بدر عالم مصنف فقہ محقق خانی (۱۷۸۵ء م ۱۱۹۹ھ)

اس کے بعد حامد حسن قادری نے ۱۸۰۰ عیسوی کے بعد کے گیارہ مصنفین کا تذکرہ کیا ہے اگر انہیں سید انشا اور مرزا قتیل کو شامل کر لیا جائے جن کا ذکر انھوں نے علاحدہ کیا ہے

تو اس فہرست میں دو کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان مصنفین میں سب سے زیادہ قدیم
حکیم محمد شریف دہلوی (متوفی ۱۸۰۷ء م ۱۲۲۲ ہجری) ہیں جن کے ترجمۂ قرآن
پر تبصرہ زیر نظر باب میں کیا گیا ہے۔ چونکہ حامد حسن قادری نے فورٹ ولیم کالج
کی اردو خدمات کے ذکر سے پہلے شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن مجید (۱۷۹۰ء
م ۱۲۰۵ ہجری) اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کا تفصیل سے
جائزہ لیا ہے۔ شاید اسی لئے انھوں نے ۱۸۰۰ء سے پہلے کے مصنفوں میں ان
دونوں بھائیوں کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح تحسین کے نو طرز مرصع کا ذکر بھی انھوں نے
ان دو بھائیوں کے تراجم و تفاسیر کے ساتھ کر دیا ہے۔ اس لئے تحسین کو بھی اس
فہرست میں شامل نہیں کیا۔ مقالہ نگار کے نقطۂ نظر سے ان دو شاہ صاحبان کے
تراجم قرآن کی بڑی اہمیت ہے۔ اگرچہ کہ شمالی ہند میں اولیت شاہ مراد اللہ انصاری
سنبھلی کے ترجمہ کو حاصل ہے۔ لیکن قرآن مجید کے ترجموں اور تفسیر کا میلان انھیں دو
شاہ صاحبان کے تراجم کا مرہون منت ہے۔ خانوادہ شاہ ولی اللہ نے جہاں اسلامی
علوم کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اردو زبان میں قرآن کے ترجمہ کا ایسا
نمونہ بھی فراہم کیا۔ جو باوصف اپنی قدامت زبان و بیان کے آج بھی مقبول ہے۔ بعد
کے مترجمین و مفسرین نے ان تراجم سے کما حقہ استفادہ کیا۔ اسی خاندان کے ایک
اور فرد اسمعیل شہید دہلوی نے بھی جو شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے
تھے اپنے وہابی عقائد کی اشاعت کے لئے اردو میں کئی رسائل لکھے جن میں سے —
تقویت الایمان بہت مشہور ہے۔ مولوی اسمعیل کے مرشد سید احمد بریلوی کے کسی اردو
کارنامے کا کسی تاریخ ادب میں ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ مولوی سید احمد نے اردو
میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے۔ ان کے مریدوں اور معتقدوں نے متعدد کتابیں اردو
میں لکھی ہیں۔ اس پورے سرمایہ میں مولوی اسمعیل کا رسالہ تقویت الایمان زبان کی

معانی اور بیان کی سلاست کی وجہ سے بہت اہمیت رکھتا ہے شاید اسی وجہ سے
کئی بار اس کی اشاعت ہوئی۔

دکن میں یہ زمانہ آصف جاہ ثالث ۱۲۱۸ھ تا ۱۲۴۴ھ اور آصف جاہ رابع
۱۲۴۴ھ تا ۱۲۷۳ھ کا عہد ہے۔ سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں سلطنت کے
دو وزراء نواب شمس الامراء اور راجا چندو لال شاداں کے دربار علم و ادب کے
اہم مراکز تھے۔ نواب شمس الامراء عربی فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی واقف
تھے انھیں فلسفہ، ریاضی اور ہیئت کے علاوہ سائنسی علوم سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ وہ
ان علوم کی کتابیں یورپ سے منگوا کر مطالعہ کرتے، اور جو کتابیں پسند آتیں ان کا ترجمہ
کرتے۔ اس کام کا آغاز ۱۲۴۲ ہجری سے کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نواب شمس الامراء
نے اردو زبان میں سائنسی علوم کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔[1]

چندو لال شاداں بھی ایک عرصے تک سلطنت آصفیہ کے دیوان رہے خود
شاعر تھے اور شعراء کی سرپرستی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت دربار میں تین سو سے زیادہ
شعراء کا مجمع رہتا تھا۔[2] دہلی کے شعراء میں حیا دہلوی، شاہ نصیر اور تاج الدین مشتاق
انھیں کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس طرح اس عہد میں چندو لال شاداں کی
سرپرستی سے اردو شاعری کو فروغ ہوا۔ تو شمس الامراء کی سرپرستی میں اردو
نثر کو ترقی ہوئی۔ شمس الامراء کے دارالترجمہ میں جو اصحاب ترجمہ کا کام انجام دیا
کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ میر امان علی دہلوی

---

[1] تاریخ خورشید جاہی ص (۵۸۵)

[2] محبوب الزمن جلد اول ص (۵۲۰)

۲۔ غلام محی الدین حیدرآبادی
۳۔ مسٹر جونس
۴۔ موسیو تنڈرس

سنہ شمسیہ جو چھ سائنس کے رسالوں کے تراجم کا مجموعہ ہے اس دارالترجمہ کا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ ریاضی، ہیئت، طب، طبیعیات اور کیمیا پر اس دارالترجمہ نے پچاس رسالے ترجمہ کیے۔ اسی دور میں اردو میں ترجمہ و تالیف کا کام اور لوگوں نے بھی انجام دیا ہے مثلاً مصباح الصلوٰۃ، انوار سہیلی، مرغوب الطبع، چار درویش اور ہمیشہ بہار اسی عہد کے تراجم ہیں۔[1]

آصف جاہ رابع (۱۲۴۴ تا ۱۲۷۳ ہجری) کے عہد میں بھی علم و ہنر اور شعر و ادب کی ترقی جاری رہی۔ اس دور میں خواجہ شمس الدین فیض استاد الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ شمس الامراء کا شروع کیا ہوا ترجمہ کا کام اس دور میں بھی جاری رہا۔ رسالہ مخروطات اشاریہ سنہ ۱۲۵۲ ہجری میں اور رسالہ کیمسٹری سنہ ۱۲۶۱ ہجری میں طبع ہوئے۔ شمس الامراء نواب فخرالدین خان کے بیٹے نواب رفیع الدین خان شمس الامراء ثالث نے بھی اپنے باپ کے کام کو آگے بڑھایا۔ ان کی تصانیف سے رفیع الحساب کا پتہ چلتا ہے جو سنہ ۱۲۵۳ھ میں شائع ہوا۔ یوسف خان کمبل پوش حیدرآبادی ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کرنے کے بعد انگلستان پہونچے اور اپنا سفرنامہ مرتب کرکے سنہ ۱۸۴۷ء میں شائع کیا جو غالباً اردو کا پہلا سفرنامہ ہے۔ اسی دور میں چونکہ دکن میں اردو نثر کو بہت فروغ ہوا شاید اسی وجہ سے قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا کام بھی خاطر خواہ ہوا۔

---

[1] ملاحظہ ہو دکن میں اُردو۔

ب۔ تراجم و تفاسیر

(۱) شمالی ہند کی مساعی

(۲) دکن کی مساعی

۷۸۶
۹۲

(ا)

۱۔ ترجمۂ قرآن وتفسیر موضح القرآن:

تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں خاندان شاہ ولی اللہ سے دنیائے علم وادب میں قرآن شریف کے دو یادگار زمانہ اردو ترجمے پیش ہوئے۔ پیش کرنے والی یہ قابل قدر ہستیاں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر ہیں۔ شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ سنہ ۱۱۶۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ اپنے والد بزرگوار سے حاصل کئے اور حدیث شریف کی سند بھی انہیں کے دست شفقت سے لی۔ شاہ رفیع الدین کو عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ اردو زبان اور محاورہ میں بھی اچھی دستگاہ تھی۔ یہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ پروفیسر محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو ۱۹۲۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں چھپا تھا۔ شاہ رفیع الدین کی بیس تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ایک اردو تصنیف مسمیٰ بہ "راہ نجات" بھی شامل ہے جس میں فقہی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔[1]

بڑے بھائی شاہ عبد العزیز کبرسنی اور ضعف مزاج کی وجہ سے درس و تدریس کے متحمل نہ رہے تو انھوں نے یہ کام شاہ رفیع الدین کے تفویض کر دیا تھا۔ شاہ صاحب متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ صاحب طریقت بزرگ بھی تھے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مولوی رحمان علی صاحب مؤلف تذکرۂ علمائے ہند[2] اور مولوی

[1] رسالہ اردو انجمن ترقی اردو پاکستان بابتہ جولائی ۱۹۵۴ء ص ۵۵ مضمون مولوی ا۔ د۔ نسیم صاحب۔ [2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۹۶۔

عبد الحق[1] نے ۱۲۴۹ ہجری بتایا ہے۔ لیکن مصنف سیر المصنفین[2] اور مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند مولوی محمد ایوب قادری اور جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب[3] نے وفات کا سنہ ۱۲۳۳ ہجری لکھا ہے۔ اور مترجم کے استدلال کی روشنی میں یہی سنہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مرقع یوسفی کے مقدمے میں بھی یہی سنہ بتایا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبد القادر سنہ ۱۱۶۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار ہی سے پائی۔ علم فقہ، حدیث اور تفسیر میں شہرت حاصل کی۔ طبیعت میں دنیا سے نفور تھا۔ اکبرآبادی مسجد کے حجرے میں عمر گزار دی۔ ذکر خدا ان کا شغل تھا۔ شہرت کے خواہاں نہ تھے اس لئے تصنیف و تالیف پر دھیان بھی نہ دیا۔ آپ کی زندگی کا ماحصل قرآن شریف کا "ہندی متعارف" زبان میں ترجمہ اور تفسیر موضح قرآن ہے۔ ترجمہ اپنے وقت کے محاورے کے مطابق اور بے نظیر ہے۔ ان شاہ صاحب کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مولوی عبد الحق[4] اور مولف تذکرہ علمائے ہند نے ۱۲۴۲ھ سنہ وفات[5] لکھا ہے۔ اور مصنف سیر المصنفین[6] مرتب فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ[7] اور جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب[8] نے ۱۲۳۰

[1] مولوی عبد الحق قدیم اردو ص ۱۳۱۔
[2] محمد یحییٰ تنہا۔ سیر المصنفین جلد اول ص ۱۰۵۔
[3] مضمون جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب ص ۵۸ رسالہ اردو انجمن ترقی اردو پاکستان جولائی ۱۹۵۴ء
[4] مولوی عبد الحق قدیم اردو صفحہ ۱۳۱ [5] تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱۵۔
[6] سیر المصنفین جلد اول از محمد یحییٰ تنہا ص ۱۰۶/۱۰۷۔
[7] فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ جلد دوم۔
[8] مضمون جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب رسالہ اردو انجمن ترقی اردو پاکستان بابتہ جولائی سنہ ۱۹۵۴ء ص ۵۵۔

ہجری لکھا ہے۔ مترجم تذکرہ علمائے ہند نے جو متعدد کتب کے حوالے سے سنہ وفات لکھا ہے اس سے ۱۲۳۰ ہجری کی توثیق ہوتی ہے[1]۔ "مرقع یوسفی" کے مقدمے میں بھی ۱۲۳۰ ہجری سنہ وفات لکھا ہے[2]۔

قرآن شریف کے ترجمہ کرنے کے تعلق سے اولیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن کا سنہ وثوق سے معلوم نہیں لیکن احسن مارہروی نے تاریخ نثر اردو میں اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۳ ہجری مطابق ۱۷۸۸ء لکھا ہے[3] اور مولوی عبد الجلیل صاحب نعمانی نے ۱۲۲۲ ہجری قرار دیا ہے جس کے تعلق سے مولوی عبد الحق نے قدیم اردو میں لکھا ہے۔

"شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس کا سنہ نہیں لکھا۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمے کے لئے ایسے الفاظ کی فرہنگ شائع کی تھی جو آج کل استعمال میں نہیں آتے۔ اس کے دیباچے میں وہ اس ترجمے کا سنہ ۱۲۲۲ ہجری قرار دیتے ہیں لیکن اس کی صراحت نہیں کہ یہ سنہ انہوں نے کہاں سے تنقیح کیا۔ ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سنہ درست ہے۔"[4]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۶۔ [2] مرقع یوسفی (کراچی)

[3] تاریخ نثر اردو ص ،،

[4] قدیم اردو ص ۱۳۲،۱۳۳ ص ۲۶ مقدمہ (ناشر مکتبہ معاویہ)

آگے مضمون میں مولوی صاحب نے شاہ عبد القادر کے ترجمے کی اولیت کے تعلق سے اس طرح قیاس ظاہر کیا ہے۔

"عام طور پر مصنفین نے اس خیال سے کہ یہ (شاہ رفیع الدین) شاہ عبد القادر سے عمر میں بڑے تھے ان کے ترجمے کو زمانے کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے لیکن یہ بھی محض قیاس ہے اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بعد کا ہے۔ شاہ عبد القادر نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر تو کیا ہے لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ نہیں کیا۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس وقت تک انھوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا۔"[1]

جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب کی دلیل بھی اسی نوعیت کی ہے جس سے مولوی عبد الحق کے قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"بعض محققین کا خیال ہے کہ ان (شاہ رفیع الدین) کا ترجمہ شاہ عبد القادر کے ترجمۂ قرآن (تالیف ۱۲۰۵) کے بعد کا ہے اور یہ اس لئے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبد القادر نے دیباچۂ قرآن میں جہاں اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمۂ قرآن کا ذکر کیا ہے وہ وہاں اپنے برادر اکبر مولانا شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کا بھی حوالہ ضرور دیتے"[2]

---

[1] مضمون جناب ا۔ د۔ نسیم صاحب رسالہ اردو انجمن اردو پاکستان بابت جولائی ۱۹۵۲ء

شاہ رفیع الدین کے ترجمے کا پہلا اڈیشن کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں چھپا تھا۔ پہلی جلد ۱۲۵۴ ہجری میں اور دوسری جلد اس کے دو برس بعد شائع ہوئی۔ مولوی عبدالحق نے اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ متن قرآن کے نیچے اردو ترجمہ نستعلیق ٹائپ میں ہے[1]

جناب سید محبوب صاحب رضوی (دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں۔

"شاہ رفیع الدین کا یہ ترجمہ پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۵۶ھ میں
شاہ عبدالقادر کے فوائد موضح القرآن کے ساتھ کلکتہ
کے ایک قدیم مطبع اسلامی پریس "حامی" میں چھپا ہے۔"[2]

شاہ عبدالقادر نے اس ترجمے کو ۱۲ سال کی طویل مدت کے اعتکاف میں پورا کیا اور تکمیل کا سنہ ۱۲۰۵ ہجری ہے۔ اس کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں مختلف ناموں سے پائے جاتے ہیں مثلاً "ترجمہ قرآن شریف"[3] "ترجمۃ القرآن" وغیرہ۔ مولوی عبدالحق نے بھی قدیم اردو میں دونوں شاہ صاحبان کے ترجموں کا تذکرہ کیا ہے[4]۔

ادارہ ادبیات اردو کا نسخہ پورے قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کی فہرست مخطوطات جلد دوم میں اس کو ناقص الآخر بتایا گیا ہے۔

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۳۲)

[2] ماہنامہ دارالعلوم بابتہ اگست ۱۹۵۵ء۔ ص ۵۵
مضمون "قرآن مجید کے اردو تراجم" از جناب سید محبوب صاحب رضوی۔

[3] تفسیر مخطوط [illegible] ورق ۶۲ سطر ۱۶ سائز (۶/۱۰) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔

[4] قدیم اردو صفحہ (۱۳۱/۱۳۲)۔

واقعہ یہ ہے کہ اس میں سورۂ فاتحہ اور پارہ آلمّ کے بعد پارہ سیقول کے صرف پہلے رکوع کی چند آیتوں تک ہی ترجمہ اور تفسیر ہے۔ آخری آیت "فول وجھک شطر المسجد الحرام" کی تفسیر بھی ادھوری رہ گئی ہے۔

"پس متوجہ کیا یعنی تجھ کو ساتھ اوس قبیلے کے کہ پسند
کیا تو نے اوس کو پس پھیر لی منہ اپنیکو طرف مسجد
حرام کی یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم متوجہ کیا میں نے تجھ کو ساتھ اوس قبیلے
کے کہ چاہتا تھا اور پسند کیا تو نی اوس کو پس پھیر
لی منہ اپنیکو یعنے مراد تمام بدن سے ہے طرف مسجد حرام کی
یعنی بڑی حرمت والیکے اور معلوم کیا چاہیئے۔"

آخر صفحے کی اس تحریر کے بعد چونکہ تقریباً پون حصہ صفحہ کا سادہ ہے اس لیے اس نسخے کے ناقص الآخر ہونے کا قیاس درست نہ ہوگا۔ کاتب کسی وجہ سے اسی حد تک لکھ سکا ہوگا ورنہ بقیہ صفحہ پر آیت کی تفسیر ادھوری نہ چھوڑتا۔

کتب خانہ آصفیہ کے نسخے "ترجمۃ القرآن"[1] میں شروع قرآن شریف سے ختم سورہ کہف تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ یہ جلد اول ہے۔ سورہ کہف کی آخری آیت کے ترجمے پر یہ جلد ختم ہوتی ہے۔ ترجمہ:۔

"تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہی مجھ کو کہ
تمہارا صاحب ایک ہے پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے
رب سے سو کرے کچھ کام نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے

---

[1] تفسیر مخطوط [illegible] صفحہ (۵۲۰) سطر ۱۷، سائز (۱۳ × ۹) خط نستعلیق۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔

رب کی بندگی میں لگے گا "۔

کاتب کا نام محمد شرف الدین چشتی ہے اور اس کی کتابت سنہ ۱۲۲۴ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس کے تعلق سے تمام باتیں ترجمے کی عبارت سے معلوم ہوتی ہیں عبارت درج ذیل ہے:-

" نصف تفسیر کلام[1] است در زبان ہندی گفتۂ حضرت
مولوی صاحب و قبلہ شاہ عبد القادر صاحب برادر
حضرت مولوی صاحب قبلہ مولوی عبد العزیز صاحب
سلمہ اللہ تعالے بدستخط بندہ گنہگار خاک پائی درویشان
بلکہ نعل کفش ایشان محمد شرف الدین چشتی تحریر
یافت بتاریخ ہژدہم شہر جمادی الاول سنہ ۱۲۲۴ ہجری
در زمان محمد اکبر شاہ بادشاہ متع اللہ عمرہ و سلطنت
امین سنہ ۱۲ جلوس ہر کہ خواند بدعائی خیر یاد کند فقط "

شاہ عبد القادر نے قرآن شریف کے ترجمے کے علاوہ اس کا حاشیہ بھی لکھا ہے۔ یہ " موضح القرآن " کے نام سے مشہور ہے۔ ادارہ ادبیات اردو میں " موضح القرآن " کا قلمی نسخہ[2] موجود ہے۔ یہ نسخہ بھی کتب خانہ آصفیہ کے مذکورہ بالا نسخے کی طرح نصف اول قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر ہے اس کا بھی اختتام سورہ کہف کی آیت کے ترجمے کی اسی عبارت پر ہوا ہے۔ البتہ اس کا سنہ کتابت ۱۲۰۵ ہجری ہی ہے۔ گویا اس کی کتابت اسی سال ہوئی ہے جس سال کو ترجمے اور

---

[1] " کلام اللہ " ہونا چاہئے کتابت کی غلطی ہے۔

[2] تفسیر مخطوطہ (۹۶۱) ادارہ ادبیات اردو۔

تفسیر کا کام اختتام کو پہنچا ہے۔ اس لحاظ سے اس مخطوطے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ترجمے میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ ترقیمہ :-

" تمت تمام شد نصف تفسیر کلام اللہ در زبان ہندی گفتۂ
حضرت مولوی صاحب قبلہ شاہ عبد القادر صاحب برادر
حضرت مولوی صاحب قبلہ مولوی عبد العزیز صاحب سلمہ اللہ
تعالی بتاریخ بست و دویم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۲۰۵
ہجری بوقت چہار گھڑی شب گذشتہ با تمام رسیدہ "

مخطوطہ زیر بحث کے پہلے صفحے کی پیشانی پر سید امجد علی خاں نام کی ایک مستطیل مہر ثبت ہے۔ نام کے ساتھ سنہ ۱۲۱۳ بھی کندہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کبھی ان کی ملک رہا ہوگا۔ ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ " ادارہ میں نواب عنایت جنگ بہادر نے بطور عطیہ داخل کیا ہے۔ اور اس کے آخری ورق پر ان کی ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر ان کے نام کا سجع " مصدر الطاف و عنایت حسین سنہ ۱۳۳۶ء " کندہ ہے۔

کتب خانہ آصفیہ اور ادارہ ادبیات اردو کے نسخوں کا آغاز دیباچے سے ہوا ہے۔ دیباچے میں شاہ صاحب نے اپنے ترجمے کے تعلق سے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ترجمے کی زبان کو ریختہ نہیں بلکہ " ہندی متعارف " سے موسوم کیا ہے۔ مولوی عبد الحق نے لکھا ہے۔

" شاہ صاحب نے یہاں ریختے اور ہندی متعارف میں
جو فرق کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ " ہندی متعارف "
سے وہی زبان مراد ہے جسے آج کل ہندوستانی سے
تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمے کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ

ہندوستانی کسے کہتے ہیں" ؎

دیباچے میں ترجمے کے سنہ اور سبب تالیف کے علاوہ ترجمے کی نوعیت بھی بیان کی ہے اور لکھا ہے۔ "اس کتاب کا نام موضح قرآن ہے اور یہی اس کی صفت ہی اور یہی اس کی تاریخ بھی۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ تفسیر کا اصل نام "موضح قرآن" ہے نہ کہ موضح القرآن جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ "موضح قرآن" (فارسی ترکیب سے) تاریخی نام ہے اور اس کے اعداد ۱۲۰۵ نکلتے ہیں اور سنہ ہجری کے اسی سال تفسیر کا کام ختم ہوا۔ برخلاف اس کے "موضح القرآن" (عربی ترکیب سے) کے اعداد ۱۲۳۶ ہوتے ہیں۔

دیباچے کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے :-

"الہی شکر تیری احسان کا ادا کروں کس زبان سی کہ
ہماری زبان کو گویا کی اپنے نام کر اور دل کو روشنی دی
اپنی کلام کو اور امت میں کیا اپنی رسول مقبول کی جو
اشرف انبیا اور نبی الرحمت حبیب کی شفاعت سے
امیدوار ہیں کہ یادین دو جہاں کی نعمت الہی اوس
نبی امت پرور کو اپنی رحمت کاملی سی درجات اعلیٰ
نصیب کو جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت اوس
پر ہمیشہ افزون رکھ دنیا و آخرت میں۔"

اس کے بعد مدح صحابہ کبار و اہل بیت اطہار ہے۔ آگے ذیل کی عبارت ہے۔
"اس کی کلام میں جو ہدایت ہی دوسری میں نہیں پر کلام پاک

؎ قدیم اردو صفحہ (۱۳۲)۔

اوسکا عربی زبان ہی اور ہندوستانی کو اس کا ادراک محال اس واسطی بندہ عاجز عبد القادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہماری والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کو گئی ہیں سہل و آسان اب ہندی زبانیں قرآن شریف کو ترجمہ کری۔ الحمد للہ کہ سنہ ۱۲۰۵ بارہ سو پانچ میں میسر ہوا۔ اب آگی کئی زبانیں معلوم رکھی۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظا بلفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی کی بہت بعید ہی اگر بعینہ وہ ترکیب رہی تو معنی مفہوم نہوں۔ دوسری یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔ تیسرے یہ کہ ہر چیز ہندوستانیوں کو معنی قرآن اس میں آسان ہوئی لیکن ابھی اوستادی سند کرنا لازم ہی۔ اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں۔ دوسری ربط کلام ماقبل و مابعد سی پہچاننا اور قطع کلام سے بچنا بغیر اوستاد نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن عربی زبان ہی اور عرب بے محتاج اوستاد نہیں۔ چوتھی یہ کہ اول فقط ترجمہ قرآن ہوا تھا بعد اوسکی لوگو نی خواہش کی کہ تو بعضے فوائد زاید بی متعلق تفسیر داخل کئے اوس فائدہ کی امتیاز کو حرف (ف) نشان رکھا۔ اگر کوئی مختصر چاہی صرف ترجمہ لکھی اگر مفصل چاہی فوائد بی داخل کری باقی قواعد خط ہندی لکھنی میں طول ہے۔ اوستادی معلوم ہونگی

البتہ ہندی میں بعضے چیز نکھین ہیں کہ فارسی میں نہیں۔
اسی سبب سی فارسی خوان اول الجھتا ہی۔ دو جز
دیکھی تو ماہر ہو جاوی اور اوس کتاب کا نام
"موضح قرآن" ہی اور یہی اس کی صفت ہی اور یہی
اوس کے تاریخ ہی۔ الہی وسیدی و مولائی تیری
عنایت ہی اور تو ہی قبول کر اپنی فضل سے یا رؤف
ویا رحیم یا مالک الملک یا ذوالجلال والاکرام۔"

اس کے بعد استعاذہ[1] ہے۔

"اعوذ باللہ پناہ پکڑتا ہوں میں اور التجا کرتا ہوں
میں بیچ جناب خدا کی کہ پناہ دینے والا اور پیدا کرنی
والا ذی جاہ ہے من الشیطان الرجیم برائی وسوسی دیو
فریب دینی والا سرکش سے یا دور رہنی والی رحمت
خدا کی سی نکالا گیا ہے اور راندا گیا ہی با خون کیے
یا دور کیا گیا ہے جبکہ تو آسمان کیسے۔"

استعاذہ کے ضمن میں معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) بھی مقالہ نگار کے پیش نظر رہے۔ موضح قرآن[2] میں "قل اعوذ برب الفلق" کے تحت لکھا ہے۔

"کہو کہ پناہ پکڑتا ہوں میں پروردگار صبح روشن کے سے
یعنی وہ پروردگار جو صبح روشن کو پیدا کرتا ہے اس

---

[1] استعاذہ اور اس کا ترجمہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخے "ترجمۃ القرآن" میں نہیں ہے۔
[2] موضح قرآن مطبوعہ لندن۔

سے پناہ مانگتا ہوں میں"۔

پناہ خدا کی مانگی جاتی ہے نہ کہ خدا سے۔ سورہ ناس میں بھی آخری آیت کے تحت اسی طرح لکھا ہے:۔

"یعنی وہ آدمی اور دیو جو دلوں کو بہکاتے ہیں اور
پھسلاتے ہیں ان کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں پروردگار
سے۔"

یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ ادارہ ادبیات اردو کا "ترجمہ قرآن شریف" اور کتب خانہ آصفیہ کا "ترجمۃ القرآن" دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ ترجمہ قرآن شریف در اصل تفسیر ہے جسے موضح قرآن سے موسوم کرنا چاہئے تھا۔ اور "ترجمۃ القرآن" ترجمہ ہے البتہ کہیں کہیں موضح قرآن کے تفسیری جملے لکھے ہیں۔ اولاً تفسیر کے نمونہ عبارت کے لئے "ترجمہ قرآن شریف" سے سورہ فاتحہ کی تفسیر ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

"بسم اللہ ساتھ نام خدا پیدا کرنے والے کی وہ
لایق ہی اوس کے کہ عبادت کریں اوس کو الرحمٰن
خوب اچھا بخشتا ہی اوپر خلق کے وجود حیات کا الرحیم
بخشش کرنی والا ہی اوپر خلق کی کہ ایمان لائی ہیں ساتھ
اوس کے اور بچانی والا ہی آفت سی دن آخرت کی۔ سورہ
فاتحہ کی سات آیتیں ہیں مکی میں اور مدنی میں اوترے
ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بزرگی اس
سورہ کے بہت سی فرمائی اگر تمام کمال بزرگی اس کے
لکھنی میں آوے تو ایک کتاب دوسری ہوتی ہی اس

واسطے اوپر لانی چند روایت کی اکتفا کی ۔۔۔۔ "

اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کے فوائد اور اس کے خواص پانچ صفحوں میں بیان
کیے گئے ہیں ۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر ہے :۔

" الحمد للّٰہ رب العالمین تمام تعریف ازل
سی ابد تک موجود اور معلوم تھی اور ہی اور ہوسے گی تمام
وکمال خاص خدا کو کہ سے موصوف ہی ساتھ ناموں
صفات کی لیے کہ پیدا کرنی والا اور پرورش کرنی
والا اور کام کا جانی والا تمام عالم کا فرشتی سی حیوان
اور آدمیوں سے وحوش سی اور طیور سی اور سباع
سی اور حیوانات ابی سی اور جو سوا اون کی مخلوق ہیں ۔
الرحمٰن الرحیم بخشش والا ہی وجود دوسری
بار یعنی آخرت کی بھی فنا ہونی جہاں کی اور دوبار بخشنی والا
ہی مسلمانوں کو نعمتیں بہشت کے جو لوگ کہ ایمان لائیں
ہیں ساتھ اللہ کے اور ساتھ کتاب اوس کی کے اور
ساتھ رسول اوس کے کی اور دن آخرت کی اور
اوپر تقدیر خیر کی اور شر کے جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من قال لا الٰہ الا اللہ خالص
مخلص قیل یا رسول اللہ ما الاخلاص قال ان یحجزہ
المحارم رسول خدا نے فرمایا ہی جو شخص کہ ساتھ
نیت خالص کے کہے گا لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
بی شک داخل ہوگا جنت میں لوکوں نی پوچھا یا رسول اللہ

خدا کی اخلاص کیا ہے ۔ فرمایا کہ چھوڑ دینا حرام
چیزوں کو کہ جسے خدا نی منع فرمایا ہی ۔ مالک یوم
الدین مالک دن قیامت کا یا محافظت کرنی
والا اعمال بندوں کی کہ یعنی دیتی نامہ اعمال کے غلطی
ہو وی یا قاضی ہی دن حساب کا کہ یعنی بندوں کی ساتھ
حق کے حکم کرے کا یا موافق اعمال پر ہیز کی اوس کو
بدلا دیگا ایاک نعبد وایاک نستعین
تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم پس کوئی سوائی تیری
مستحق عبادت کا نہیں ہی اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم
بیچ عبادت کی اور تیری سرانجام عبادت کرنی والا
احتیاج اور مشکلات ہمارے کا اھدنا الصراط
المستقیم دکھا ہم کو رہ سیدھی یعنی ثابت رکھ
ہم کو اوپر راہ مستقیم کے کہ دین اور اسلام اور سنت
خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے بیچ اس معنی خواجہ
عبد اللہ قدس سرہ نی خوب ایک نکتہ کہی ہی اور وہ یہ
ہی کہ ای بار خدایا دکھلا ہم کو راہ سیدھی یعنی بیچ محبت
ذاتی اپنی کی شرف کر ہم کو کہ تمام گرفتار رہیے ہم آزاد
ہو کر تیری ہم گرویدہ ہوویں سوا تیری نہ دیکھیں ہم اور کوئی
اندیشہ سوای محبت تیری کی نہ کریں ہم صراط الذین
انعمت علیھم دکھلا ہم کو راہ اون لوکوں کی کہ
ساتھ فضل اپنی کے بخشش کی ہی تو نی اوپر اونکی ساتھ

نعمت نبوت کے اور رسالت کے اور ولایت کے
اور تصدیق کے اور شہادت کی اور اچھی لوگوں کے
کہ اہل قریب کے ہیں اور ساتھ کمال نعمت کے اور
ظاہری کو قبول کرنا شریعت کا ہی اور ساتھ کمال
نعمت باطن کے کہ خبر رکھتے ہیں اور بھیدوں حقیقت
کے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین
نہ راہ اون لوگوں کی کہ غضب کیا گیا ہی اوپر اونکی
یعنی کہ ابتدائی وجود سے یہاں تک غضب اور عتاب
تیری آئی ہیں اور ساتھ اوس سبب کے اوپر کفر
کی اقدام کیا ہی یا یہود کہ اونھون نے بسبب شرکی
کفر کی بیچی نبیوں سے جھگڑا کیا ہی اور عبارت توریت
کی بدل ڈالی ہے اس سبب سے یہاں تک عتاب تیری آئی
ہیں اور نہ گمراہوں کی یعنی اون لوگوں کی پیچھی پیدا
ہونی کی یہاں تک راہوں اختلاف کی ہیں گی بڑی
ہیں مانند ترساکی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترجیح دیتی تھی اور
کہتی تھی کہ مسیح بیٹا ہی خدا کا نعوذ باللہ اور حال یہ ہی کہ
وہ تو پیغمبر اسلام سے گمراہ ہوئی ای پروردگار بری
لوگوں کی راہ نہ دکھا یعنی ہم کو کہ غضب کے گئی ہیں تیری
آمین ای طرح ہو جیو۔ پس چاہی ہر مسلمان کو کہ پیچھی
دعا کی لفظ آمین کا بھی کہ حق تعالیٰ دعا اوس بندے کی

قبول کرتا ہی اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نی فرمایا ہی آمین خاتم رب العالمین علی لسان
عبادہ المومنین۔"

تفسیر شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ تفسیر کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے آیتوں کا ترجمہ کیا ہے اور پھر اسی سلسلے میں تفسیری جملے اضافہ کیے گئے ہیں لیکن الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بغیر ترجمے کے کر دی گئی ہے نیز ان اسمائے الٰہی کی تفسیر بسملہ کے مقابلے میں سورہ فاتحہ میں جہاں الرحمٰن کی تفسیر میں معنوی اعتبار سے وجود حیات کے آخرت میں بخشے جانے کا ذکر ہے وہاں بسملہ کی تفسیر میں وجود حیات کی بخشش بوجہ عدم صراحت دنیوی حیثیت سے بھی جانے کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ دونوں سے الرحمٰن کی تفسیر بغرض سہولت ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

بسملہ سے — "الرحمٰن خوب اچھا بخشا ہی اوپر خلق کے وجود حیات کا۔"
سورۂ فاتحہ سے — "الرحمٰن بخشنے والا ہی وجود دوسری بار یعنی آخرت کی پیچھی فنا ہوتی جہاں کی"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمے کے تعلق سے مولوی عبدالحق نے لکھا ہے:

"اگرچہ شاہ عبدالقادر نے جملے میں فعل نہیں لکھا ہے
کیونکہ اصل عربی میں بھی نہیں اور شاہ رفیع الدین نے
فعل ترجمے کی خاطر داخل کیا ہے تاہم شاہ عبدالقادر
کا ترجمہ زیادہ سلیس اور صاف اور صحیح ہے اور اصل عربی
الفاظ کے زیادہ قریب ہے۔"[1]

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۲

TooBaa-Research-Library

(ترجمہ) "شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا"۔
لیکن کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے میں بسملہ کے ترجمے میں فعل موجود ہے۔ "شروع اللہ کی نام سے جو مہربان ہے اور رحم والا"۔ نیز یہ کہ اس میں رحمٰن و رحیم کے صیغۂ مبالغہ کی بھی رعایت نہیں ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے:۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا"۔

یہ بامحاورہ ترجمہ ہے جس میں توضیح اور اختصار کی رعایت ہے۔
شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے بارے میں مولوی عبدالحق بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں۔

"شاہ عبدالقادر کا ترجمہ بہت مقبول اور مشہور ہوا اور ابھی تک بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ٹھیٹ اردو میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لئے ہندی یا اردو کے ایسے برجستہ اور برمحل الفاظ ڈھونڈ نکالے ہیں کہ ان سے بہتر ملنا ممکن نہیں"[1]

قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ ہے جس کی وجہ سے عبارت میں الفاظ بے ترتیب ہو گئے ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہؒ کے فارسی ترجمے سے "ہندی متعارف" میں ترجمہ کیا ہے۔ ذیل میں دونوں ترجموں کا نمونہ بالمقابل پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۱ / ۱۳۲ ۔

شاہ ولی اللہؒ فارسی ترجمہ	شاہ عبدالقادر ہندی متعارف ترجمہ
از چہ چیز کا فران با یکدیگر سوال میکنند آری۔ سوال میکنند از خبری بزرگی کہ ایشان دران مختلف اند نی نی خواہند دانست باز میگویم نی نی خواہند دانست	کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں وہ بڑی خبر جس میں وہ کئی طرف ہو رہے ہیں یوں نہیں اب جان لیں گے پھر بھی یوں نہیں اب جان لیں گے۔
یا نساختہ ایم زمین را فرشی ولساختہ ایم کوہہا را میخہا و آفریدیم شمارا جوڑ جوڑہ وساختیم خواب شمارا حق وساختیم شب را پردہ وساختیم روز را وقت طلب معیشت و بنا کردیم بالائے شما ہفت آسمان محکم و آفریدیم چراغ درخشندہ یعنی آفتاب و فرود آوردیم از ابرہا آب ریزان تا برآریم بسبب آن آب دانہ وگیاہ را و بوستانہا درہم پیچیدہ را	کیا ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تم کو بنایا جوڑے اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹ رہے۔

نواب صدیق حسن خان کا بھی خیال ہے کہ شاہ عبدالقادر نے یہ ترجمہ اپنے والد کے فارسی ترجمے سے کیا ہے۔ چنانچہ جناب ا۔ ولیم صاحب نے ان کے اس خیال کو "الاکسیر فی اصول التفسیر" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

"فتح الرحمان ترجمۂ فارسی والد خود را در زبان اردو

بردہ نخلے خوش محاورہ و مفید خاص و عام واقع شدہ" [1]

ڈپٹی نذیر احمد دونوں صاحبان یعنی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کی عبارت میں بے ترتیبی الفاظ کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مولانا شاہ عبدالقادر اور مولانا شاہ رفیع الدین کے ترجمے زبان کے پرانے ہونے کی وجہ سے ایسے اکھڑے اکھڑے نہیں معلوم ہوتے جیسے بے ترتیبی الفاظ کی وجہ سے۔ یہ نہیں کہ ان بزرگوں کو بے ترتیبی الفاظ کا علم نہیں ہوا یا ان کے وقت میں ایسی بے ترتیب اردو فصیح سمجھی جاتی تھی۔ نہیں یہ لوگ بجائے خود اردو کے لئے سند تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ ایک طرف ترتیب الفاظ قرآن کا پاس اور دوسری طرف اردو کی فصاحت ان کی وضعداری نے اجازت نہ دی کہ ترتیب الفاظ قرآن کے مقابلے میں اردو کی فصاحت کا پاس کریں۔ . . .

ترجمہ تو ترجمے کی کثرت سے عربی پڑھنے نے ان کے مذاق اردو پر یہ اثر کیا تھا کہ باوجودیکہ ترجمہ نہیں مگر الفاظ کی بے ترتیبی ان کی اپنی اردو میں بھی ہے۔" [2]

بہرحال شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بارہا شائع ہونے کے باوجود اب بھی اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

---

[1] معروضہ جناب اے۔ ڈی نسیم صاحب رسالہ اردو بابتہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء ص ۵۵

[2] سیر المصنفین جلد اول ص ۱۰۸۔ محمد یحییٰ تنہا۔

اے۔ ڈی نسیم صاحب لکھتے ہیں:۔

"بہت تھوڑے عرصے میں اس کی بہت سی ایڈیشن نکلیں جن کا تفصیلی ذکر بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کی فہرستوں (کتب مطبوعہ) میں کیا ہے ایک انگریزی پادری مسمی بہ ٹی۔ پی۔ ہیوز (T. P. HUGHES) جس نے مشنریوں کی سہولت کے لئے شاہ عبدالقادر کے ترجمے کو رومن رسم الخط میں چھپوایا تھا لکھتا ہے کہ:۔

"مسلمان علماء کے نزدیک شاہ عبدالقادر کا ترجمہ نہایت وقعت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔" [1]

شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے ترجمے لفظی ہیں۔ شاہ رفیع الدین کے پاس آیتوں کی نحوی ترکیب اور ساخت کی زیادہ پابندی کی گئی ہے اور شاہ عبدالقادر کے پاس ان باتوں کی اس قدر پابندی نہیں ہے۔ اس طرح کے عمل سے شاہ رفیع الدین کے ترجمے کے مقابلے میں شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں جو حسن و خوبی پیدا ہو گئی ہے اس سے مقبولیت عامہ حاصل ہو گئی ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:۔

"یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف ادھر سے ادھر

---

[1] رسالہ اردو بابتہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء ص ۵۵ و ۵۸

ہونے نہیں پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اردو زبان کے محاورے پھیکے یا پھیکے انہیں کرنا ضروری ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اس قدر لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرے اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے یعنی وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔"[1]

مولوی صاحب نے بطور نمونہ سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ جسے مع بسملہ کے ترجمے کے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ	شاہ عبدالقادرؒ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنے والے مہربان کے	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا۔
آلمٓ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین	آلمٓ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین۔
یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے راہ دکھلاتی	اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ راہ بتاتی

۱ قدیم اردو ص ۱۳۲۔

شاہ رفیع الدینؒ	شاہ عبدالقادرؒ
ہے واسطے پرہیزگاروں کے	ہے ڈر والوں کو
الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون۔	الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون۔
وہ لوگ کہ ایمان لاتے ساتھ غیب کے یعنی بن دیکھے[2] اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس چیز سے کہ دیا ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔	جو یقین کرتے ہیں بن دیکھا اور درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔
والذین یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون۔	والذین یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون۔
اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں[3] ساتھ اس چیز کے جو اتاری گئی ہے طرف تیری اور جو اتاری گئی ہے پہلے تجھ سے اور ساتھ آخرت کے وے یقین رکھتے ہیں۔	اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو اترا[4] تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔

۱ مطبوعہ نسخے میں ترجمہ اس طرح ہے۔ "وہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے"۔

۲ "یعنی بن دیکھے" مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے۔

۳ "اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں" مطبوعہ نسخہ

۴ "اور جو کچھ اترا"۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔

اولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم	اولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم
و اولٰئک ھم المفلحون	واولٰئک ھم المفلحون
یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار	انھوں نے پائی ہے[1] راہ اپنے رب
[illegible] چھٹکارا پانے والے۔	کی اور وہی مراد کو پہنچے۔

دونوں ترجموں کے مقابلے سے مولوی عبدالحق نے شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی فوقیت ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"اول تو اس میں ایجاز ہے یعنی بلا وجہ کوئی لفظ اپنی طرف سے داخل نہیں کیا۔ دوسرے اردو روزمرہ اور جملوں کی ساخت کا خیال رکھا ہے تیسرے اجیسا کہ انھوں نے خود فرمایا ہے ا ترجمہ ریختے میں نہیں بلکہ "ہندی متعارف" یعنی ہندوستانی میں کیا ہے۔ اسی وجہ سے ترجمہ زیادہ سلیس اور صحیح ہے۔ مثلاً متقین کا ترجمہ بجائے پرہیزگاروں کے "ڈروالوں" کیا ہے یقیمون الصلوٰۃ کا ترجمہ "درست کرتے ہیں نماز" کیا ہے۔ مفلحون کا ترجمہ "وہی مراد کو پہنچے" کیا گیا ہے۔ شاہ رفیع الدین نے اس کا ترجمہ "چھٹکارا پانے والے" کیا ہے۔ اگرچہ یہ لفظ ہندی ہے لیکن شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہے

[1] فعل ناقص ہے۔ مخطوطے کی عبارت میں نہیں ہے۔

اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ رہی جملوں کی ترکیب سو دونوں ترجمے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اس کا زیادہ خیال رکھا ہے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دوسرے ترجمے کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔"[1]

شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں ایجاز، روزمرہ کی پابندی اور جملوں کی درست ترکیب سے انکار نہیں کیا ان کے ترجمے کے زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہونے اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آنے کے تعلق سے مولوی عبدالحق کی رائے سے متفق ہونے میں تامل ہوتا ہے۔ متقین کا ترجمہ "ڈروالوں" اچھا ہے شاہ رفیع الدین نے اس کے لئے "پرہیزگاروں" لکھا ہے۔ لفظ "پرہیزگار" شاید اس وقت ہندی متعارف کی حیثیت نہ رکھتا ہوگا لیکن شاہ عبدالقادر ہی نے دوسرے کئی مقامات پر متقین کے لئے "پرہیزگاروں" کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ صاحب کے اس طرح کے ترجمے کے بارے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن بجا فرماتے ہیں کہ "بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں دوسری جگہ کچھ اور حالانکہ معنی لغوی اس لفظ کے ایک ہی ہیں مگر مقام کے مناسب جدے جدے عنوان سے بیان فرماتے ہیں۔ جس سے قرآن کی غرض اور مراد سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔"[2] مگر شاہ صاحب نے مرجع قرآن

[1] قدیم اردو ص ۱۳۴ و ۱۳۵

[2] ایک مقدمہ قرآن مجید مترجم دہلی شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۲۔

میں سورہ بقرہ کی اسی آیت ھدی للمتقین کا ترجمہ "ہدایت ہی واسطے پرہیزگاروں کی" کیا ہے اور اس کی تفسیر کے لیے آگے یہ فقرہ اضافہ کیا ہے "یعنی ساتھ قرآن کے دلالت کرتا ہے اور راہ دکھلاتا ہے اون لوگوں کو کہ وہ نفع اٹھاتے [illegible] کے اور فنا کرتے ہیں اور ادس کے"۔ شاہ صاحب نے جب ایک ہی آیت کے ایک ہی لفظ کے لیے دو دونوں ہی لفظ استعمال کیے ہیں تو مقابلتاً کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں لفظوں میں "پرہیزگار" ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اپنے ترجمے میں متقین کے لیے لفظ "پرہیزگار" ہی انتخاب کیا ہے۔ ترجمہ کیا ہے:

"آلم یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام الٰہی ہونے) میں کچھ بھی شک نہیں پرہیزگاروں کی رہنمائی ہے۔" ویسے بجائے "ڈروالوں" کے "ڈرنے والوں" بھی موزوں تھا۔ موضح قرآن میں "ان للمتقین مفازاً حدائق واعنابا وکواعب اترابا" کے تحت لکھا ہے "بیشک ڈرنے والوں کے واسطے آرزو اور مراد حاصل ہے اور چھٹکارا ہے عذاب سے باغ ہیں جس میں درخت ہیں میوہ دار اور انگور ہیں اور خوبصورت جوان عورتیں ہیں ہم عمر بہشت میں یعنی کوئی بوڑھی اور بچہ نہ ہوگی۔ کہتے ہیں کہ بہشت میں عورتیں سب سولہ برس کی اور مرد سب تیس برس کے ہوں گے اور بعضی کہتے ہیں کہ عورت مرد سب تیتیس اوپر تیس برس کے ہوں گے۔"

"ھدی" کے ترجمے کے تعلق سے شیخ الہند لکھتے ہیں کہ "چونکہ" "اھدنا"

میں "ہدایت" حق تعالیٰ کی صفت ہے تو وہاں "چلانے" کا لفظ لائے ہیں اور اس (ھدی للمتقین کے) موقع پر ہدایت قرآن کی صفت ہے تو اس لئے "راہ بتانے" کا لفظ (شاہ صاحب نے) بیان فرمایا ورنہ دونوں جگہ مقصود یعنی ایصال کی طرف اشارہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔[1] مگر شیخ الہند نے غالباً موضح قرآن میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا کہ وہاں شاہ صاحب کے لفظ کے معنوں کی اتنی نزاکت کا لحاظ کیے بغیر "ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کی" ترجمہ کر دیا اور آگے "یعنی" سے تفسیر شروع کر دی البتہ آگے تفسیر میں "راہ دکھلاتا ہے" لکھا ہے۔ قرآن شریف میں نماز پڑھنے کا حکم کئی جگہ مذکور ہے جس کے لئے "اقامت الصلوٰۃ" کا لفظ بھی ملتا ہے۔ مفسرین اس لفظ کے تحت تفسیر میں نماز پڑھنے کی جدا جدا نوعیت بیان کرتے ہیں۔ بعض نے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا مراد لیا ہے۔ بعض نے آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرنے یا مطلق نماز پڑھنے کو اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم قرار دیا ہے۔ اوپر کی آیت میں "یقیمون الصلوٰۃ" کا ترجمہ شاہ عبد القادر نے "درست کرتے ہیں نماز کو" کیا ہے۔ اس ترجمے پر کچھ اظہار خیال سے قبل یہ دیکھا جانا مناسب ہوگا کہ شاہ صاحب نے اقامت صلوٰۃ کے ترجمے میں کیا کیا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "درست کرنا نماز" "کھڑا کرنا نماز" "نماز پڑھنا" اور "قائم کرنا نماز کو" یہ وہ الفاظ ہیں جو اس کے ترجمے میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

آیت:۔ یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنا ھم ینفقون (سورہ بقرہ)

ترجمہ:۔ "درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں" (ترجمہ قرآن)

آیت:۔ یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ اولئک علیٰ ھدی

---

[1] مقدمہ قرآن مجید مترجم دہلی شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۴۔

من ربهم و اولٰئك هم المفلحون (سورہ لقمان پ ۲۱ ر ۱)

ترجمہ:۔ "جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں۔ وہ ہیں سوجھ پر اپنے (رب) کی طرف سے اور وہ ہیں جس کا بھلا ہے"۔ (ترجمہ قرآن مجید)

آیت:۔ وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين و يقيموا الصلوٰة و يؤتوا الزكوٰة و ذالك دين القيمة (سورۃ البینۃ پ ۳۰)

ترجمہ:۔ "اور نہیں کہا کسی کتاب والے کو مگر یہی کہ بندگی کرو خدائے تعالیٰ کی پاک کرکے اپنے دین کو خدائے تعالیٰ کے واسطے سب دینوں سے پھر کر اور سب دینوں کو چھوڑ کر خدائے تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانو اور نماز پڑھو ہمیشہ پانچوں وقت کی اور زکوٰۃ دو مال کی اور یہی دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم درست اور مضبوط ہے یعنے توریت اور انجیل میں یہی لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور ایک جانو خدائے تعالیٰ کو اور آخری زمانے کے پیغمبر کا دین سچ ہے اسے قبول کرو"۔ (موضح قرآن)

آیت:۔ يقيمون الصلوٰة و مما رزقناهم ينفقون (سورہ بقرۃ ع ۱)

ترجمہ:۔ "اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو کچھ کہ رزق دیا ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں"۔ (موضح قرآن)

ہو سکتا ہے کہ سیاق متن کے لحاظ سے "اقامت الصلوٰۃ" کا ترجمہ ہر جگہ جدا جدا الفاظ سے کیا گیا ہو لیکن شاہ صاحب نے سورہ بقرہ کی ایک ہی آیت کا ترجمہ ایک ہی سیاق متن کے باوجود ترجمہ قرآن مجید اور موضح قرآن میں مختلف

لفظوں میں کیا ہے۔ جب "درست کرتے ہیں نماز" اور "قائم کرتے ہیں نماز کو" دونوں ہی ترجمے شاہ صاحب کے نزدیک صحیح ہیں تو نہ جانے کیوں اول الذکر ترجمے کو مابعد پر ترجیح دی جاکر "ترجمہ قرآن مجید" میں لکھا ہے اور کیوں مؤخرالذکر ترجمے کو موضح قرآن میں رکھا ہے۔ اقامت الصلوٰۃ کے تحت مختلف تفاسیر کا جواب باب اوپر مذکور ہوا ہے اس کے پیش نظر "نماز کو قائم کرنا" نسبتاً صحیح ترجمہ معلوم ہوتا ہے پھر اس میں آداب و شرائط کے ساتھ نماز کو قائم کرنے کا تو مفہوم ملتا ہے لیکن دوامی طور پر نماز ادا کرتے رہنے کا مطلب نہیں پایا جاتا۔ اس لئے بجائے "قائم کرتے ہیں نماز کو" کے "قائم رکھتے ہیں نماز کو" صحیح اور زیادہ موزوں ترجمہ ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین نے ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کا ترجمہ "قائم رکھتے ہیں نماز کو" کیا ہے اور یہ درست اور زیادہ موزوں ہے۔ ویسے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن مجید میں "درست کرتے ہیں نماز" میں اگر ذرا سی تبدیلی کر لی جاتی یعنی "درست رکھتے ہیں نماز" ہوتا تو ایک حد تک یہ بھی درست اور موزوں ہو جاتا لیکن ان تمام اختلافات سے بچنے اور یکسوئی حاصل کرنے کے لئے شاہ صاحب کے پاس "نماز پڑھنا" موجود تھا اس لئے کہ نماز پڑھنا حقیقت میں وہی ہے جو پابندی اور شروط کی بجا آوری کے ساتھ ہو۔

سورہ لقمان کی مندرجہ بالا آیت يقيمون الصلوٰة و يؤتون الزكوٰة اولٰئك على هدى من ربهم هم المفلحون میں "على هدى" کا ترجمہ "ہدایت پر" کے مقابلے میں "سوجھ پر" کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتا ...... "یہ ہیں سوجھ پر اپنے (رب) کی طرف اور وہ ہیں جن کا بھلا ہے"۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے موضح قرآن میں "هدى

للمتقین" کا ترجمہ "ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے" کیا ہے۔ اور "ہدایت"
کا لفظ موزوں ہے۔ ویسے "سوجھ" کے ساتھ "راہ" کا لفظ ہوتا یعنی "سوجھ
کی راہ" تو ترجمہ پھر بھی ٹھیک ہو جاتا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے "اولئک علی ھدی
من ربھم" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "یہی لوگ اپنے پروردگار کے
سیدھے رستے پر ہیں" شاہ عبد القادر نے سورہ بقرہ کے تحت اسی جزو آیت کا
ترجمہ "انھوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی" کیا ہے۔ "ھدی" کے تعلق سے تو
ترجمہ ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن ایک دوسری بحث پیدا ہو جاتی ہے اور وہ "من ربھم"
ہے جس کا ترجمہ شاہ صاحب نے بجائے "اپنے (رب) کی طرف سے" کے
"اپنے رب کی" کیا ہے۔ "اپنے رب کی راہ پاتا" اور "اپنے رب کی طرف
سے ہدایت پر ہونا" دونوں میں بہت فرق ہے۔ پہلے ترجمے میں اپنی سعی کا
دخل معلوم ہوتا ہے تو دوسرے میں فضل رب کا۔ چنانچہ مولانا محمود حسن کے ترجمے
میں ان باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (ترجمہ ....) "وہی لوگ ہیں ہدایت پر
اپنے پروردگار کی طرف سے"۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس طرح
ترجمہ کیا ہے۔ "پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے
ملی ہے"۔

شاہ صاحب نے سورہ فاتحہ میں "رب العلمین" کا ترجمہ کیا ہے۔
"جو صاحب سارے جہان کا" یہاں لفظ "صاحب" کھٹکتا ہے۔ سورہ فاتحہ
کی تفسیر کے ختم پر لفظ "صاحب" کو اللہ کی صفت کے طور پر بھی بجائے "تعالیٰ"
وغیرہ کے لکھا ہے۔ "یہ سورہ اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمایا ہے کہ
اس طرح کہا کریں"۔ کہیں "اللہ" کے ترجمے میں صاحب لکھا ہے۔ آیت:۔
قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد

(سورۃ الکہف ع ۱۲)
ترجمہ:۔ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمھارا صاحب
ایک صاحب ہے"۔ اور کہیں "مولیٰ" کے ترجمے میں "صاحب"
استعمال کیا ہے۔
آیت:۔ ھو مولکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر (سورۃ الحج پ ۱۷)
ترجمہ:۔ وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب اور خوب مددگار"۔
شاہ صاحب نے "رب" کے لئے "پروردگار" کا لفظ کئی جگہ لکھا ہے
اور بعض وقت تو لفظ "رب" ہی قائم رکھا ہے۔
آیت: فسبح بحمد ربک واستغفرہ (سورہ نصر پ ۳۰)
ترجمہ:۔ بڑائی کر بہت ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے اور گناہ بخشوا اپنے
پروردگار سے"۔ (موضح قرآن)
آیت:۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (سورۃ المزمل)
ترجمہ:۔ اور یاد کر نام اپنے پروردگار کا اور توڑ کر ساری خلقت سے رجوع کر
خدائے تعالیٰ کی طرف سب کو چھوڑ کر خوب طرح سب چیز سے بیزار ہو
جو وہ پروردگار تیرا" (موضح قرآن)
آیت:۔ والحمد للہ رب العلمین (سورۃ والصّٰفّٰت پ ۲۳ ع ۵)
ترجمہ:۔ اور سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا" (موضح قرآن)
اوپر تحریر کردہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں شاہ صاحب نے "رب" کے
"پرورش کرنے والا" استعمال کیا ہے۔ ویسے اس زمانے میں اور اس کے بعد بھی
"پالنہار" اور "پالنے والا" دونوں بھی ہندی متعارف کی حیثیت سے مروج
نہ جانے ان سارے الفاظ کو چھوڑ کر "رب" کے لئے شاہ صاحب نے صاحب

کا انتخاب کیوں کیا۔ اگرچہ یہ لفظ خدا کے لئے بعض ارباب طریقت اس زمانے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ تاہم اس لفظ میں رب کی بلاغت و معنویت نہیں ہے جیسا کہ لفظ پروردگار، پالن ہارا یا پالنے والا میں ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے سورہ فاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں "ربوبیت" کی تشریح ان لفظوں میں کی ہے :۔

"عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے والے کے ہیں لیکن پالنے کو اس کے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیئے اس لئے بعض آئمۂ لغت نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔ ہو انشاء الشیٔ حالاً فی لاً الی حدّ التمام یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حد کمال تک پہونچ جائے۔ اگر ایک شخص بھوکے کو کھانا کھلا دے یا محتاج کو روپیہ دے دے تو یہ اس کا کرم ہوگا جود ہوگا احسان ہوگا لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت کے لئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو اور ایک وجود کو اس کی تکمیل و بلوغ کے لئے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں ان سب کا سروسامان ہوتا رہے نیز ضروری ہے کہ یہ سب کچھ محبت و شفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت و شفقت کے عاطفہ سے خالی ہوگا ربوبیت نہیں ہو سکتا۔"[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۰ و ۱۱ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔

شاہ رفیع الدینؒ نے "پروردگار" کا لفظ ترجمہ میں رکھا ہے۔

آیت :۔ الحمد للہ رب العلمین ۔

ترجمہ :۔ سب تعریف واسطے اللہ کے پروردگار عالموں کا "۔

ترجمۃ القرآن کے مخطوطے اور مطبوعہ نسخے میں " ایاک نعبد وایاک نستعین " کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں "۔ "تیری ہی بندگی کریں" کی بجائے شاید۔ "تجھی کی بندگی کریں" لکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ روزمرہ ایسا نہیں تھا اس لئے "تجھی کو بندگی کریں" رکھ دیا بندگی بمعنی "عبادت" سہی لیکن "کسی کو بندگی کرنا" اور "کسی کی بندگی کرنا" میں معنوی اعتبار سے بہت بڑا فرق ہے۔ غالباً یہ فرق اس وقت بھی تھا۔ موضح قرآن کی اکثر و بیشتر آیتوں کے تحت کی اردو عبارت سے اس فرق کے محسوس کئے جانے کا ثبوت ملتا ہے مثلاً سورہ مرسلت کی آیت واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون کا ترجمہ ہے "اور جب کہا جاتا ہے ان کافروں کو کہ جھکو خدائے تعالیٰ کی بندگی کرنے کو تو نہیں جھکتے یعنے جو کہتے ہیں ان کو کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔" سورۃ القیمۃ کی آیت فلا صدّق ولا صلّی ولکن کذّب و تولّی کا ترجمہ کیا ہے۔"

پھر سچا نہیں جانتا قرآن کو اور نہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا جانتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتا لیکن جھوٹھا جانتا ہے اور قرآن کو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھی جھوٹھا جانتا ہے اور پھر رہا دین اسلام سے "۔ شاہ صاحب نے دیباچہ میں "بندگی" کی اس طرح تعریف کی ہے۔ اس کی خوشی کے کام کرنے بندگی ہے اور جو بندگی نہ کرے سو بندہ نہیں ہے اور بندگی اسے کہتے ہیں کہ جو صاحب کہے اس کام کو بے تکرار کرے۔

اور اس کام کی بھلائی برائی میں عقل کو نہ دوڑائے کسی دوسلے کہ کہا ماننا ہی بھلائی ہے اور حجت لانا حکم میں کم بختی ہے۔" ان معنی کی روشنی میں بھی "تجھ کو بندگی کرنا" ترجمہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ "واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین" (سورۃ الحجر پ ۱۴ ع ۶) کے ترجمے میں "رب کی بندگی کرنا" صحیح استعمال ہے (ترجمہ) "اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہونچے تجھ کو یقین۔"

دوسری بات یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں "نعبد" اور "نستعین" کا ترجمہ فعل حال مطلق کی بجائے فعل مضارع میں کیا ہے۔ "تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں"۔ نعبد اور نستعین عربی قواعد میں فعل مضارع ہے۔ علی الترتیب جس کا اردو میں ترجمہ "ہم عبادت کرتے ہیں یا کریں گے" اور "ہم مدد مانگتے ہیں یا مانگیں گے" ہوتا ہے لیکن شاہ صاحب نے عربی کے فعل مضارع کا اردو کے فعل مضارع ہی میں ترجمہ کر دیا ہے۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمے میں اس قسم کے سہو نہیں ہیں۔ ان کے پاس اس کا ترجمہ یہ ہے "تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم"۔ عجب بات یہ ہے کہ موضح قرآن میں اس آیت کا ترجمہ شاہ رفیع الدین کے ترجمے کے ڈھنگ پر ہی ہے۔ عبارت ذیل میں نقل ہے:-

"تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم پس کوئی سوائی تیرے
مستحق عبادت کا نہیں ہے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں
ہم بیچ عبادت کے اور تو ہی سرانجام عبادت کرنے
والا احتیاج اور مشکلات ہماری کا۔"

شاہ عبد القادر نے ترجمہ کرتے وقت زبان اور محاورے کا زیادہ خیال رکھنے کی کوشش کی ہے مگر ایجاز کی دھن میں موزوں و مناسب الفاظ کا انتخاب

نہ کر پایا۔ موزوں الفاظ کو پکڑتے تو ایجاز کا دامن ہاتھ سے نکل جاتا۔ زبان ہندی متعارف میں روزمرہ اور محاوروں پر دھیان دینے سے مفہوم قرآن کہیں مبہم ہو گیا تو کہیں غیر واضح رہ گیا۔ بعض مقامات پر تو ذرا سے ہیر پھیر سے معنی و مفہوم قرآنی بدل گئے۔ ولا تطع الکفرین والمنفقین ودع اذاھم وتوکل علی اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا۔ (ترجمہ) "اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغابازوں کا اور چھوڑ دے ان کو ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔" "ودع اذاھم" کے ترجمے "چھوڑ دے ان کو ستانا" کا ایک عام قاری یہ مطلب لے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں اور منافقوں کو ستا رہے تھے یا ستانے کا خیال فرما رہے تھے اس لئے آپ کو اس کام سے باز رہنے کا حکم نازل ہوا۔ حالانکہ مفہوم قرآن اس کے بالکل برعکس ہے۔ حکم تو یہ ہے کہ کافروں اور منافقوں کی طرف سے جو ایذا پہونچے اس کا آپ خیال نہ کیجئے۔ شاہ رفیع الدین نے "ان کو ستانا" کی بجائے اپنے ترجمے میں "ان کا ستانا" لکھا ہے یہ ترجمہ شاہ عبد القادر کے ترجمے سے نسبتاً بہتر ہے اس لئے کہ اس ترجمے میں اس مفہوم کی بھی گنجائش ہے کہ کافروں کے ستانے پر توجہ نہ دے۔ ان کا جملہ یہ ہے "اور مت کہا مان کافروں کا اور منافقوں کا اور چھوڑ دے ایذا دینا اور توکل کر اوپر اللہ کے اور کفایت ہے اللہ کام بنانے والا"۔ مولانا محمود حسن نے تو ترجمے میں شاہ عبد القادر ہی کے الفاظ رکھے ہیں البتہ "ان کو ستانا" کی بجائے "ان کا ستانا" کر دیا اور یہ خیال یقیناً شاہ رفیع الدین کے ترجمے سے پیدا ہوا ہوگا۔ "اور کہا مت مان منکروں کا اور دغابازوں کا اور چھوڑ دے

سورۃ الاحزاب پ ۲۲ ع ۶۔

ان کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا" اس سلسلے
میں ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ بہت واضح ہے۔ "اور اے پیغمبر، کافروں اور منافقوں
کا کہا نہ مانو اور ان کی ایذا دہی کی دیکھا پروا نہ کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور خدا
کارساز بس ہے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خصوصاً اس آیت کے ترجمے کرتے وقت
شاہ صاحب نے قرآن کے متن کی بجائے اپنے والد بزرگوار کے فارسی ترجمے کو
پیش نظر رکھا تھا چنانچہ "فتح الرحمان" میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح
ہے۔ "و فرمان مبر کافران را و منافقان را و از نظر اعتبار بگذار رنجانیدن ایشان را
و توکل کن بر خدا و بس است خدا کارساز"۔ اس ترجمے میں شاہ ولی اللہ نے
"از نظر اعتبار بگذار" لکھ کر مفہوم کو بالکل واضح کر دیا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا
ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اپنے والد کے ترجمے سے "از نظر اعتبار" کو نظر انداز
کر کے "بگذار رنجانیدن ایشان را" کو لے لیا ہے اسی لئے انھوں نے
"چھوڑ دے ان کو ستانا" ترجمہ کیا ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره
علی الدین کله و کفٰی بالله شهیدا [1] (ترجمہ) وہی ہے جس نے بھیجا
اپنا رسول راہ پر اور سچے دین پر کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور بس ہے
اللہ حق ثابت کرنے والا [2] رسول کو راہ پر اور سچے دین پر بھیجنا" اور "
رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجنا" دونوں میں معنوی اعتبار سے

---

[1] سورہ فتح مطبوعہ نسخہ قرآن مجید مترجم شاہ عبدالقادر۔ "فتح الرحمان" میں
فارسی ترجمہ یہ ہے۔ "اوست آنکہ فرستاد پیغامبر خود را بہدایت و دین راست
تا غالب کند ش بر ادیان ہمہ آنہا و بس است خدا اظہار کنندہ حق۔

فرق ہے۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ الفاظ قرآن سے قریب ہے اور مفہوم قرآن
سے بھی۔ اس کے مقابلے میں نہ ایجاز کا دامن ہاتھ سے نکل جانے کی پروا کی نہ
ہندی متعارف زبان پر ہی زور دیا ہے۔ ہندی متعارف کے الفاظ سے مفہوم کی
صحت کے ساتھ ادا [illegible] پھیکے [illegible]
الفاظ جو اس وقت عام طور پر بولے اور سمجھے جاتے تھے بڑی خوبی سے برت گئے
ہیں۔ بسا اوقات تو قرآنی لفظ اور فعل ہی سے اردو ترجمے میں امدادی فعل اور
اسم فاعل وغیرہ بنایا ہے۔ سورہ فتح کی مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ "وہ
ہے جس نے بھیجا پیغمبر کو ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے تو کہ غالب کرے اس کو
اوپر دین سارے کے کفایت ہے اللہ شاہدی دینے والا"۔ مولانا محمود حسن
نے تو شاہ عبدالقادر ہی کے ترجمہ کو اپنے ترجمے کی اساس بنایا ہے۔ "وہی ہے
جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تاکہ اوپر رکھے اس کو ہر دین
سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا"۔ ڈپٹی نذیر احمد نے شاہ عبدالقادر
کے ترجمۂ قرآن کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ اپنے ترجمے کے وقت
مفہوم قرآن کے لئے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ زیادہ پیش نظر رکھا ہے۔ سورہ فتح
کی اسی آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے
رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں
پر غالب رکھے اور (دین اسلام کی صداقت کے لئے) خدا گواہی کرتا ہے"۔
تفسیر حقانی میں بھی اسی طرح کا ترجمہ ہے۔ "وہی تو ہے کہ جس نے اپنے رسول کو
ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے اور
اللہ کی شہادت کافی ہے"۔

"قال رب احکم بالحق و ربنا الرحمٰن

المستعان علی ما تصفون ۵ (ترجمہ) رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔ ترجمہ میں "اے میرے رب" ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید کے ترجمے میں ایسے حذوفات اختصار کا حسن نہیں عیب بن جاتے ہیں۔ "فتح الرحمٰن" کی فارسی عبارت یہ ہے۔ "پیغامبر گفت ای پروردگار من حکم کن براستی و پروردگار ما بخشندہ است ازوی مدد طلب کردہ میشود بر آنچہ بیان می کنید"۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاہ عبد القادر کا ترجمہ قرآن مجید اس قسم کی فروگذاشتوں سے پر ہے۔ بات کلام اللہ کی ہے۔ ایک دو مقام پر بھی فروگذاشت ہی ہے جو قابل اعتراض بن جاتی ہے۔ خواہ اس کی وجہ کچھ ہی ہو نظر کی چوک ہو یا سہو کتابت بہر حال قابل اصلاح ہے۔ ویسے شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن اپنے وقت کی نہایت بامحاورہ زبان میں ہے۔ ایجاز کی خوبی صحت مفہوم کے ساتھ برقرار رہ جاتی ہے۔ جستہ جستہ دو چار آیتوں اور جزو آیات کے ترجمے دونوں شاہ صاحبان کے رکھے ہوئے پیش کئے جاتے ہیں۔

شاہ عبد القادرؒ	شاہ رفیع الدینؒ
الحمد للہ	
سب تعریف اللہ کو ہے	سب تعریف واسطے اللہ کے
اهدنا الصراط المستقیم	
چلا ہم کو راہ سیدھی	دکھا ہم کو راہ سیدھی
صراط الذین انعمت علیہم	
راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل کیا	راہ ان لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر ان کے

ترجمہ قرآن مجید

شاہ عبد القادرؒ	شاہ رفیع الدینؒ
غیر المغضوب علیہم	
نہ وہ جن پر غصہ ہوا	سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر انکے
ولا الضالین	
اور نہ بہکنے والے	اور نہ راہ گمراہوں کی
الم نجعل الارض مہادا	
ہم نے نہیں بنائی زمین اور بچھونا؟	کیا نہیں کیا ہم نے زمین کو بچھونا
والجبال اوتادا	
اور پہاڑ میخیں؟	اور پہاڑوں کو میخیں
وخلقنکم ازواجا	
اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے	اور پیدا کیا ہم نے جوڑے تم کو
وجعلنا النہار معاشا	
اور بنایا دن روزگار کو	اور کیا ہم نے دن کو وقت معاش کا

اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ دیگر مترجمین کی طرح قرآن کا مطلب واضح کرنے کے لئے قوسین میں اپنی جانب سے بڑھائے ہوئے الفاظ سے بری ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اس کے نیچے ہونے اور پھر عبارت کے بامحاورہ رہنے کا کمال اس ترجمے میں ملتا ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ شاہ عبد القادر کے ترجمے قرآن مجید میں جہاں کوئی کمی یا کمزوری موزوں الفاظ کے عدم انتخاب یا مفہوم کی پائی جاتی ہے۔ موضح قرآن میں انہیں آیتوں یا متشابہ آیتوں کے ترجمے یا تفسیر میں نہیں پائی جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موضح قرآن سے اس قسم کی فروگذاشتوں کی اصلاح منظور تھی۔ یہ دونوں یعنی قرآن مجید کا ترجمہ اور موضح قرآن

الگ الگ مترجم و مفسر کا نتیجۂ فکر معلوم ہوتی ہیں۔ بات ایسی تو نہیں البتہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ عبد القادر کا ترجمۂ قرآن مجید ان کے بڑے بھائی شاہ رفیع الدین کے مطالعے میں ضرور آیا ہوگا۔ بڑے بھائی کی چشم بصیرت نے ترجمے کے بعض گوشوں پر پڑے ہوئے الفاظ اور روزمرہ کے پردوں کے پیچھے حقیقت معنی کی تلاش کی ہوگی۔ اور چھوٹے بھائی کی علمیت شہرت اور ان کی تقدس مآب شخصیت کے خیال سے انھیں ترجمے کے شکوک مشتبہ اور غیر صحت مند مقامات سے آگاہ کرنا مناسب تصور نہ کیا ہوگا۔ اور خود ہی ایک ترجمہ کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھیں آگاہ بھی کیا ہو بہر حال شاہ رفیع الدین کے ترجمے سے انھیں بعض مقامات پر مفہوم قرآن کی ادائی کے لئے اپنے ترجمے کے عجز کا احساس ہوا اور اس کی تلافی کے لیے حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ جو بعد میں "موضح قرآن" کے نام سے مشہور ہوا۔ مولوی عبد الحق نے جو لکھا ہے کہ شاہ عبد القادر کا ترجمہ دوسرے (شاہ رفیع الدین کے) ترجمے کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں سمجھی گئی"[1] اس کی وجہ وہی ہو سکتی ہے جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہے۔

مولوی سید محبوب علی صاحب رضوی نے شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کے تعلق سے چند معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کے شاگرد سید نجف علی کا جمع کیا ہوا ہے"[2]

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۵۔

[2] ماہنامہ دار العلوم بابتہ اگست ۱۹۵۵ء۔ مضمون مولوی سید محبوب صاحب رضوی ص ۱۲۔

تفسیر رفیعی کے دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید نجف علی صاحب کی خواہش پر شاہ صاحب نے اس ترجمے کا کام انجام دیا ہے۔ دیباچے کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

> "کہتا ہے خاکسار میر عبد الرزاق بن سید نجف علی المعروف بہ فوجدار خاں کے والد بزرگوار نے بخدمت جناب عالم با عمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول و منقول خلاصہ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدینؒ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں۔ پھر اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا۔"[3]

دیباچے کی عبارت سے بظاہر یہی مترشح ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ شاہ عبد القادر کے ترجمے سے کوئی ذہنی علاقہ نہیں رکھتا لیکن جس مقصد سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اس کی وضاحت شائستگی کے آداب کی منافی تھی۔ اس لئے دیباچے کی عبارت مقالہ نگار کے قیاس کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی۔

---

[3] ماہنامہ دار العلوم بابتہ اگست ۱۹۵۵ء۔ مضمون مولوی سید محبوب صاحب رضوی۔ تفسیر رفیعی ص ۲ سنہ ۱۲۷۲ء

موضح قرآن کی زبان بھی "ترجمۂ قرآن مجید" کی "ہندی متعارف" جیسی نہیں ہے۔ اس میں شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی زبان کی طرح عربی و فارسی کے ہلکے پھلکے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب کے ایجاز کی وہ خوبی ان کے ترجمے میں ہے۔ موضح قرآن کی تحریر میں نہیں ہے اس کی زبان صاف ہے ایسی کہ مافی الضمیر بآسانی سمجھ میں آ جائے۔ گو دیباچے میں "زبان کو گویا کی اپنے نام کو اور دل کو روشنی دی اپنے کلام کو" جیسے جملوں سے حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کی زبان پر دکنی اثر کیسے ہو گیا۔ "کو" بمعنے "سے" خاص دکنی محاورہ ہے۔ بایں ہمہ ایسے الفاظ شاہ صاحب کی عبارت کو متاثر نہیں کرتے۔ سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ موضح قرآن کے مطالب مفہوم قرآن سے زیادہ قریب ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ بعض مقامات پر تو زبان کی صفائی اور روانی برسوں بعد کی ستھری زبان کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر ڈپٹی نذیر احمد کی یہ رائے مشتبہ ہو جاتی ہے کہ "ترجمہ تو ترجمہ کثرت سے عربی پڑھنے نے ان کے مذاق اردو پر یہ اثر ظاہر کیا تھا کہ باوجودیکہ ترجمہ نہیں مگر الفاظ کی بے ترتیبی ان کی اپنی اردو میں بھی ہے"[1] موضح قرآن سے نمونۂ عبارت نقل کیا جاتا ہے۔

سورۃ البروج کی تفسیر کے تحت "اصحب الاخدود" کے قصے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

"کہتے ہیں کہ یمن کے ملک میں ایک ذو نواس

---

[1] سیر المصنفین جلد اول ص ۱۰۷۔

نام بادشاہ تھا اور اس کا پیر ایک بڑا جادوگر شہر کے باہر رہتا تھا۔ سارے ملک اور بادشاہت کا کام اس کے کہنے سے ہوتا تھا۔ جب وہ جادوگر بہت بوڑھا ہوا تب بادشاہ کو کہا کہ میرا وقت آخر ہے کوئی جوان اشراف عقلمند پیدا کر کے لاؤ تو میں یہ علم اس کو سکھاؤں جو تمہارے کام آوے۔ بادشاہ نے ایک جوان جیسا اس نے کہا تھا مقرر کیا۔ وہ جوان ہر روز اس جادوگر کے پاس جایا کرتا۔ اس راہ میں ایک راہب کا مکان تھا۔ اس جوان کو راہب کا دین خوش آیا۔ جب جادو سیکھنے کے بہانے آتا اور اس راہب پاس رہتا اور راہ خدائے تعالیٰ کی اور دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سیکھتا۔ یہاں تلک کامل ہوا جو ایک دن راہ میں اژدھا آیا اور رستہ بند کیا جوان نے اسم اعظم پڑھ کر جو پھونکا اژدھا چلا گیا لوگوں نے دیکھا۔ پھر ایک دن شیر نے آ کر راستہ روکا۔ اس جوان نے کچھ شیر کے کان میں کہا شیر بھی چلا گیا یہ بھی لوگوں نے دیکھا۔ پھر جو کوئی اس جوان کے پاس اپنی حاجت لاتا خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس کا

کام بر آتا ....[1]

اسی انداز سے قصہ جاری رکھا گیا ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے جستہ جستہ اقتباسات نقل کئے جا چکے ہیں۔ موضح قرآن کے مندرجہ بالا اقتباسات کی زبان کا ترجمہ قرآن مجید کی عبارت سے مقابلہ کیا جائے تو صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ترجمہ میں عربی نحوی ترکیب کا استعمال شاہ صاحب نے قرآن کے الفاظ سے قریب رہنے کے لئے قصداً کیا ہے اگر اس طرح کی عبارت لکھنے کا اثر ان کی عام عبارت پر ہوتا تو موضح قرآن کی عبارت میں کہیں تو عربی نحوی ترکیب کا نمونہ ملتا۔

---

[1] موضح قرآن ۔ سورۃ البروج پ ۳۰۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ "تفسیر قرآنی موسومہ حقانی"

تفسیر قرآنی موسومہ حقانی کے مفسر سید شاہ حقانی نبیرہ سید شاہ برکت اللہ صاحب ہیں۔ یہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے متوطن تھے۔ یہ تفسیر غیر مطبوعہ ہے۔ مولوی عبدالحق نے ۱۲۰۶ ہجری اس کا سنہ تفسیر لکھا ہے[1] لیکن یہ نہ بتایا کہ اس میں قرآن کے کس جزو تک تفسیر ہے۔ تاریخ نثر اردو[2] میں دیئے گئے نمونہ عبارت سے جو غالباً کتاب کا آغاز ہے۔ سنہ تفسیر ۱۲۰۶ متحقق ہوتا ہے۔ آغاز کی عبارت میں مفسر نے سبب تفسیر بھی بیان کیا ہے۔ نیز اس سے پورے قرآن کی تفسیر ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

"پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اللہ تعالیٰ
کا نام اور اس کے حبیب اور اس کی آل و
اصحاب صلوات اللہ علیہم اجمعین کے نام کو
پڑھ کر یہ عاصی کہتا ہے کہ احوال اس کے
لکھنے کا یہ ہے۔ جو غور کر کے دیکھا تفسیر زبان

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۵۔ [2] تاریخ نثر اردو حصہ اول مرتبہ احسن مارہروی صفحہ (۸۲) مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹۳۰ء۔

عربی میں اور فارسی میں۔ عالموں فاضلوں بزرگوں
(۱۲۰۶)
نے اس بارہ سے چھ برس کے عرصے میں تصنیف
کری ہیں اور اپنے فہم و عقل کے زور سے معنیوں
کو آیت آیت حرف حرف کے ساتھ فصاحت
اور بلاغت کے لکھے ہیں اور زیر و زبر کو قاعدہ
صرف و نحو کے سے ثابت کیا ہے اور شان
نزول اور احوال پیغمبروں کے موافق حدیث
اور روایت صحابہ رضی اللہ عنہم کے داخل
کرے ہیں۔ جو ان تفسیروں کو نظر کیا دریا علم کا
اور ہدایت کا ہے کہ موج مارتا ہے، جاری
ہے اور ہر ایک کو اس کے مدعا کو پہنچانے استاد
جیسا کچھ چاہیے مشکل ہے۔ پھر آخر کار کتب خادم
استادی مرشدی حضرت بھائی صاحب و قبلہ
حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز
کے سے تفاسیر جدا کر کے حرف حرف کے معنیوں
کو اور شان نزول ہر ایک کلمے اور آیت اور
سورت کا دریافت کر کے اور سب احوال پیغمبروں
کا سمجھ کر موافق وقوف اور عقل اپنی کے ہر ایک
کلمے اور آیت اور سورت کے ساتھ مختصر کر کے
لکھا، داخل کیا تا کہ ان پڑھوں کو جلد سمجھنے میں
آوے۔ عبارت طویل کو موقوف کیا کس واسطے

کہ دل عالم کے تنگ ہو گئے ہیں۔ زیادہ عبارت
کے پڑھنے سے الجھتے ہیں، تنگ آتے ہیں بلکہ
پڑھے ان پڑھوں سے زیادہ جی چھپاتے ہیں۔"
نمونۂ ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

"رنج میں نہ ڈالے گا خدا تعالیٰ کسی کو مگر موافق
طاقت اس کی کے۔ اس کو ہے جو عمل کیا اور
اوپر اس کے جو گناہ کیا۔ اے پروردگار میرے
عذاب مت پکڑ تو مجھ پر جو بھول جاؤں میں یا
خطا کروں میں۔ اے پروردگار میرے اور
بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ بھاری
جیسے بوجھ رکھا تو نے اوپر اس گروہ کے کہ
پہلے تھے مجھ سے۔ اے پروردگار میرے
اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو کہ نہ
اٹھا سکوں میں اور در گزر کر خطاؤں میری سے
اور بخشش تو گناہوں میرے کو اور رحم کر تو
اوپر میرے۔ تو ہے خاوند میرا۔ پھر غالب
کر تو مجھ کو اوپر قوم کافروں کے۔"

یہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کا ترجمہ کیا ہے۔ آغاز کتاب کی عبارت
سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مفسر نے اس تفسیر کے سلسلے میں بڑی محنت کی ہے۔
مولوی عبد الحق نے بطور تبصرہ لکھا ہے کہ "ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے"
لیکن مولوی صاحب نے جو نمونہ مولانا احسن مارہروی سے نقل کیا وہ

صرف لفظی ترجمے کا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ایک آدھ لفظ عبارت کی وضاحت کے لئے اضافہ کیا گیا ہے۔ مثال کے لئے ایسے اضافہ شدہ الفاظ کو ہلالین میں رکھ کر ایک دو جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

" اس کو ہے جو اعمال کیا اور اوپر اس کے جو
(گناہ) کیا۔ اے پروردگار میرے (عذاب)
مت پکڑ تو مجھ پر"۔

لا یکلف اللہ کا ترجمہ " رنج میں نہ ڈالے گا خدا تعالیٰ" کیا گیا ہے۔ ترجمہ بہ فعل مستقبل کی بجائے بہ فعل حال مطلق زیادہ موزوں تھا۔ دوسرے یہ کہ بوقت ترجمہ غالباً لفظ " کلفت" بمعنی " رنج " مترجم کے پیش نظر تھا اس لئے " رنج میں نہ ڈالے گا " ترجمہ کیا گیا ہے۔ ویسے "نہیں تکلیف دیتا خدائے تعالیٰ کسی کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " زیادہ موزوں ترجمہ ہے۔

" ربنا " میں ضمیر متصل جمع متکلم ہے لیکن ہر ایسی جگہ بہ صیغہ واحد متکلم ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی اے پروردگار ہمارے "کی بجائے " اے پروردگار میرے "۔ اسی طرح آیتوں میں ضمیر فاعلی و مفعولی جہاں جہاں جمع متکلم ہے وہاں ترجمے میں صیغہ واحد متکلم ہے۔ "مجھ پر "۔ بھول جاؤں یا خطا کروں میں " بوجھ " مت دے تو اوپر میرے " درگزر کر خطاؤں میری سے" " رحم کر تو اوپر میرے " وغیرہ وغیرہ۔ شاید مترجم نے ترجمہ بصیغہ واحد میں زیادہ عجز و انکسار محسوس کیا۔

" جی چھپانا " غالباً اس زمانے میں محاورہ تھا۔ ترجمے کی طویل عبارت دستیاب ہوتی تو اس زمانے کے جدید محاوروں کا علم ہوتا۔

مولانا احسن مارہروی نے تبصرہ و کیفیت میں لکھا ہے " یہ تفسیر راقم کے

اسلاف میں ایک بزرگ نے لکھی ہے۔ جو غیر مطبوعہ ہے۔ یہ نمونہ صرف اس لئے دکھایا گیا ہے کہ اس زمانے میں اردو کا عام اثر اتنا ہو گیا تھا کہ گوشہ نشین اور قصباتی اہل علم بھی اس کی ترویج پر مائل ہو گئے تھے اور ان کو بھی اس کا احساس ہونے لگا تھا کہ اب فارسی کی جگہ اردو لینے والی ہے"۔

۲۔ ترجمہ قرآن مجید

فورٹ ولیم کالج

"ترجمہ قرآن مجید" کے نام سے ایک مخطوطہ[1] کتب خانۂ سالار جنگ میں ہے۔ یہ پورے قرآن مجید کا ترجمہ ہے اور متن سے معرّیٰ ہے۔ اس کا آغاز سورہ فاتحہ کے ترجمے سے ہوتا ہے اور اس کے بعد آلمّ سے شروع ہوکر سورہ ناس کے ترجمے پر اختتام ہوتا ہے۔ اس کے تعلق سے مولوی نصیرالدین ہاشمی نے فہرست کتب میں لکھا ہے کہ "ڈاکٹر گل کرائسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج میں جو دارالترجمہ قائم ہوا تھا اس کے بعض مترجمین نے مل کر اس ترجمہ قرآن کو مکمل کیا۔ جن میں مولوی بہادر علی حسینی اور امانت علی شامل ہیں ان کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی شامل تھے"۔

زیر بحث نسخے میں دیباچہ، خاتمۂ کتاب یا ترقیمہ وغیرہ جیسی کوئی تحریر نہیں ہے جس سے ہاشمی صاحب کے بیان کی تصدیق ہو سکتی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "حیدرآباد کے دوسرے کتب خانوں میں اس کے نسخے نہیں ہیں"۔ مؤلف ارباب نثر اردو کے حوالہ سے بتایا ہے کہ یہ نسخہ شائع ہو چکا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کی ہے کہ مؤلف ارباب نثر اردو کا بیان ہے کہ

---

[1] مخطوطہ تفسیر (۱۲) سائز (۹/۸) صفحہ (۲۸۶) سطر (۱۶) خط نستعلیق۔

پورے قرآن کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ مولوی عبدالحق نے بھی قدیم اردو[1] میں فورٹ ولیم کالج میں کئے گئے قرآن شریف کے ترجمے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ "بعض وجوہ سے یہ ترجمہ چھپ کر شائع نہیں ہونے پایا"۔

ہاشمی صاحب نے کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے کی کتابت کا سنہ اوائل ۱۲۰۰ ہجری بتایا ہے جو قرین قیاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ مولوی عبدالحق والے نسخے میں خاتمہ کتاب کی عبارت موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمے کا کام سنہ ۱۲۱۷ ہجری سے شروع کیا گیا اور سنہ ۱۲۱۹ ہجری میں اختتام کو پہونچا۔ یوں بھی مولوی صاحب نے اس کے آغاز کی تاریخ نسخے کے سرورق کی عبارت "صراط المستقیم الحق ہے بالکل" سے ۱۲۱۸ ہجری نکالی ہے۔ غالباً یہ تاریخ اس کے ایک عدد کے تخرجے کے بغیر نکالی گئی ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ کا نسخہ دیباچہ، خاتمۂ کتاب اور ترقیمہ وغیرہ سے معرّیٰ ہے۔ اس لئے مترجم، سنہ ترجمہ و کتابت وغیرہ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں البتہ مولوی عبدالحق نے جن سورتوں کا ترجمہ اپنے مضمون میں بطور نمونہ نقل کیا ہے ان کا مقابلہ زیر بحث نسخے کے ترجمے سے کیا گیا۔ ترجمہ ایک ہی ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصل سے نقل کیا ہوا نسخہ ہے۔ اس کتاب میں آلمّ سے سورہ انفال (پارہ ۱۰) کے نو رکوع تک ترجمے میں سورتوں کی ترتیب درست ہے۔ لیکن اس سورۃ کے آخری رکوع کی دوسری آیت کے ترجمے سے ترتیب اوراق میں فرق آگیا ہے۔ درمیان میں سولہ صفحے دوسری سورتوں کے آ گئے ہیں۔ اور یہ سورہ حجر کے آخری رکوع کی آخری آیتوں "وقل انی انا النذیر المبین"

---

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۸۔

سے سورہ نحل اور سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی ابتدائی آیتوں ۔
" قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف
الضر " تک ترجمے کے اوراق ہیں۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی مابقی
آیتوں اور مابقی سورتوں کے ترجمے کا سلسلہ چونسٹھ صفحوں کے بعد ملتا ہے۔
اور ان کی بے ترتیبی غالباً جلدسازی کے وقت ہوئی ہے۔ اس کتاب میں
مولوی عبدالحق والے نسخے کی طرح نہ تو آغاز کی عبارت ہے اور نہ خاتمۂ
کتاب کی۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ان کے نسخے کے سرورق پر یہ عبارت
لکھی ہوئی ہے۔ [1]

" ترجمہ قرآن شریف بزبان ہندی
اس کے شروع کی تاریخ موافق سنہ ہجری کے تمام اس مصرع سے
نکلتی ہے۔

صراط المستقیم الحق ہے بالکل (۱۲۱۸)
ترجمہ قرآن شریف کا ہند کے اہل اسلام کی خاطر
سلطنت میں ظل سبحانی شاہ شاہ عالم شاہ غازی
خلد اللہ ملکہ اور حکومت میں زبدۂ نوئینان
عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان
مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام ظلہ کے
حب الحکم صاحب والاقدر عالیشان مدرس تفریق
..... جان گلکرسٹ صاحب دام حشمتہ

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۸ ۔

کے کیا اور ابتدا سے انتہا تک جو جو احوال گزرا
ہے خاتمے میں لکھا۔ اس کے مطالعہ سے تمام
حقیقت معلوم ہوگی۔"

خاتمۂ کتاب کی عبارت بھی کاظم علی جوان کی لکھی ہے۔ اس سے اس
ترجمے کے آغاز و انجام اور اہتمام پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ عبارت کی نقل
ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ [1]

الحمد اللہ والمنۃ کہ ماہ مبارک رمضان کی نویں تاریخ سنہ ۱۲۱۹ بارہ سے انیس ہجری میں پنجشنبے کے روز ظہر کے اول وقت قرآن شریف کا
ترجمہ زبان ریختہ میں تمام ہوا۔ شروع اس کی حسب الحکم صاحب عالیشان
جان گل کرسٹ صاحب دام اقبالہ کے ذی الحجہ میں کہ سنہ بارہ سے سترہ
تھے ہوئی تھی۔ مولوی امانت اللہ صاحب اور میر بہادر علی صاحب میر منشی
اور احقر ترجمے اور محاورے کے لئے مقرر تھے اور چندے مولوی فضل اللہ
کو بھی ارشاد حضور ہوا کہ تم بھی شریک ہو کہ بدون دو مولویوں کے یہ امر
عظیم ترجمے کا بخوبی سرانجام نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ نام ان کا شروع میں مندرج
ہے۔ پانچ سپارے جب ترجمہ ہوئے ایسی کچھ نزاع لفظی ان دونوں
صاحبوں کے درمیان آئی کہ ان میں سے مولوی فضل اللہ صاحب رہے اور
دوسرے صاحب کے عوض حافظ غوث علی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ دونوں
بدستور ترجمہ کرتے تھے جب صاحب ممدوح ذیقعدہ کی دسویں تاریخ سنہ
۱۲۱۹ بارہ سے انیس (۲۲ فروری سنہ ۱۸۰۲ء) میں ولایت کو تشریف لے

[1] قدیم اردو صفحہ ۱۳۹ ۔

گئے اور اجازت دی کپتان موبٹ صاحب دام حشمتہ کو حضور پر نور سے مقرر ہوئی اسی طور سے موافق ان کے ارشاد کے کام ترجمے کا جاری رہا۔ چنانچہ اس عرصہ میں اکیس سپارے ہوئے تھے کہ صاحب عالیشان نے بندے کو فرمایا مولویوں میں سے ایک مولوی ترجمہ کرے اور تو بھی محاورے کی درستی میں رہ۔ قبول کرکے مولوی فضل اللہ صاحب ترجمہ کرتے رہے اور بندہ محاورہ کرتا رہا۔ اور اب حق سبحانہ و تعالیٰ کے تفضلات سے وہ کام سرانجام کو پہنچایا مگر نظر ثانی باقی ہے۔ جس طرح سے ارشاد ہوگا کرنے میں آوے گی۔ لیکن وے لوگ جو ہمیشہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرتے ہیں ان کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ مہربانی سے نگاہ کریں۔ قرآن شریف کہ کلام الٰہی ہے اور فصاحت و بلاغت ایسی کہ چشم و گوش فلک نے کبھی نہ دیکھی نہ سنی اور جس عصر میں کہ اس کا نزول ہوا ہے کیسے کیسے اہل فصاحت و بلاغت عربستان میں تھے۔ اس کی عبارت جو سراسر صنعتوں سے بھری ہوئی ہے اور تمام مسجع اور مقفا ہے، نگاہ کرکے حیران تھے۔ بشر کا کیا مقدور ہے کہ اس کے ایک حرف کی خوبی بیان کرے اور ایک زبان تو کیا اگر تمام رو کیں بدن کے زبان گویا ہوں دونوں جہان کی جتنی خلقت ہے تو بھی ذرے کے برابر مدح و ثنا نہ کر سکے۔ الحق کہ کہاں کلام خالق کا اور کہاں زبان مخلوق کی۔ پس جو جو صنائع و بدائع اس میں ہیں مِن وعَن اس کا ترجمہ کس سے ہو سکتا ہے مگر فارسی ترجمے اور تفسیروں سے جس لفظ کے جو معنے مترجموں اور مفسروں نے لکھے ہیں زبان ریختہ میں ان کے موافق لکھنے میں آیا ہے۔ تفسیر بیضاوی اور مدارک و جلالین تین عربی تفسیریں بحر مواج اور تفسیر حسینی کہ یہ دو فارسی ہیں ان سے ترجمہ کیا ہے۔ جہاں کہیں جو کچھ اختلاف دیکھے

ان پانچوں تفسیروں میں دیکھ لے۔ ایک نہ ایک میں موافقت پائی جائے گی اور کہیں کہیں جو الفاظ ماضی و حال و استقبال کے ہیں اور مفسروں نے ماضی کو حال اور حال کو استقبال کیا ہے۔ یہاں بھی اسی طریق کی پیروی ہوئی ہے مگر جہاں کہیں زمانے کی مطابقت سے ہندی عبارت کے مطالب میں اختلاف نظر آیا ناچار بطور محاورے کے رہنے دیا۔ اور اگرچہ لفظ کے ترجمے کی رعایت سراسر رکھی ہے پر کہیں کہیں اصل مطلب لیا ہے کیونکہ لفظ کی متابعت سے معنوں کا فوت ہونا قباحت عظیم ہے۔ اس بات کو ترجیح دی۔ بہر نوع مطلب نہیں چھوٹا۔ اس لئے محاورے کو چنداں دخل نہیں دیا کہ کتابی عبارت کا داب روزمرے کی بول چال سے اور ہے۔

جز و مقطعات کا ترجمہ جو بالاتفاق نہ پایا نہ کیا۔ اور مفعول مطلق ہندی میں شاذ و نادر ہے کہیں جو رہ سکا تو رکھا والا نہ یا چھوڑ دیا لفظ تاکید زیادہ کیا کہ اس سے تاکید غرض ہے۔ اور عربی میں التفات بہت سا ہے اور ہندی میں کم لیکن وہ قاعدہ رہنے دیا کہ بہت بکار ہے۔ واؤ عاطفہ اور حرف ف اور وہ الفاظ کہ معنے میں تحقیق کے آتے ہیں قرآن شریف میں بہت ہیں اور زبان عربی میں فصاحت رکھتے ہیں۔ ہندی میں گو کہ ان کی کثرت محاورہ کی رو سے اس قدر نہیں لیکن ترک کرنا ان کا جائز نہ دیکھا اس سبب سے جس جملے میں جس قدر آئے ترجمہ کیا۔ اور تمام کلام اللہ قلیل العبارت وکثیر المعنیٰ ہے۔ جتنے اہل اسلام کے فرقے ہیں سب کے دین و ایمان کی بناء اسی سے ہے۔ اجتہاد کرے ہر ایک اپنا۔ . . . . اصل اصول یہیں سے راست کرتا ہے اور شان نزول ہر ایک آیت کی ہے۔ اگر لکھنے میں آتی تو عبارت بہت طویل ہو جاتی۔ اگرچہ بعض جگہ چاہا تھا کہ کچھ بیان کیجئے۔

پہلے جن صاحب ممدوح کی فرمائش تھی انھوں نے ارشاد کیا کہ یہ ترجمہ کلام اللہ
کا اگرچہ ہندی زبان میں ہے ہند کے لوگ بخوبی سمجھیں گے تاہم جب تک معلومات
بوجہ احسن نہ ہوگی کیوں کر مطلب کو پہنچیں گے۔ ہر ایک جنی کو کب یہ استعداد
ہے کہ کتاب کی عبارت کا بیان گو کہ اس کی عبارت میں ہو کر سکے۔ یہ اہل فہم
و ذکا کے لئے ہے کہ اگر آپ کا حقہ نہ سمجھ سکے کسی صاحب استعداد سے
دریافت کرے یقین ہے کہ جو کتابیں کہ اس عصر میں عربی و فارسی سے ہندی
ہوئی ہیں اور ان کے مطلب جس طرح چاہیئے ہر ایک بیان نہیں کر سکتا یہ تو
کلام اللہ کا ترجمہ ہے اس کو ہر ایک اس طرح کیونکر سمجھے کہ محتاج کسی استاد
کے پوچھنے کا نہ ہوگا۔ جہاں کہیں کہ عالم و فاضل جس عبارت کو بخوبی سمجھتے
ہیں اور جنھوں کو کم استعداد ہے وہ اس کی دریافت میں عاجز ہیں، ان کی
آسانی کے لئے بطور حاشیہ ایک خط فرض کر کے مطلب کو بڑھا دیا ہے
تاکہ اس نشان سے معلوم ہو کہ یہ ترجمے سے جو زیادہ ہے ہندی زبان کے
ربط کے لئے بڑھا دیا ہے۔ پھر یہ اپنی طرف سے تصرف نہیں کیا۔ تفسیروں
کی رو سے ہے اور شروع ترجمے میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش
کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین سے برخلاف ہے کہ
قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا ہے۔ آخرش جو اہل فہم اور
فراست تھے انھوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی
میں کیا کفر ہے۔ غرض کہ فضل الٰہی سے وہ آغاز انجام کو پہونچا۔ حق تعالیٰ انھیں
اس کا بڑا اجر دے جنھوں نے اس کی ابتدا کی اور جنھوں نے انتہا کو پہنچایا۔
اہل اسلام پر ان کا بڑا احسان ہے کہ جب تک کوئی صرف نحو اور منطق و
معقولات اور بہت سے علوم حاصل نہ کرتا ہرگز کلام اللہ کی عبارت کے معنی

دریافت نہ کر سکتا۔ مگر ترجمے فارسی اور فارسی تفسیریں ہیں ان سے معنی سمجھتا
تو بھی وقت پر یاد نہ رہتے، یہ ان کا تفضلات ہے کہ برائے خود ایک ایسی
کتاب ترتیب دی کہ جس سورت میں جس آیت کا ترجمہ چاہے پڑھ لے۔
اور پہلے اس کی صلاح و مشورت بہت سی ہوئی کہ ہر ایک لفظ پر کلام اللہ لکھا
جائے اور اس کے مقابل دوسرے سطے پر ترجمہ ثبت ہو۔ لیکن صحت کے
لئے یہ امر موقوف رکھا کہ ہر گاہ کتابت میں باوجود ہزاروں مقابلوں کے
غلطی اعراب کی رہتی ہے۔ اس کا تو منظور چھاپا ہے کیونکر غلطی نہ رہے گی اور
جب کہ غلطی رہی ایک زیر و زبر و پیش میں یا ساکن کرنے میں معنے لفظ
کے اور ہو جائیں گے۔ ترجمے کی مطابقت میں خلل عظیم واقع ہوگا۔ ہاں جس کو
یہ غرض ہوگی کہ قرآن کے جملے اور آیت و متعلق ترجمے سے مقابلہ کرے
قرآن شریف بکثرت ہیں مقابلہ کرے گا۔ چنداں وقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سرکار دولت مدار کو قائم رکھے کہ ان کی بدولت
دین و دنیا کے امور بخوبی سرانجام پاتے ہیں۔ قیامت تلک نام نیک ان کا
صفحۂ روزگار رہے گا۔

کاظم علی جوان نے یہ خاتمہ موافق ارشاد صاحب ممدوح کے لکھا
ہے اور جو کچھ آغاز سے انجام تلک حقیقت گزری ہے وہ سب اس میں
مندرج کی ہے۔

یہ التماس ہے خدمت میں سب کے شام و سحر
امیدوارِ دعا ہے یہ بندۂ مضطر

خاتمۂ کتاب کہ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے کا کام
کسی ایک شخص کا نہیں ہے۔ ابتدائی پانچ پاروں کا ترجمہ امانت اللہ اور

مولوی فضل اللہ دونوں نے مل کر کیا ہے۔ چھ سے اکیس پاروں تک مولوی
فضل اللہ کے ساتھ ترجمے میں حافظ غوث علی صاحب بھی شریک تھے۔ اور
بائیس سے آخری پارہ تک صرف مولوی فضل اللہ نے ترجمہ کیا ہے۔ ویسے
تو کاظم علی جوان شروع سے آخر تک زبان کی اصلاح اور محاورے کی
درستی پر مامور تھے۔ لیکن شروع سے بائیس پاروں تک میر بہادر علی
بھی ان کے شریک کار تھے۔ باقی پاروں کی حد تک اصلاح زبان کا کام
صرف کاظم علی جوان کے سپرد تھا۔

مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون میں نمونۂ عبارت کے لئے سورۂ
فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی چند آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ یہاں سورہ
بقرہ کے اسی حد تک ترجمے کی نقل پیش کی جاتی ہے۔

"یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں۔
راہ دکھانے والی ان پرہیزگاروں کی ہے۔ جو
بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز کیا کرتے
ہیں اور جو کچھ کہ ہم نے روزی ان کو دی اس
میں سے خیرات کرتے ہیں اور جو کہ ایمان لائے
ہیں اس چیز پر جو تجھے بھیجی گئی اور اس پر جو تجھ
سے آگے نازل کی گئی اور قیامت پر وے ہی
یقین لاتے ہیں۔ وے اپنے پروردگار کے
فضل سے سیدھی راہ پر ہیں اور وے ہی
مطلب کو پہونچیں گے۔ تحقیق وہ لوگ جو کافر
ہوئے انھیں برابر خواہ تو ان کو ڈراوے

یا نہ ڈراوے ایمان نہ لاویں گے۔ خدا نے ان
کے دلوں اور کانوں پر مہر کی ہے اور پردے ان
کی آنکھوں پر ہیں۔ انھیں کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ترجمے کی نوعیت اور اس کی زبان کے تعلق سے کاظم علی جوان نے بہت کچھ
وضاحت کردی ہے اس پر مولوی صاحب نے اپنی رائے سے جو مہر تصدیق ثبت
کی ہے وہ بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

"جہاں تک اردو زبان کی ساخت اور ترکیب
کا تعلق ہے یہ ترجمہ پہلے کے تمام ترجموں کے
مقابلے میں زیادہ با محاورہ اور سلیس ہے۔ اگرچہ
الفاظ کی رعایت مد نظر رکھی ہے کیونکہ ایسے صحیفوں
کے ترجمے میں اس کے بغیر چارہ نہیں تاہم حتی الامکان
اردو کے روزمرہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور جملے
کی ترکیب عربی نہج پر نہیں بلکہ اردو کے ڈھنگ پر ہے۔
یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ بغیر کسی دقت کے صاف صاف
سمجھ میں آتا ہے۔" [1]

مولوی صاحب کی رائے بالکل درست ہے تاہم یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ "اردو
کا ڈھنگ" ترجمے میں ہر جگہ نہیں ہے۔ ترجمے میں آیتوں کی ترکیب اور ساخت
کی سختی سے پابندی بھی کی گئی ہے اور جہاں ایسی بات پیدا ہوگئی ہے وہاں قرآن
کا مفہوم بالکل تشنہ رہ گیا ہے اور ترجمہ کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ صراحت
کے لئے کچھ الفاظ بھی اضافہ نہیں کئے گئے۔ مثال کے لئے سورہ نبا کی ابتدائی

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۳۸)۔

چند آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

" (عم یتساءلون)[1] کس چیز کا سوال کرتی ہیں
(عن النبأ العظیم) خبر بزرگ سے (الذی
همہ فیه مختلفون) جس میں کردی اختلاف
کرتی ہیں (کلا سیعلمون) حقا جلد جانیں
(ثم کلا سیعلمون) پھر قسم ہے کہ جلد جانیں۔"

کسی چیز کا سوال کرنے کا مطلب عام طور پر "مانگنا" ہوتا ہے۔ "یتساءلون" میں ایک دوسرے سے یا آپس میں پوچھنے کا مفہوم ہے۔ "تفسیر جلالین" میں "یسأل بعض قریش بعضا" لکھا ہے۔ فورٹ ولیم کے مترجمین نے یتساءلون کا ترجمہ کرنے میں قرآن ہی کے لفظ سے فعل بنایا جبکہ "پوچھنے" کا لفظ بآسانی استعمال کر سکتے تھے۔ شاہ عبدالقادر نے "کس چیز کا احوال پوچھتے ہیں یہ کافر" ترجمہ کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے پاس اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ "یہ لوگ ایک دوسرے سے کس چیز کا حال دریافت کر رہے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے ترجمے میں "النبأ العظیم" کا ترجمہ "خبر بزرگ" کیا گیا ہے۔ اردو میں "بزرگ" عزت و احترام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ سے ترجمے پر فارسی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ ملا حسین واعظ الکاشفی کی "تفسیر حسینی" میں اس کا ترجمہ "از خبر بزرگ" ہے۔ کلا سیعلمون

---

[1] تفسیر مخطوطہ (م) کتب خانہ سالار جنگ۔ یہ ترجمہ متن سے معری ہے۔ تاہم سہولت کی خاطر یہاں آیتیں بھی لکھ دی گئی ہیں۔

اور ثم کلا سیعلمون کے ترجمے کے لئے "تفسیر حسینی کی فارسی عبارت کا ایک جزو "حقا کہ بدانند" لے لیا گیا اور پھر دوسری مرتبہ "حقا" کی جگہ اس کا ترجمہ "قسم" سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں اس کا مفہوم قسم کا نہیں ہے بلکہ ایک طرح دھمکی اور تاکید ہے۔

سورۃ بقرۃ کی آیت " هدیً للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ الخ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

" راہ دکھانے والی ان پرہیزگاروں کی ہے
جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز کیا کرتے
ہیں ......"

اس ترجمے (پرہیزگاروں کی) میں حرف اضافت "کی" بجائے "کو" علامت مفعول ہونا چاہیئے تھا۔ حرف اضافت "کی" سے ترجمہ کرنے کی وجہ مفہوم قرآن خبط ہو گیا ہے۔ اگر حرف اضافت ہی کے ساتھ ترجمہ کرنا مقصود تھا تو "پرہیزگاروں کی رہنما" موزوں ترجمہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف پرہیزگاروں اور خدا سے ڈرنے والوں کو راہ بتانے والا ہے وہ ایسے ہیں جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز ادا کرتے ہیں..... نسخۂ زیر نظر میں اس مطلب کے منافی ترجمہ ہے۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ قرآن ان پرہیزگاروں کی راہ بتانے والا ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے ہیں ...... "ومما رزقنا همہ ینفقون" کے ترجمے میں لفظ "خیرات" سے معنی محدود کر دیئے گئے ہیں۔ "خرچ کرتے ہیں" کے معنی میں وسعت ہے۔ لفظ کے معنی میں خیرات کے علاوہ ہر نیک کام میں خرچ کرنے کا بھی مفہوم ہونا چاہیئے۔ " وبالآخرۃ

ھم یوقنون" کے ترجمے "اور قیامت پر وے ہی یقین لاتے ہیں" میں حرف تخصیص ضمیر جمع غائب "وے" کے ساتھ لانے کی بجائے "قیامت" پر "بھی" داخل ہونا چاہیئے تھا۔ "اور قیامت پر بھی وے یقین لاتے ہیں"۔ "ولھم عذاب عظیم" کے ترجمے "انھیں کے لئے بڑا عذاب ہے" میں حصر کی وجہ عذاب کے مستوجب صرف وہی لوگ سمجھے جائیں گے جو "ان الذین کفروا" کے زمرے میں آتے ہیں اس لئے بغیر حصر کے ترجمہ درست ہوگا۔ "اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے"۔ بسملہ میں رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ "بڑا بخشنے والا نعمت دینے ہارا" کیا گیا ہے۔ اسں کو ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جن کے معنی "بے حد مہربان اور نہایت رحم والا" ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہونے کی وجہ سے بخش دے اور اپنے فضل سے نعمتیں عطا فرمائے۔ یہ ان کے مرادی معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سے ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوتی ہے کہ عوام ان کو رحمٰن اور رحیم کا ہی ترجمہ سمجھنے لگیں گے۔ دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ اس طرح کے ترجمے سے صیغہ مبالغہ کا اظہار بھی نہیں ہونے پاتا۔ رب العٰلمین کا ترجمہ بھی اسی طرح کا ہے۔ "وہ مالک سب کا بخشنے ہارا روزی دینے والا۔"

ترجمے میں اسم فاعل "بخشنے ہارا" اور "بخشنے والا" دونوں طرح آیا ہے۔ روزی دینے والا نعمت دینے ہارا وغیرہ۔ "قلن" جمع مونث غائب کا ترجمہ "بولنا" مصدر سے "بولیاں" کیا ہے۔ "انھوں نے اپنی ہاتھ کاٹی اور بولیاں حاشا اللہ یہ آدمی نہیں ہے[1]۔ حاشا للہ کی بجائے

[1] وقطعن ایدیھن وقلن حاشا للہ ما ھذا بشراً۔ سورہ یوسف ر۴

مترجم نے حاشا اللہ لکھا ہے اور یہ درست ہے۔ دلی کی عورتیں حاشا للہ کی بجائے "حاشا اللہ" ہی کہتی تھیں۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد قرآن مجید کے اپنے ترجمے میں حاشیے پر لکھتے ہیں "حاشا للہ عربی کے اعتبار سے تو سبحان اللہ کا ہم معنی ہے اور مواقع استعمال اردو میں جدا جدا ہیں۔ حاشا للہ میں ذرا زور دیا ہے اور دلی کی عورتیں اب ایسے موقع پر حاشا اللہ بولتی ہیں جس میں ایک شائبہ قسم کا بھی پایا جاتا ہے۔"

سورۃ النبا کی آیت "انھم کانوا لایرجون حساباً وکذبوا بآیٰتنا کذاباً" کے ترجمے میں "جھٹلایا" کی جگہ "جھٹھایا" استعمال کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے "تحقیق وہ ایسی ہیں کہ حساب سی نہیں ڈرتی اور ہماری آیتوں کو جھٹھایا"۔

سورۃ الضحیٰ میں "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" میں عائلاً کا ترجمہ عیال دار کر دیا۔ لکھا ہے۔ "اور تجھی عیال دار پایا پس تونگر کیا"۔ عائلاً کے معنی تفسیر جلالین میں "فقیراً" لکھے ہیں۔ قطع نظر اس کے تمام مترجمین اور مفسرین نے اس کے معنی مفلس اور نادار ہی لکھے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے اس ترجمے میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں اسں قسم کی لغزشیں پائی جاتی ہیں۔ پتہ نہیں کہ ان لغزشوں کی ذمہ داری کس حد تک مترجمون پر ہے اور کس حد تک زیادہ محاورہ کی اصلاح کرنے والوں پر۔ ذیل میں فورٹ ولیم کالج کے ترجمے کے چند الفاظ کو شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے ترجموں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ مع فو ترجمہ مقدم ترجموں سے بہتر ہو سکا یا نہیں۔

ترجمہ فورٹ ولیم کالج

هدی للمتقین	راہ دکھانے والی ان پرہیزگاروں کی۔
ویقیمون الصلوٰۃ	اور نماز کیا کرتے ہیں۔
ینفقون	خیرات کرتے ہیں۔
اولئک هم المفلحون	وے ہی مطلب کو پہنچیں گے

ترجمہ شاہ رفیع الدین

هدی للمتقین	راہ دکھلاتی ہے واسطے پرہیزگاروں کے۔
ویقیمون الصلوٰۃ	اور قائم رکھتے ہیں نماز کو
ینفقون	خرچ کرتے ہیں۔
اولئک هم المفلحون	یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے

ترجمہ شاہ عبدالقادر

هدی للمتقین	راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو
ویقیمون الصلوٰۃ	اور درست کرتے ہیں نماز
ینفقون	خرچ کرتے ہیں
اولئک هم المفلحون	وہی مراد کو پہونچے

فورٹ ولیم کالج والا ترجمہ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے سے چودہ پندرہ سال بعد کا ہے پھر بھی ان دونوں بھائیوں کا ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے ترجمے کے مقابلے میں قرآن کے مطلب

سے زیادہ قریب ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمے کی زبان کو ریختہ نہیں بلکہ "ہندی متعارف" لکھا ہے اور فورٹ ولیم کالج کے ترجمۂ قرآن کی زبان کو کاظم علی جوان نے ریختہ اور ہندی دونوں بتایا ہے۔

۴- تفسیر قرآن

از حکیم محمد شریف خان دہلوی

مولوی عبدالحق نے قدیم اردو میں حکیم محمد شریف خان کی تفسیر قرآن کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[1] حکیم صاحب عہد شاہ عالم ثانی میں دلی کے نامور طبیب تھے۔ ان کے والد حکیم محمد اکمل خان بھی اپنے زمانے کے نامی گرامی طبیب تھے۔

فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں:-

"حکیم محمد شریف خاں علم و فضل اور شہرت و ناموری میں باپ سے سبقت لے گئے۔ شاہ عالم کے عہد میں شاہی طبیب رہے اشرف الحکماء کا خطاب ملا۔"[2]

ان کی تصنیفات میں عجالۂ نافعہ، تالیف شریفی، علاج الامراض، دستور الہند، حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب وغیرہ ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا ہے جو کاشف المشکوٰۃ سے موسوم ہے۔[2]

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۶۔

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۳۔

مولوی عبدالحق نے زیر بحث تفسیر کے تعلق سے لکھا ہے کہ "یہ ترجمہ (قلمی) ہے۔ اس وقت حکیم محمد احمد خاں صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی۔"[1]

فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حکیم محمد احمد خان (متوفی ۱۹۳۰ء) کے پاس کا یہ مخطوطہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔[2] قیاس ہے کہ یہ پورے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ ترقیمے میں مفسر اور کاتب دونوں کا نام ملتا ہے۔ اختتام تفسیر کا دن اور تاریخ بھی اس میں درج ہے لیکن سنہ ندارد۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد شریف خاں صاحب نے محمد شاہ عالم ثانی بادشاہ کی ایماء پر اس کام کو انجام دیا ہے۔ ترقیمے کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

"للہ الحمد والمنۃ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ارفع اشرف اعلیٰ بادشاہ جمجاہ دین پناہ السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان اسد المعارک والمغازی جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ ذرہ خاک رہ بے مقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خان مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نمودہ بود بمساعدت توفیق الٰہی و معاضدت اقبال شہنشاہی در نیکو ترین ازمنہ و بہترین ازمنہ

---

[2] تذکرہ علمائے ہند ۲۲۴۔

زیبا و زینت اختتام پذیر رفت۔ الحمد اللہ
الذی بتوفیقہ تحت ہذا التفسیر یوم الجمعہ فی التاسع
من ذی العقدہ بید الحقیر محمد بدر الدین متوطن اللہ
بن فیض اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "[1]

گو سنہ اختتام تفسیر ترجمے میں نہیں ہے تاہم اس کے تعین میں حکیم صاحب کے سنہ وفات سے کسی حد تک مدد لی جا سکتی ہے۔ لیکن سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ مولوی عبد الحق نے حکیم صاحب کا سنہ وفات جو انھیں حکیم محمد احمد خاں صاحب کی زبانی معلوم ہوا ۱۲۱۶ ہجری مطابق ۱۸۰۱ عیسوی لکھا ہے۔[1] مولف تذکرہ علمائے ہند نے ان کی وفات کا سنہ ۱۲۳۱ ہجری مطابق ۱۸۱۵ عیسوی بتایا ہے۔ اور سنہ میں کسی شاعر کا یہ قطعہ تاریخ وفات پیش کیا ہے۔

" قطعہ تاریخ انتقال حکیم شریف خان دہلوی "

دریغا ازیں دار فانی گزشت
حکیم و طبیب و لطیف و ظریف
خرد گفت سال وفاتش بمن
صد افسوس مرزا محمد شریف

۱۲۳۱ھ

فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں :۔
" مولف تذکرہ علمائے ہند نے تاریخ وفات ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء لکھی ہے۔

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۶۔

بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء تحریر کی ہے۔ اور دخل الجنۃ بلا حساب مادہ تاریخ لکھا ہے۔ حکیم شریف کے مزار پر جو لوح کندہ ہے اس پر بغیر " ۃ " کے دخل الجنۃ بلا حساب تحریر ہے۔

کتبۂ مزار یہ ہے

ہو الحکیم
ہذا مرقد اشرف الحکما محمد شریف خان الدہلوی
دخل الجنۃ بلا حساب سنہ ۱۲۲۲ھ "[1]

" دخل الجنۃ " بغیر " ۃ " کے نہیں بلکہ بغیر نقطوں کے ہوگی اور یہ کتابت کی غلطی ہے۔ " دخل الجنۃ " میں " ۃ " بلا حساب نہیں تاریخ " دخل الجنۃ بلا حساب " میں ہے۔ " ۃ " کے عدد (۴۰۰) جوڑے جانے کے بعد ہی ۱۲۲۲ ہوتے ہیں۔

حکیم صاحب کے ترجمے کی زبان کے بارے میں مولوی عبد الحق نے لکھا ہے :۔

" اس کی زبان شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے "[2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۲ پر " دخل الجنۃ بلا حساب " کے بعد سنہ " ۱۲۱۶ " ہجری لکھا ہے۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔ سنہ ۱۲۲۲ ہجری ہونا چاہیے۔ [2] قدیم اردو ص ۱۳۶۔

نمونہ عبارت کے لیئے سورہ فاتحہ مع استعاذہ و بسملہ کا ترجمہ و تفسیر ذیل میں نقل ہے۔

"(اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پناہ پکڑتا ہوں
میں اور التجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی
شیطان وسواس ڈالنے والے کی سے کہ دور
رحمت سے ہے اور نکالا گیا بہشت سے۔
(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) شروع کرتا ہوں میں
قرآن کو ساتھ نام اللہ لائق بندگی کے بہت بخشنے
والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیا میں
مہربان ہے اوپر ان کے آخرت میں۔"

ترجمہ سورہ فاتحہ :-

"جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے لائق
ہے واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں
کو، بخشنے والا وجود کا آخرت میں، مہربان داخل
کرنے بہشت کے سے۔ مالک دن قیامت کے کا،
تصرف کرنے والا اوس دن جو چاہے گا کرے گا۔
خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے
مدد مانگتے ہیں اوپر بندگی تیری کے۔ دکھا تو ہم کو
راہ سیدھا بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق
کے، راہ اون آدمیوں کی . . . . [1]

---

[1] مولوی عبد الحق نے لکھا ہے کہ اس مقام سے چند لفظ مٹ گئے ہیں۔ قدیم اردو ص ۱۳۷۔

اور نہ راہ گمراہوں کی۔"

"ہندی متعارف" میں لکھنے کی کوشش کی وجہ سے شاہ عبد القادر کی زبان جہاں سہل ہوئی ہے وہیں اس زبان میں دقیق مطالب و معانی کے اظہار میں الجھاؤ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ خود شاہ صاحب کی دوسری کتاب موضح قرآن میں الجھاؤ نہیں ہے اس لیئے کہ اس میں انھوں نے ہندی متعارف کے اہتمام کی بجائے علمی زبان ریختہ کا استعمال کیا ہے۔ زیر نظر تفسیر بھی چونکہ ریختہ میں ہے اسی لیئے اس کی زبان شاہ صاحب کے ترجمہ کی زبان کے مقابلہ میں زیادہ صاف اور سریع الفہم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے حکیم صاحب کی زیر بحث تصنیف کو ترجمہ قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں لیکن درحقیقت
ترجمہ ہے البتہ کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمے
کی صراحت کے لیئے بڑھا دیا گیا ہے جیسا کہ نمونہ
سے معلوم ہوگا" [1]

مولوی صاحب کے نقل کیئے گئے نمونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختصر سہی لیکن یہ تفسیر ہی ہے اور بعض ہی مقامات تفسیر سے رہ گئے ہیں۔ ایسی صورت میں شاہ عبد القادر کے ترجمے سے اس کا مقابلہ مناسب نہ ہوگا۔ ویسے اگر اس کو ترجمہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس میں شاہ صاحب کا ایجاز بیاں کہاں۔ البتہ موضح قرآن کی زبان سے تقابل ایک حد تک درست ہے۔ یہ صحیح ہے کہ

---

[1] قدیم اردو ص ۱۳۶۔

حکیم صاحب کی تفسیر کی زبان صاف ہے۔ اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے لیکن جہاں کی گئی ہے وہاں مطلب پیچیدہ ہو کر رہ گیا ہے مثلاً اعوذ باللہ کے ترجمے میں "پناہ پکڑتا ہوں اور التجا کرتا اللہ کے ساتھ" کے لیے۔ اس لئے "اعوذ باللہ" کے "ب" کا ترجمہ "ساتھ" کرنے پر انھوں نے اپنے آپ کو مجبور پایا اگر یہ روزمرہ ہوتا تو شاہ عبد القادر بھی اسی طرح ترجمہ کرتے۔ دونوں کا ترجمہ بالمقابل درج کیا جاتا ہے۔

شاہ عبد القادر دہلوی	حکیم محمد شریف خاں دہلوی
پناہ پکڑتا ہوں اور التجا کرتا ہوں میں بیچ جناب خدا کی پناہ دینے والا اور پیدا کرنے والا ہی سب۔ برائی وسوسے ریو فریب دینے والا سرکش سے یا دور رہنے والی رحمت خدا کی سی نکالا گیا ہی اور راندہ گیا ہے' یا تیروں کیسے یاد در کیا گیا ہے طبقاتوں آسمان کیسے۔	پناہ پکڑتا ہوں میں اور التجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی شیطان وسواس دلانے والے کی سے کہ دور رحمت سے ہے اور نکالا گیا بہشت سے۔

بات یہ ہوئی ہو گی کہ حکیم صاحب نے بسم اللہ کے ترجمے سے "ب" کے معنی "ساتھ" سے لئے اسی طرح "اعوذ باللہ" کے "ب" کا ترجمہ "ساتھ" کرنے پر انھوں نے اپنے کو مجبور پایا ہو گا۔

"بسم اللہ" کے ترجمے میں لفظ "قرآن" اضافہ کرکے معنی محدود کر دیے۔ "شروع کرتا ہوں میں قرآن کو ساتھ نام اللہ لائق بندگی کے ... " شاہ عبد القادر کی طرح حکیم صاحب نے بھی "الرحمٰن" اور

"الرحیم" کے ترجمے سے گریز کرکے شاہ صاحب کی تفسیر کے انداز پر ہی تفسیر کی ہے۔

حکیم صاحب :۔

الرحمٰن الرحیم :۔ "بہت بخشنے والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیاں میں مہربان ہے اوپر اونکے آخرت میں۔"

شاہ صاحب :۔

الرحمٰن الرحیم :۔ "خوب بخشاہی اوپر خلق کے وجود حیات کا بخشش کرنے والا ہی اوپر خلق کی کر ایمان لائی ہیں ساتھ اوس کے اور بچانی والا ہی آفت سی دن آخرت کی"۔

مالک یوم الدین کا ترجمہ شاہ صاحب کے پاس "مالک دن قیامت کا" ہے۔ حکیم صاحب کے پاس وہی الفاظ ہیں لیکن دو حرف اضافت جملے کے آخر میں لکھتے آنے سے تنافر پیدا ہو گیا۔ "مالک دن قیامت کے کا"۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت حرف اضافت جملے کے آخر میں لانے کا عام رجحان تھا اور اس سے متصل کوئی حرف ربط بھی آتا تھا مگر اکٹھے دو حروف اضافت کا استعمال شاذ تھا۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے ترجمے میں شاہ صاحب ہی کے الفاظ اور ترکیب قائم رکھی گئی ہے البتہ لفظ "خاص" خاص طور پر اضافہ کیا گیا ہے۔ "خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اوپر بندگی تیرے" شاہ صاحب

کے "ترجمۂ قرآن" کے تذکرے میں "کسی کو بندگی کرنا" اور "کسی کو بندگی کرنا" میں فرق ظاہر کیا جا چکا ہے۔ "تجھ کو بندگی کرنا" کو اس وقت کے روزمرہ کی حیثیت سے قبول بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ موضح قرآن سے ایسی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں جہاں شاہ صاحب نے "خدائے تعالیٰ کی بندگی کرنا" تحریر کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے ترجمۂ قرآن مجید اور موضح قرآن کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد انھیں بھی تفسیر لکھنے کا خیال ہوا۔ "تفسیر قرآن" تیرھویں صدی ہجری کے ربع اول کی اچھی تحریر کا نمونہ ہے اور ہنوز یہ تفسیر زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔

* * *

۲۸۶
۲۹۲

۵۔ تفسیر سورۂ فاتحہ

از حضرت سید احمد شہیدؒ

تفسیر سورۂ فاتحہ دراصل ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ ترقیمے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ جمادی الاخری سنہ ۱۲۳۳ ہجری میں چھپ چکا تھا۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر مخطوطہ اس کی نقل ہوگا۔ مخطوطے سے سنہ تفسیر کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ خاتمے کی عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حضرت سید احمد صاحب نے عوام کے فائدے کی خاطر اپنے ایک مرید مولانا عبد الحی سے یہ رسالہ لکھوایا ہے۔ سید صاحب کہتے گئے اور مولانا عبد الحی قلمبند کرتے گئے۔ اس کے دو مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک کتب خانۂ ادارہ ادبیات اردو میں ہے[1] اور دوسرا کتب خانہ آصفیہ میں[2]۔ اگرچہ کاتبوں کے نام نہیں ہیں لیکن دونوں کاتب الگ الگ معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں کی کتابت میں یائے معروف و مجہول کے فرق کے

---

[1] تفسیر مخطوطہ ۱۲۳۱ صفحہ ۲۰۔ سطر ۱۱۔ سائز (۲/۱، ۲/۷) خفی خط نستعلیق میں قریب قریب لکھا ہے۔ [2] تفسیر مخطوطہ ۱۲۲۸ صفحہ ۵۰۔ سطر ۱۱۔ سائز (۲/۹)

علاوہ ایک دو جگہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی پائی جاتی ہے۔ اور کہیں کہیں ایک آدھ لفظ کتابت سے بھی رہ گیا ہے۔

ڈاکٹر زور نے مفسر کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "حضرت سید احمد صاحب نے تفسیر الحمد للہ کے طور پر اپنی زبان فیض ترجمان سے کہہ کر مولانا عبد الحی سے لکھوایا "[1]۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے تو یہ صاف لکھ دیا ہے کہ " ان کے متعلق کوئی معلومات ہم دست نہیں ہوئے۔ یہ سر سید احمد خاں نہیں بلکہ کوئی اور سید احمد ہیں جو صوفی تھے۔ "[2]

صاحب تفسیر سورہ فاتحہ حضرت سید احمد شہید کا تعلق تکیہ بریلی کے خاندان سادات سے تھا۔ حضرت سنہ ۱۲۰۱ ہجری مطابق ۱۷۸۶ و ۸۷ء میں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ یہ شاہ عبد العزیز دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سنہ ۱۲۳۷ ہجری میں فریضۂ حج ادا کیا اور سنہ ۱۲۳۸ ہجری مطابق سنہ ۱۸۲۲ء میں وطن لوٹے۔ ۷، جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۱ ہجری مطابق ۱۸۲۶ عیسوی میں جہاد فی سبیل اللہ کے ارادے سے ہجرت کی اور ۲۴، ذوقعدہ سنہ ۱۲۴۶، مطابق ۱۸۳۱ عیسوی پنجاب میں متصل بالاکوٹ شہید ہوئے۔ مولوی سید احمد شہید کے حالات پر کئی کتابیں ہیں مثلاً "سوانح احمدی" از مولوی محمد جعفر تھانیسری "سیرت سید احمد شہید" از ابو الحسن علی ندوی "سید احمد شہید" از غلام رسول مہر "دہلی اور اس کے اطراف" از مولانا حکیم عبد الحی "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" از مسعود عالم ندوی وغیرہ۔

---

[1] تذکرہ مخطوطات جلد سوم ادارہ ادبیات اردو۔

[2] فہرست مخطوطات جلد دوم کتب خانہ آصفیہ۔

ترقیمے کی عبارت ذیل میں درج ہے :۔

" الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین امام العارفین سید الطین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچانے تم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو ان کو بقا ہے اور زائد کرے فیض اور ارشاد ان کا آپ اپنے زبان فیض و ہدایت ترجمان سے[1] فرما کے جامع علوم ظاہرے و باطنے جناب مولانا عبد الحی صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی اور حقیقت صلوٰۃ کے خوبیاں نماز پنجگانہ ہے اور کئے فائدوں کے ساتھ جسے ایک فاضل کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کے زبان اقدس سے سن کے ہندی زبان میں لکھا ہے اہتمام سے حامی پیر خان اور وارث علی کے جناب مولوی سید محمد علی صاحب کی تصحیح سے مولوی بدر علی صاحب کے چھاپے خانے میں خاص و عام کے فائدوں کی لئے چھاپا ہوئی۔ اگر عالی ہمت

---

[1] کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطے میں اس طرح لکھا ہے " آپ اپنی زبان فیض ہدایت سے ترجمان فرما کر ....." [2] "جو بیان" کتب خانہ آصفیہ۔

کے مقام پر عبارت محاورے کے مخالف پا دین
تو زبان ملنے کے دراز فکری کیونکہ مقصود چھاپ
نے سے محض خیر خواہی جماعت مسلمین کے اور
بہتری خواص و عوام مومنین کے ہی نہ آرائش
الفاظ کی لہٰذا جو قلمی مولوی صاحب ممدوح
کا تھا اگرچہ بعض مقام پر خلاف محاورہ
ہووی بعین جمادی الاخرہ کی بائیسویں تاریخ
سنہ ۱۲۴۷ ہجرے میں علی ہاجرہا الصلوٰۃ
والسلام طبع ہوا۔[۸]

ترقیمے کی مندرجہ بالا عبارت میں صاحب تفسیر حضرت سید احمد صاحب کے علاوہ مولوی عبد الحی صاحب کا بھی نام ہے۔ ان حضرت نے رسالے کو قلم بند کرنے کی خدمت انجام دی ہے۔ مولوی عبد الحی دہلوی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے داماد تھے اور حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ ۸ شعبان سنہ ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۸۲۸ عیسوی میں وفات پائی۔ "سیرت سید احمد شہید" "سوانح احمدی" وغیرہ میں تفصیلی حالات ملتے ہیں۔ فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند نے بالاختصار لکھا ہے :-

"مولوی عبد الحی بن شیخ ہبۃ اللہ بڈھانہ ضلع
مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ شاہ عبدالعزیز
کے داماد تھے۔ علم و فضیلت میں ان کا شمار
ہند پاکستان کے نامور علماء میں تھا۔ تفسیر میں

مولانا کا درجہ بہت بلند تھا۔ شاہ عبدالعزیز
مولانا عبد الحی کو شیخ الاسلام لکھتے تھے۔ مولانا
عبد الحی سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت ہوئے
اور سید احمد صاحب کے رنگ میں رنگ گئے۔
اپنا سارا علم و فضل سید احمد شہید پر تصدق کر دیا۔
یہ ان کی پاک نفسی اور پاک طینتی اور للہیت و
خلوص کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ امر بالمعروف
و نہی عن المنکر میں نہایت چست و مستعد رہتے
تھے۔ ان کا علم، قلم، زبان اور خدا کی دی ہوئی
ہر قوت و قابلیت اسلام کی خدمت اور حق کی
اشاعت کے لئے وقف تھی یہاں تک کہ انھوں
نے سید احمد شہید کے قدموں میں جان دے دی۔
حجاز میں اہل عرب کے لئے انھوں نے صراط مستقیم
کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔"[۱]

مولوی عبد الحی حضرت سید احمد کے خاص مریدوں میں سے تھے اسی لئے سید صاحب نے اپنے فرمودات کو قلم بند کروانے کی خدمت مولوی عبدالحی سے لی۔ اور مولوی سید محمد علی صاحب کی تصحیح اور پیر خان اور وارث علی کے اہتمام سے مولوی بدر علی کے چھاپے خانے میں یہ کتاب سنہ ۱۲۴۷ ہجری میں چھپی۔ ڈاکٹر زور کا قیاس ہے کہ یہ کتاب غالباً مدراس میں چھپی تھی

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۷۔

اور یہ مخطوطہ اسی سے نقل کیا گیا ہے۔ [۱]

سنہ ترجمہ کے تعلق سے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ سنہ طباعت ہی سنہ اختتام رسالہ ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اختتام کے کچھ عرصہ بعد طباعت ہوئی ہو۔

رسالے میں حمد و نعت شریف کے بعد مریدوں اور عام مسلمانوں کو نماز پنجگانہ کی تلقین کی گئی ہے۔ ترکیب نماز کے ساتھ نماز کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی موقع موقع سے کئی فائدے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

مثلاً :۔ "فائدہ :۔ اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا تکبیر میں
دست بردار ہونا دونوں جہاں سے"۔

"فائدہ :۔ نیت اور تکبیر فرض ہے بعد اس کے دعاء
استفتاح ہی اور اس میں تعلیم اور
توحید ہی"۔

"فائدہ :۔ رکوع دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ
حضور میں بسبب عظمت کے پشت میری
جھک گئی"۔ وغیرہ۔

چونکہ نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی ایک سورہ کا ضم کیا جانا ضروری ہے اس لئے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ترجمہ لکھا گیا ہے اور رسالے کے آخر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی گئی ہے۔ شاید اسی لئے یہ رسالہ "تفسیر سورہ فاتحہ" سے موسوم ہے۔

---

[۱] تذکرہ مخطوطات جلد سوم ادارہ ادبیات اردو۔

رسالے میں جہاں نماز میں ثناء "سبحانک اللّٰھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لاالٰہ غیرک" کے پڑھنے کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے بعد استعاذہ کرنے یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے معنی بھی لکھے ہیں۔

"پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے شیطان کے پھٹکارے سے اس کا راندے گئے سے"۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اس کا ترجمہ لکھا ہے :

شروع اللہ کے نام جو مہربان ہی رحم والا"۔ اس کے بعد ایک فائدہ کے ساتھ سورہ فاتحہ کے ترجمے کا اس طرح آغاز کیا ہے۔

"فائدہ۔ یہ شروع ہوا عرضداشت کا اور عرضداشت یہ ہی الحمد للہ رب العالمین"۔

ترجمہ : سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب ساری جہاں کا ہے۔

سورہ فاتحہ کا سارا ترجمہ دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سید صاحب نے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مجید ضرور دیکھا ہے۔ بلکہ شاہ صاحب ہی کا ترجمہ ایک دو جگہ ذرا سی تبدیلی کے بعد اپنے رسالے میں لکھوا دیا ہے۔ ذیل میں دونوں ترجمے بالمقابل درج کئے جاتے ہیں :۔

	ترجمہ سورہ فاتحہ مندرجہ رسالہ تفسیر سورہ فاتحہ	ترجمہ سورہ فاتحہ از شاہ عبدالقادر (مطبوعہ نسخہ)
الحمد للہ رب العالمین	سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب ساری جہاں کا	سب تعریف اللہ کو ہے جو ٹھاکر سارے جہان کا۔

الرحمن الرحیم	بہت مہربان نہایت رحم والا	بہت مہربان نہ نہایت رحم والا
مالک یوم الدین	مالک انصاف کے دن کا	مالک انصاف کے دن کا
ایاک نعبد و ایاک نستعین	تجھی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔	تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں۔
اھدنا الصراط المستقیم	چلا ہم کو راہ سیدھے	چلا ہم کو راہ سیدھی
صراط الذین انعمت علیھم	راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا	راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل کیا۔
غیر المغضوب علیھم	نہ جن پر غصہ ہوا ہے	نہ وہ جن پر غصہ ہوا۔
ولا الضالین	اور نہ بہکنے والوں کی	اور نہ بہکنے والے

سورہ فاتحہ کے شاہ عبد القادر والے ترجمے میں سید صاحب نے ایک جگہ فعل کی تبدیلی کی ہے اور یہ تبدیلی صحیح بھی ہے۔

"تجھی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ بسملے کے "الرحمٰن الرحیم" کے ترجمے میں صیغۂ مبالغہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح کا (یعنی صیغۂ مبالغہ کے معنی کو ملحوظ رکھے بغیر) ترجمہ شاہ عبد القادر کے ترجمۂ قرآن کے ایک نسخے میں بھی موجود ہے[1]۔ شروع اللہ کی نام سے جو بڑا مہربان

---

[1] تفسیر مخطوط (۲۰۷) کتب خانہ آصفیہ۔

بڑا رحم والا"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت استعاذہ کا مفہوم "اللہ کی پناہ مانگنا" کے ساتھ "اللہ کے ساتھ پناہ مانگنا" محاورہ بھی مروج تھا۔

حضرت سید احمد صاحب نے شاہ عبد القادر کے دیباچے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ تقابلی مطالعے کے لئے دونوں کے دیباچوں کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

دیباچہ از شاہ عبد القادرؒ	دیباچہ از حضرت سید احمد شہید
الہٰی شکر تیری احسان کا ادا کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان کو گویا کی اپنے نام کر اور دل کو روشنی دی اپنی کلام کر اور امت میں کیا اپنی رسول مقبول کی جو اشرف انبیاء اور نبی الرحمت جس کی شفاعت سے امیدوار ہیں کہ پاویں دو جہان کی نعمت الہٰی اور اس نبی امت پر درود کو اپنی رحمت کامل کی بحد و جات اعلیٰ نصیب کر جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت اوس پر ہمیشہ افزوں رکھ دنیا و آخرت میں۔ اور اوس کی آل اطہار پر اور اصحاب کبار پر اور اوس کی امت کی علماء مقتدا پر	الہٰی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہاں کی نعمت پاویں اور اوس کی رہنمائی سے عرفان کی لذت اٹھاویں۔ پس درود اس نبی مختار اور اس کے آل اطہار اور اصحاب کبار پر بھیجو کہ جس نے بشر کو ضلالت اور گمراہی سے باز رکھا اور علماء فضلاء کو زور علم و دانش سے آراستہ کیا۔ پیچھے حمد خدا اور نعت رسول کے ارباب دانش پر ظاہر ہو کہ

اور اوس کی باصفا پر اور عزیاد صفا
پرست پر آمین یا رب العالمین۔
بعد ازیں سنا چاہیں کہ مسلمانوں کو
لازم ہی کہ اپنی رب کو پہچانی اور
اوس کی صفات جانی اور اوس کی
حکم معلوم کری اور مرضی اور نامرضی
تحقیق کری۔
کہ بغیر اوس کی بندگی نہیں اور
جو بندگی نہ لاوی وہ بندہ نہیں۔۔۔"

مسلمان کو لازم ہی کہ اپنے کو رب
پہچانے اور اس کی صفات جانے اور
اس کے حکم معلوم کرے اور مرضی نامرضی
اس کی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی
نہیں اور جو بندگی بجا نہ لاوے بندہ
نہیں . . . . . "

چونکہ یہ رسالہ تلقین و ترکیب نماز سے متعلق ہے اس لئے آخر رسالے
میں حضرت سید احمد صاحب نے اپنے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے طور
پر بڑے ہی دل نشین انداز میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کی ہے۔ سورہ فاتحہ کی
خصوصیات کے بیان کی چند آخری سطروں کا تفسیر سے اس خوبی سے ربط رکھا
گیا ہے کہ گویا وہ تفسیر کا جزو یا شان نزول معلوم ہوتی ہیں:

" . . . حاصل اتنا ہی کہ سوال مانگنا ایسا ہو کہ
ضرور قبول ہو جاوے۔ خوبیوں کے بیان کرنے
سے اور مالک کے اقرار سے کہ ہاں ایسا ہی
ہوں جتنا تو کہتا ہے کیا بڑا کرم کیا ہے کہ اوس
نے آپ ہی بندوں کو سکھلایا کہ کہیں الحمد للہ
سب حمد اللہ ہی کو ہی۔ حمد کہتے ہیں نیکی اور
تعریف خوب کرنے کو، مسلمان آدمی جب اوس

کو کہیں تب چاہیئے کہ اوس کو تحقیق اسی طور
پر سمجھیں اور اللہ کے سامنے اپنے اس معتقدات
کو کہ جسے منہ سے مجمل کہا ہی مفصل سمجھیں اور
دل میں یقین لا کر اللہ کے حضور اس مفصل کو
اپنے اعتقاد موجب اثبات پہنچا دیں۔ اور
اثبات کرنے کی طرح دل میں یہ ہی کہ جس کی
تعریف کو خیال کرے سمجھے کہ اللہ ہی کی
فی الحقیقت یہ تعریف ہی مثال اس کی جیسا
کسی خوبصورت کو جو بڑے درجے کا خوبصورت
ہو دیکھے اور اس کے حسن کی تعریف کرے
تو غور کرے کہ اس کی تعریف جو میں کرتا ہوں
اس کا حسن اس کے قابو کا نہیں اور اس نے
اپنا حسن آپ نہیں کیا۔ یہ اللہ نے اپنے کرم
سے بنایا وہ اس کا خالق ہی۔ فی الواقع حسن
کا مالک وہی ہے اور تعریف اسی کی چاہیئے۔
اوس آدمی کی تعریف کرنی ایک طرح کی غفلت
ہے ' ہر چند درست نہیں ہے اور اسی طور پر
حسن کی تعریف کسی چیز پہ ہووے ' سخاوت پر
یا شجاعت پر سب میں یہی بات سمجھے کہ اللہ ہی
کی یہ چیز ہے ' تو اللہ کی تعریفوں کا کیا ٹھکانا کرے
کہ کیا بے شمار ہیں اور جس بندے میں کوئی

وصف ہی سو وہ اس کی ایک ادنیٰ بخشش
ہی کہ اُنے اپنے بندے کو ایک تعریف
کی خبر دی ہی رب العلمین پرورش کرنے
والا سارے جہانوں کا۔ سو خدا تعالیٰ
ے جو چیز کے عالم میں ہی سب کی پرورش
وہی کرتا ہی۔ پرورش کچھ کھانے پینے
ہی پر موقوف نہیں۔ کھانا پینا بھی ایک
پرورش ہی۔ فرشتوں کی پرورش یہ
ہے کہ اللہ ان پر ایسی عنایت فرماتا ہے کہ
جس سے ان کا کمال بڑھ جاوے اور
خوشی زیادہ حاصل ہو، سو پرورش سے
وہ بھی خالی نہیں، جیسے کوئی آدمی کو ایسا
خوش کرے یا اوس پر مہربانی فرمائے
کہ وہ آدمی اوس کے سبب تازہ فربہ ہو جاوے
یہ کھانا دینے سے بہتر ہی اور بڑی پرورش
ہی اللہ کی عنایت اسی طور پر ہوتی ہی فرشتوں
کی پرورش یوں ہی کرتا ہی۔ رب العالمین
کا وصف بڑا وصف ہی۔ کیونکہ وہ پرورش
کرتا ہے تمام جہانوں کی کہ جن کا کچھ پایاں
نہیں، دوست دشمن بھلے برے کو، بہوتوں کو
بیٹے دل کے پاتا ہی جو ایسا رب ہو تو وہ

البتہ سوال قبول کرتا ہی۔ فائدہ۔ جب مسلمان
اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اوس کی تعریف
ایسی کرے کہ اوسے دل سے سمجھے اور ٹھیک
جانے کہ اسی طور پر ہی اس میں کچھ تفاوت
نہیں فی الحقیقت وہ ایسا ہی ہی تو اللہ اوس
پر متوجہ ہو کر اس کا جواب آپ ارشاد
فرماتا ہی کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور اوس
بندی کو بھی جتاتا ہی اُس جواب پر ہر ایک
بندہ اپنے مرتبے کے موافق یا کلام سنتا ہی
یا اُسے الہام ہوتا ہی یا دل کو تسکین اور
اقرار اور خوشی اللہ کے متوجہ ہونے اور
قبول کرنے کی۔ حضور دل سے سمجھ کے سوال
کرنے کے سبب یہ بات ہوتی ہی اس میں
تفاوت نہیں ہوتا ہی۔ الرحمٰن الرحیم
بہت رحم والا ہمیشہ کو رحم کرتا ہی، جو
شخص کہ رحم اور پرورش کرتا ہی اگر
اوس سے ہر کوئی وقت بے وقت مانگے
تو گھبرا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی خفا ہو کر
سخت کہنے لگتا ہی اور جھڑکتا ہی۔ اللہ کا
ایسا رحم بہت اور ہمیشہ ہی کہ اس کو
کبھی کسی کے مانگنے اور پرورش کرنے

سے خفگی اور جھنجلاہٹ نہیں آتی، جتنا کوئی مانگے
وہ اتنا خوش ہو اسی لئے اسے الرحمن الرحیم
فرمایا۔ مالک یوم الدین مالک ہی جزا سزا کے دن
کا جزا کا دن قیامت ہی اور اللہ کی ملکیت ہمیشہ
ہی، دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، مگر ان
دونوں میں اتنا فرق ہی کہ دنیا میں بظاہر اور بھی
مالک کہلاتی ہیں گو وہ ملکیت عاریت اور ناپائیدار
ہی کیونکہ اصل مالک اللہ ہی ہی لیکن قیامت میں
یہ عاریت کی ملکیت بھی اوٹھ جاوے گی (یہاں
زمیندار اور اس کی رعیت کی مثال دی ہے اس
کے بعد) ایاک نعبد تجھی کو پوچھتے ہیں ہم یعنی
عبادت تری اللہ کی ہی۔ عبادت اصل میں تعظیم
کا نام ہی۔ تعظیم کی دو طرح ہیں ایک وہ کہ اللہ
نے خاص اپنے واسطے مقرر کی جیسے نماز روزہ
حج۔ نماز کسی کے لئے نہ پڑھے روزہ کسی کے
واسطے نہ رکھے سوا خدا کے اور جو کوئی سوا خدا
کے اور کے واسطے کچھ بھی کرے مشرک ہوتا ہی
اور اوس کے سوا تعظیم کرنی اوس کو بھی اللہ
کے واسطے ایک طرح خاص جانے کہ اللہ کے
حکم سے کرتا ہوں۔ ماں باپ کی تعظیم اور
خدمت سب اللہ کے حکم سے بجا لاوے کہ اللہ

کی مرضی ہی اس واسطے کرتا ہوں اس وجہ سے
ساری تعظیم کی صورتیں اللہ کی ہو جاتی ہیں
خاص کر۔ وایاک نستعین اور تجھی سے
اعانت چاہتے ہیں ہم۔ اعانت کا بھی حال
عبادت کا سا ہی۔ ایک اعانت وہ ہی کہ
اللہ کے ساتھ خاص ہی جیسے رزق، اولاد
بزرگی، ملکی۔ کسی سے یہ چیزیں مانگنی نہیں
درست ہی اور کسی کے اختیار یہ چیزیں نہیں۔
اور ایک اعانت ایسی ہے کہ ظاہر ایک
آدمی دوسرے سے چاہتا ہی جیسے پانی مانگنا
کھانا پکوانا اس کو بھی اللہ کے حکم سے جانے
تو یہ بھی استعانت اللہ سے ہے۔ اللہ کی
مرضی مطابقت ہم اعانت چاہتے ہیں وہ بھی
اللہ کی اعانت ہی جیسے کوئی امیر کہہ دے کہ
پانی میرے خدمتگاروں سے مانگ لیجو۔ اور
کھانا ان سے پکوا لیجو۔ پھر اون خدمتگاروں
سے یہ کام لینے اوس امیر کی اعانت ہی۔
اسی طرح ایک بادشاہ نے فرمایا ہو کہ میرے
فلانی غلام کی ایسی تعظیم کیجو اوس غلام کی تعظیم
بادشاہ کی تعظیم ہی۔ اسی وضع سے عبادت
یہ معنی تعظیم کے اور اعانت خاص خدا کے لئے

بجھے تو اس کہنے والے کا ایسا حال ہو جاتا ہے
جیسے کسی کا غلام کہ ہرگز اور ہر در پر نہیں جاتا
اور کسی سے کچھ نہیں مانگتا گو بھوک تکلیف میں
مرے پر اوس در سے نہ ٹلے اور ثنا صفت
اپنے مالک کی کرے . . . . اہدنا الصراط
المستقیم بتلا ہم کو راہ سیدھی ۔ صراط المستقیم
سے اللہ کی رضا سمجھا چاہیئے ۔ اور چیز اس
مقام پر بھلے لائق نہیں ۔ اس واسطے کہ جو
کوئی کچھ مانگے کتنا ہی خوب سے خوب مانگے
اللہ کی خزانوں میں ہزار چند اوس سے بہتر
ہو سکتا ہی ۔ مثلاً کوئی اللہ سے مانگے ایسی
بہشت اس طرح کی حوریں مجھے ملیں اور اون
حوروں کے بیان میں خوبیاں اس کے خیال
میں گزریں بلکہ جو سب رے مخلوق کے خیال
میں گزریں وہ سب بھلے اور اس کے سوال
مطابق اللہ تعالیٰ عنایت فرماوے ۔ پھر
اللہ اپنی قدرت سے ایسی حور پیدا کرے کہ
یہ حوریں جو اوس کے مانگنے کے موافق ہیں
اوس حور کے آگے لونڈی سے ہو جاویں ۔
اس واسطے اچھا سوال یہی ہی کہ اس کی
رضا مانگے اپنی تجویز نہ کیجئے . . . . . .

اور رضامندی ہر اچھے کام پر ہوتی ہی اور
اچھا کام بھی بروں سے بھی ہو جاتا ہی . . . .
جیسے کافر محتاجوں کو دیتے ہیں مال خرچ کرتے
ہیں . . . . پر یہ رضا کچھ کام نہ آوے گی دنیا
میں اللہ چاہے بدلا دے پر آخرت میں اونکو
کچھ فائدہ نہیں ہی ۔ جب اللہ کی رضا جیسے اچھے
کام کہ بروں سے ہوتے ہیں اون پر بھی ہووے
ہی تو اس واسطے صراط المستقیم کا بیان بتلایا
کہ صراط الذین انعمت علیہم کہ راہ ان کی جن پر
فضل کیا تو نے ۔ وہ لوگ پیغمبر اور صدیق اور
شہید اور صالح ہیں ۔ حاصل یہ ہوا کہ اپنی وہ رضا
ہمیں دے جو ایسے لوگوں کو دی ۔ نہ ویسے
رضا کہ جیسے کسی اچھی کام پر جیسے برے لوگوں کو
ہو جاتی ہی کہ اون پر غصے بھی ہوتا ہی اون کی
برائیوں سے اسی واسطے فرمایا غیر المغضوب علیہم
نہ وہ کہ جن پر غصہ کیا ۔ جیسے گنہگار فاسق کہ خدا
کے غضب میں ہیں ہرچند کوئی کام اون سی اچھا
بھی ہو جاوے کہ اللہ کے یہاں مرضی ہو ولا الضالین
اور نہ گمراہ جیسے کافر ہرچند اون سے بھی کبھی
کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہو جاوے پر اون کی
راہ بھی ہرگز نہیں مانگتا ان کے نصیب وہ رضامندی

نہیں کہ جو آخرت میں فایدہ دے ۔

اس عبارت پر رسالہ تفسیر سورہ فاتحہ اختتام کو پہنچتا ہے۔ ترجمے میں تفسیر کی زبان کو ہندی سے موسوم کیا ہے۔ زبان صاف اور ستھری ہے البتہ ایک جگہ لفظ "کر" بمعنی "سے" لکھا ہے۔ یہ خاص دکن کا محاورہ ہے مصنف کا تعلق شمالی ہند سے ہے۔ نہیں معلوم کس طرح یہ لفظ ان کی زبان میں داخل ہوگیا ویسے شاہ عبد القادر کی بھی زبان میں یہ لفظ پایا گیا ہے۔ تفسیر زیر نظر میں "اِتا" اور "کِتا" بجائے "اتنا" اور "کتنا" بھی ہے۔ لیکن شاہ عبد القادر کے پاس یہ لفظ "اتنا" ہے۔ چنانچہ معراج کے بیان میں لکھا ہے۔
"حق تعالیٰ اپنے رسول کو معراج کی رات لے گیا مکہ سے بیت المقدس براق پر اور آگے لے گیا آسمانوں پر۔ یہاں اتنا ہی ذکر ہے باقی سورہ نجم میں" ؎۱
تاہم حضرت سید احمد شہید کے پاس "اوپر" اور "پر" "اوس" اور "اس" دونوں طرح لکھے جانے سے زبان کی اصلاح کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس تفسیر کا تعلق اردو نثر کے ارتقا کے اس دور سے ہے جب کہ اردو نثر لکھنے کی طرف عام توجہ ہونے لگی تھی۔ خصوصاً سید احمد شہید اور ان کے متبعین دین کے مسائل کی تفہیم کے لئے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھنے لگے تھے اس سے بھی اردو نثر کے ارتقا کو فائدہ پہونچا ہے۔

؎۱ موضح قرآن۔ سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵۔

۶۔ تفسیر مجددی المعروف بہ رؤفی

از

شاہ رؤف احمد

تفسیر مجددی المعروف بہ رؤفی کے مفسر شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی ہیں۔ یہ مصطفیٰ آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ ہجری میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شاہ شعور احمد ہے۔ شاہ رؤف احمد مفسر ہونے کے علاوہ فقیہ اور محدث بھی تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے کہ:۔

> "علوم ظاہری کی تحصیل شاہ عبد العزیز دہلوی سے کی خاندان نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت شاہ غلام علی دہلوی سے پایا اور بھوپال میں مقیم ہوگئے۔۔۔ اپنے مرشد کے ملفوظات دار المعارف کے نام سے لکھے۔ دیوان رافت ہندی اور فارسی اشعار میں ان کی تصنیف ہے۔ اشعار میں رافت تخلص کرتے تھے"۔ ؎۱

؎۱ تذکرہ علمائے ہند ص (۱۹۰)۔

فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند، صاحب تفسیر شاہ رؤف احمد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کا:-

"تاریخی نام رحمٰن بخش ہے۔ علوم عقلی سے فراغ حاصل کرکے شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بارہ سال خدمت میں رہے۔ تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے معترف ہوئے۔ پھر شاہ غلام علی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شاعری میں جرأت کے شاگرد تھے۔ شاہ رؤف احمد کی تصنیفات میں (۱) مثنوی اسرار وغیب۔ (۲) مراتب الوصول (۳) معراج نامہ (اردو نثر) (۴) مثنوی یوسف زلیخا (اردو) (۵) ارکان اسلام (اردو) ہیں" [1]

مولف تذکرہ علمائے ہند نے شاہ رؤف احمد کا سنہ وفات ۱۲۰۳ ہجری لکھا ہے:-

"بھوپال سے حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے کہ جہاز کی سواری میں سنہ ۱۲۰۳ھ، ۹-۱۷۸۸ء میں فوت ہوئے" [1]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص (۱۹۹)

لیکن یہ سنہ غلط ہے۔ تفسیر مجددی کے ترقیمے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کا آغاز سنہ ۱۲۳۹ھ میں اور اختتام سنہ ۱۲۴۸ھ میں ہوا۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"... تالیف این کتاب کہ مسمی بہ تفسیر مجددی ست شروعش در سنہ یک ہزار و دو صد و سی و نو اتفاده بعد ازان چند سال بعوارضات شتی معطل ماند آخر الامر حلیہ اتمام و اختتام بافال ملک العلام بروز چہارشنبہ وقت صبح یازدہم شہر ذی قعدہ در سنہ یکہزار و دو صد و چہل و ہشت ہجری در بلدہ دار الاقبال بھوپال پوشید"۔

ویسے مولوی رحمٰن علی مولف تذکرہ نے تفسیر کے آغاز و اختتام کا سنہ تذکرہ میں خود بھی یہی بتایا ہے:-

"اس کا آغاز ۱۲۳۹ھ، ۴-۱۸۲۳ء میں اور اس کا اختتام ۱۲۴۸ھ، ۳-۱۸۳۲ء میں ہوا" [1]

لیکن سنہ اختتام تفسیر کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنہ وفات کے درج کرنے میں ان سے سہو ہوگیا۔ فاضل مترجم و مرتب تذکرہ علمائے ہند نے سنہ ۱۲۳۹ھ م سنہ ۴-۱۸۲۳ء سنہ وفات بتایا ہے۔ [2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص (۱۹۸)

[2] تذکرہ علمائے ہند ص (۱۹۹)

تفسیر مجددی دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ دوسری جلد میں سورہ ناس کی تفسیر کے بعد ایک مثنوی بھی شامل ہے۔ جس میں شاعر نے اپنا اور اس کے رسول کی محبت میں اپنی حالت بیان کی ہے۔ آخر میں تفسیر کے متعلق سے لکھا ہے کہ

کلام الٰہی کا اردو زبان میں — کھلا ترجمہ صاف آئینہ سال ہے
بتاریخ آئی ندا غیب سے یوں — کہ تفسیر قرآن ہندی زبال ہے

آگے لکھا ہے :۔

تفسیر کتاب آسمانی — ایسی کہ ہر ایک کے دل نشیں ہے
اردو میں بایں بیان رقاس — قبل اس کے کوئی ہوئی نہیں ہے

اشعار میں مفسر کا نام رؤف اور تکمیل کا قطعہ تاریخ (۱۲۴۸ھ) بھی ملتا ہے :۔

جو اہل زبان اسے سنے گا — آوے گی اسے پسند یقیں ہے
تاریخ میں اس کے دل یہ بولا — شاباش رؤف آفریں ہے
۱۲۴۸

تفسیر زیر نظر میں پہلے آیت لکھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ترجمہ و تفسیر شروع کر دی گئی ہے۔ تفسیر کے دوران حسب موقع و محل مفسر نے اپنے اشعار بھی لکھے ہیں۔ سورہ نبا سے ترجمہ و تفسیر بطور نمونہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :۔

"عم یتساءلون کس چیز سے سوال کرتے ہیں کافر
جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو
دعوت اسلام کی ظاہر فرمانے لگے اور قرآن
شریف پڑھ کر روز قیامت سے ڈرانے لگے
کفار نبوت میں آپ کے اور نزول قرآن میں

اور وقوع بعثت میں اختلاف کر کر آپس میں پوچھنے لگے یا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور مومنوں سے سوال کرنے لگے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کس چیز سے پوچھتے ہیں کافر عن النبا العظیم خبر بڑی سے کہ قرآن شریف ہے الذی ہم فیہ مختلفون وہ خبر کہ یہ بیچ اوس کے اختلاف کرنے والے ہیں کہ شعر یا سحر یا کہانت ٹھہراتے ہیں اور جھوٹی باتیں اور پہلی کہانیاں بتاتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ نبا عظیم نبوت حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہے۔ کافروں کو شبہ تھا کہ یہ پیغمبر ہیں یا ولی یا شاعر یا ساحر یا مجنون اور بعضوں نے کہا ہے کہ نبا عظیم بعثت ہے کہ اس میں کافر اختلاف کرتے تھے کتنے کہتے تھے بعد مرنے کے نہ جئیں گے نہ اٹھیں گے۔ ان ہی الا حیوتنا الدنیا اور کتنے کہتے تھے قیامت کو اٹھیں گے لیکن شفاعت ہماری ہمارے بت کریں گے۔ ہولاء شفعاؤنا عند اللہ اور کتنے شک میں تھے کہ قیامت ہوگی یا نہ ہوگی بل ہم فی شک منہا پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلا سیعلمون ہرگز نہیں یوں البتہ شتاب جانیں گے وقت نزع کے کہ جس میں اختلاف

کرتے ہیں وہ حق ہے ثم کلا سیعلمون پھر ہرگز
نہیں یوں البتہ جلد جانیں گے دن قیامت کے
جھوٹے قول پلید عقیدہ اپنے کو۔ الم نجعل الارض
مھادا۔ کیا نہیں کیا ہے ہم نے زمین کو بچھونا بچھا
ہوا تا قرارگاہ تمہارا ہو والجبال اوتادا۔ اور
پہاڑوں کو میخیں زمین کی تا ان سے محکم رہے۔
وخلقنٰکم ازواجا اور پیدا کیا ہم نے تم کو نر
اور مادہ تا نسل تمہاری باقی رہے یا طرح طرح
کے سیاہ اور سفید دراز اور کوتاہ خوب و
زشت وجعلنا نومکم سباتا اور کیا ہم نے
نیند تمہاری کو آرام بدن کا تمہارے۔ بعضے
کہتے کہ نیند سے حس و حرکت جاتی ہے
قوائے حیوانیہ آسائش پاتے ہیں۔ ماندگی
دور ہوتی ہے وجعلنا الیل لباسا اور کیا
ہم نے رات کو پردہ تا ظلمت سب چیزوں
کو چھپائے۔ شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ
نے کہا ہے فتوحات مکیہ میں کہ رات لباس
اصحاب لیل ہے۔ نگاہ اغیار سے چھپ کر
اس میں لذت مکالمہ کی یا محاضرہ کی یا مشاہدہ
کی موافق اپنے اپنے استعداد کے اٹھاتے
ہیں۔

کیوں بھائیں نہ عاشقوں کو راتیں | محبوب سے کرتے ہیں یہ باتیں
پاتے ہیں حضور اس میں رات | چکھتے ہیں شہود حق کی لذت

شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ شب پردہ رندگان راہ ہے روز
بازار بیداران سحرگاہ ہے۔

شب محرم راز عاشقاں ہے | شب خلوت خاص عارفاں ہے

وجعلنا النھار معاشا اور کیا ہم نے دن کو وقت طلب معاش کا تاکہ
تحصیل میں اس کے جستجو کرو۔"

تفسیر شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر نے
ملا حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔
دکنی محاورہ "کر کر" حضرت شاہ رؤف کی بھی زبان میں ملتا ہے۔ بعض الفاظ جو
آج کل مونث بولے جاتے ہیں۔ شاہ رؤف نے انھیں مذکر استعمال کیا
ہے شاید یہ اس وقت مذکر ہی بولے جاتے تھے مثلاً "کیا نہیں کیا ہم نے
زمین کو بچھونا بچھا ہوا ہو تا قرارگاہ تمہارا ہو" ؛ میں قرارگاہ کو مذکر باندھا
ہے حالانکہ ایسے مرکب الفاظ کی تذکیر و تانیث کا تعین ان کے لاحقے کی
تذکیر و تانیث کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے۔

ترجمہ تحت لفظی اور با محاورہ دونوں کے ملے جلے اسلوب میں ہے۔
تفسیری عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسر با محاورہ زبان میں تحریر کی صلاحیت
رکھتا ہے بریں ہمہ اس نے بعض آیتوں کے ترجمے میں قرآنی الفاظ
کی ترتیب کی سختی سے پابندی کی ہے۔ مثلاً وجعلنا نومکم سباتا کا ترجمہ:۔

" اور کیا ہم نے نیند تمہاری کو آرام بدن کا تمہارے"

بعض جگہ ترجمے کے ساتھ کے تفسیری الفاظ میں بھی بے ترتیبی پائی جاتی

ہے :-

"ثم کلا سیعلمون پھر ہرگز نہیں یوں البتہ جلد
جانیں گے دن قیامت کے جھوٹے قول پلید
عقیدہ اپنے کو"

شاہ رؤف کے پاس جہاں قدیم طرز تحریر ملتا ہے وہیں تحریر کا
ترقی یافتہ اسلوب بھی ملتا ہے۔ مثلاً سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

"یہ نہر بوستان معرفت الٰہی کی ہے جو اس
سے سیراب ہوا ابدالآباد تک تشنگی
جہالت سے چھٹا۔

رباعی :-

رافت جو جہاں کے دیکھتا ہے تو بود
ٹک غور تو کر کر اس میں کیا ہے یہ نمود
اے بےخبر آنکھ دل کی وا کر اور دیکھ
کثرت میں ہے کل وحدت حق موجود"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر کا ذوق شعری تفسیر میں جگہ جگہ اشعار نقل
کر دینے ہی سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ نثر میں بھی کہیں کہیں مسجع اور مقفیٰ عبارت
کا اسلوب اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ان شانئک ھو الابتر
کا ترجمہ و تفسیر :-

"تحقیق دشمن تیرا عامی وہی ہے دم بریدہ
اور کٹا ہوا خیر سے اور بے نسل اور
بے ذریت اور تیری ذریت بسیار اور

خوبیوں کا غلغلہ اور اشتہار اور آثار
فضل بے شمار تا روز شمار باقی رہے گا"۔

بالآخر اس شعری ذوق کی تان ایک شعر پر جا کر ہی ٹوٹتی ہے :-

"گل مراد رہے کیوں نہ تیرا تازہ و تر
کہ شان میں ہے عدو کے تیرے ہوالابتر"

---

۷۸۶ / ۹۲

۷۔ تفسیر پارہ عم

"تفسیر پارہ عم" کے نام سے ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔[1]
جس میں قرآنی آیتیں سرخی سے اور ترجمہ سیاہی سے لکھا گیا ہے۔ اس میں
سورہ نبأ سے سورہ ناس تک کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ مولوی نصیرالدین ہاشمی
کے نزدیک اس کو تفسیر کی بجائے ترجمہ کہنا چاہیئے کیونکہ ان کی رائے میں
آیتوں کے "لفظی معنی لکھ کر بعض مقامات پر مزید تفصیل کی گئی ہے۔" اور یہ کہ
"زیادہ تر معنی پر اکتفا کیا گیا ہے۔"[2] حقیقت تو یہ ہے کہ عبارت کے بارے میں
"تفصیل" اور "پھر مزید تفصیل" سے لکھے جانے کے اعتراف کے بعد اس کو
تفسیر کی بجائے صرف ترجمہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر ہاشمی صاحب نے سورہ
نبأ کے آغاز کی جو اردو عبارت بطور نمونہ نقل کی ہے اس کی نوعیت تفسیر ہی کی
ہے نہ کہ ترجمہ کی:۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں
آشکارا لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانے
لگے اور قیامت کے دن کا خوف بتائے بعض
کافروں بعضی میں حضرت کی اور قرآن میں اختلاف
کئے اور آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ نیا دین اور

اور قرآن کیا ہے۔ کسی نے کہا شعر ہے کسی نے
کہا سحر ہے"۔

اصل نسخے کے لحاظ سے ترجمہ کی عبارت تک پہونچنے کے لئے تفسیر کی
مندرجہ ذیل ایک اور سطر باقی رہتی ہے:۔

"کسی نے کہا اگلی قصے ہیں اس واسطے حق تعالے نے
جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حال سی
خبردار کیا اور فرمایا (عم یتساءلون)"

اس کے علاوہ آیت "الم نجعل الارض مھادا والجبال
اوتادا" کی تفسیر میں زمین کے تعلق سے کافی معلومات پیش کی گئی ہیں اسی
طرح "وبنینا فوقکم سبعا شدادا" کے تحت آسمانوں کی بھی تفصیل
و تشریح کی گئی ہے۔ و نیز آیتوں کے ترجمے کے دوران حسب ضرورت مختصر
تفسیری جملے بھی اضافہ کئے گئے ہیں اس طرح یہ تفسیر ہے اور اس کو تفسیر ہی سے
موسوم کرنا چاہیئے۔

کتاب کے آخر میں سورہ ناس کے ترجمے و تفسیر کے بعد حسب ذیل دعا
لکھی ہے۔

"اللہ تعالیٰ سب مومنوں کو نفس اور شیطان کی دغا
سے بچادے اور آفت اور حسد سے محفوظ رکھی
خصوصا اس مولف کمین کہ سراپا ریا اور رعونت
میں خلق کے گرفتار ہی اور حق تعالے تمام امت
محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ بخیر کرے ان سب کی
طفیل سے اس عاصی گناہ گار کا بھی خاتمہ بخیر کرے

آمین یا رب العالمین "۔

اس میں مفسر نے سب مومنوں کے ساتھ اپنے لئے بھی دعا کی ہے لیکن اپنا نام نہیں بتایا۔ اور نہ ہی کتاب میں اول و آخر کہیں مفسر کا نام ہے اور نہ کاتب کا۔ نہ سنہ تفسیر درج ہے نہ سنہ طباعت۔ البتہ کتاب کے تیسرے صفحے کے حاشیے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نیچے "یا حضرت شیخ علی حسینی رحمۃ اللہ علیہ و از منظور نیز گفتہ اند علی حسینی" لکھا ہے۔ لیکن اس سے مفسر یا کاتب کے نام پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ قیاس ہے کہ یہ نام کسی عمل کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ دعائیہ عبارت کے بعد حمد و صلوٰۃ و سلام پر کتاب خاتمہ کو پہونچی ہے۔

خاتمہ کتاب :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی ہدانا للایمان
والاسلام والصلوٰۃ علی محمدن الذی
استنقذنا بہ من عبادۃ الاوثان والاصنام
وعلی الہ واصحابہ النجباء البررۃ الکرام سلام
بر سید الانام صلی اللہ علیہ و الہ وسلم السلام
اے صاحب خلق عظیم السلام اے معدن
لطف عمیم ..... السلام ای مخزن اسرار
کن السلام ای مشرق انوار غیب السلام ای
ماحی ظلمات و ریب السلام ای مطلع نور ضیا
السلام ای معدن علم و حیا۔" :-

مولوی عبدالحق نے بھی اپنے مضمون[1] میں ایک "تفسیر پارہ عم" کا ذکر کیا

[1] ایرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں " قدیم اردو صفحہ (۱۹۱)

ہے۔ مضمون میں سورہ نبا کے ترجمہ کا نمونہ جس حد تک نقل کیا گیا ہے وہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخے کی عبارت ترجمہ سے بالکل مل جاتا ہے البتہ مولوی صاحب کے پاس کی یہ تفسیر متن سے معریٰ ہے۔ مولوی صاحب نے شاید صرف ترجمہ کا نمونہ پیش کیا ہے اور متن اور آغاز کی تفسیری عبارت چھوڑ دی ہے مگر اس تفسیر کے بارے میں مولوی صاحب کی رائے ہے کہ یہ "ترجمہ ہے کہیں کہیں بطور تشریح کے کچھ کچھ اضافہ کر دیئے گئے ہیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طویل تفسیری عبارت چھوڑ کر صرف ترجمہ کی حد تک نقل کرنے کی کوتاہی مولوی صاحب کی طرف سے نہیں ہوئی ہے اس لئے قیاس ہے کہ کاتب نے اصل نسخے سے نقل کرتے وقت متن اور اس کے آغاز اور درمیان کی کسی قدر طویل تفسیری عبارت کی ضرورت محسوس نہ کرکے صرف ترجمے اور اس کے ساتھ کے مختصر تفسیری جملوں پر اکتفا کیا ہوگا۔ چنانچہ اس سورہ کی آیتوں میں زمین کے تعلق سے جو تفصیل کتب خانہ آصفیہ کے نسخے میں بیان کی گئی ہے وہ مولوی صاحب والے نسخے میں موجود نہیں ہے۔ واقعہ جو کچھ بھی ہو ترجمہ کی عبارت کی بنا پر ان دونوں کو ایک ہی تفسیر کی نقلیں قرار دینا مناسب ہوگا۔

ذیل میں دونوں نسخوں کی عبارت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

نمونہ عبارت مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ	نمونہ عبارت مخطوطہ مولوی عبدالحق
"عم یتساءلون کس چیز سی سوال ... کرتی ہیں وہ کافر آپس میں پھر اپی فرمایا عن النباء العظیم سوال کرتی ہیں وہ خبر سی کہ بڑی ہی یعنی قرآن اور نبوت اور قیامت سی۔ الذی	... "کس چیز سے سوال کرتے ہیں وہ کافر آپس میں پھر آپے فرمائے سوال کرتے ہیں وہ خبر سے کہ بڑی ہے یعنی قرآن شریف اور نبوت اور قیامت سے۔ ایسی خبر عظیم کہ وہ کافر

ہم فیہ الیمی خبر عظیم کہ وہ کافرجو
اس کی مختلفون اختلاف کرنے والی
ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہی اور کوئی کچھ
حق تعالے نے فرمایا کلا سیعلمون
حق ہی کہ قریب جانی گی وہ
جب قیامت ای گی کہ بیغمبر سچی تھی
اور قرآن حق تعالے کا کلام تھا
ثم کلا سیعلمون پھر حق ہی کہ قریب
جانی گا وہ دن قیامت میں کہ
برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائی۔
الم نجعل الارض مہادا کیا نہیں کی
ہم نے زمین کیتیں بچھونا خاک رہو تم
والجبال اوتادا اور پہاڑوں کی
تین میخیں یعنی جب کہ حق تعالے
نے زمین کو پیدا کیا وہ پانی پر ہلتی
تھی پہاڑوں کی میخ ٹھونی اس کو قائم
کیا۔ فائدہ۔ جانا چاہی کہ پنج کرہ
پانی کی زمین مانند گیند کی بڑی ادھی
سی زیادہ پانی میں غرق ہی اور ادھی
سی کم باہر ہی اور جو کی باہر ہی دو
قسم پر ہی ایک قسم تو بعض ویرانہ ہی

پنج اس کے اختلاف کرنے والے ہیں
کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔

حق تعالی نے فرمایا حق ہے کہ قریب
جانیں گے وہ جب قیامت آئے گی
کہ پیغمبر سچے تھے اور قرآن حق تعالیٰ
کا کلام تھا۔ پھر حق ہے کہ قریب
جانیں گے وہ دن قیامت میں کہ برا
کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے۔
کیا نہیں کیے ہم نے زمین کے تیئں
بچھونا تاکہ رہو تم اور پہاڑوں کے
تیئں میخیں

کہ نشانی ابادی کی اس میں
ہرگز نہیں ہی اور دوسری قسم اباد
ہی کہ اوسی ربع مسکون کہتے ہیں
اور اس میں دریائیں اور پہاڑیں
اور میدانیں اور جنگلیں۔ اور شہریں
نہایت ہیں اور مسافتہ[1] اس کی ایک
سو بیس برس کی راہ ہی۔
وخلقنا کم ازواجا اور پیدا کی ہم
نے تماری تین جوڑے کم تم سی۔
اولاد ہوی وجعلنا نومکم سباتا
اور کی ہم نے نیند کیتیں تماری ارام
بدن کا تا ماندگی دن کی دور ہووی۔

اور پیدا کیے ہم تمہارے تیئں جوڑے
کہ تم سے اولاد ہوئے۔
اور کیے ہم نے نیند کے تیئں تمہاری
آرام بدن کا تاماندگی دن کی دور ہو[2]

وجعلنا الیل لباسا اور کئے ہم نے رات کیتیں لباس کہ سب کو اندھاری
سی اپنی ڈھانپی تا جو عیب کہ دن کو ظاہر ہوتی رات کو چھپیں صاحب فتوحات
کی فرماتی ہیں کہ رات لباس رات کی جاگنے والوں کی ہی کہ اون کو نظر
کا اغیار کی ڈھانپتی ہیں تاکہ اپنی معشوق ہی برخورداری پاویں وجعلنا النہار
معاشا اور کئے ہم نے دن کیتیں وقت زندگی کا کہ اوس میں روزی پیدا

---

۱ یہ لفظ "مسافت" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔
۲ مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون میں یہیں تک نمونۂ عبارت نقل کیا ہے اس لیے آگے
صرف کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے کی عبارت کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔

کو سات کیے کے اور پکاؤ کھاؤ دبنیا (؟) محکم اور بنائی ہم نے اوپر تماری سبعاً شداداً سات آسمانوں کی تیں کہ سخت ہیں یعنے محکم اور استوار کہ نہیں اون کی کچھ فرجہ اور خلل نہیں کہ نشانی نقصان کی ہی۔ فائدہ۔ پہلا آسمان فلک قمر ہے۔ دوسرا فلک عطارد تیسرا فلک زہرہ چوتھا فلک شمس پانچواں مریخ چھٹا فلک مشتری ساتواں زحل اوس کی اوپر کرسی ہی اوس کی اوپر عرش . . . . . "

مولوی صاحب نے بھی اپنے پاس کے نسخے کے مفسر، کاتب یا سنہ تفسیر کے تعلق سے کچھ نہیں بتایا البتہ سنہ کتابت ۱۲۵۲ ہجری لکھا ہے لیکن اس سلسلے میں آغاز کتاب یا خاتمہ کتاب یا ترقیمہ وغیرہ کی کسی بھی عبارت کا حوالہ نہیں دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کتاب میں ترقیمہ وغیرہ کی قسم سے کوئی عبارت بھی ہے۔

کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطے کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مفسر نے اس تفسیر کی تیاری میں "روضۃ الصفا" اور ملا حسین الکاشفی کی تفسیر حسینی سے بھی مدد لی ہے۔ اس میں "خلاصۃ الفقہ" اور "شرح مشارق الانوار" وغیرہ کے بھی حوالے ملتے ہیں۔ "کلا سیعلمون ثم کلا سیعلمون" کا ترجمہ کیا گیا ہے "حق ہے کہ قریب جاینگے . . . . پھر حق ہے کہ قریب ہو جائیں گے"۔ گو بعض مترجمین نے لفظ "حق" اور "تحقیق" کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے مگر "ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے" ترجمہ زیادہ موزوں ہے۔ تاہم زبان و بیان کے لحاظ سے اس کو وسط تیرھویں صدی ہجری کا اچھا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

زبان کے اعتبار سے مفسر شمالی ہند کا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ عجیب بات

بات کی چوک ہے۔

ہے کہ اسم کی جمع حالت مفعولی میں "یں" سے اس طرح بنا تا ہے جیسے کہ تفسیر تعریج اور تفسیر وہابی کے دکنی مفسروں نے بنائی ہے اور یہ تینوں مفسر ایک ہی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفسیر زیر نظر کے مفسر نے "دریائیں" "پہاڑیں" "میدانیں" "جنگلیں" اور "شہریں" اسماء بصیغہ جمع بحالت مفعولی لکھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی جمع خلاف قاعدہ ہے۔ دکنی میں اس طرح کی مختلف صرفی اشکال عرصے تک مروج رہی ہے لیکن شمالی ہند میں جمع کی یہ شکل بارھویں صدی ہجری کے اواخر کے شعری سرمائے میں کہیں نہیں ملتی۔

۴۸۶
۴۹۲

(۱۱)

تفسیر چراغ ابدی[1]

از

شاہ عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی

تفسیر چراغ ابدی پارہ عم کی تفسیر ہے۔ یہ "چراغ ہدایت" سے بھی موسوم ہے۔ اس کے مفسر شاہ عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آباد کے متوطن تھے۔ ان کے والد شاہ میر عالم حسینی ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ یہ قادریہ اور نقشبندیہ دونوں سلسلوں میں بیعت لیتے تھے۔ ہمرنگ بھی صوفی اور شاعر تھے ان کی علمی قابلیت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اردو میں تفسیر اور دیوان کے علاوہ اور بھی کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ چنانچہ فن تصوف میں ایک رسالہ "دودھ دیا" بھی لکھا ہے۔

تفسیر چراغ ابدی عہد شاہ عالم کا کارنامہ ہے۔ اس کا سنہ تفسیر ۱۲۲۱ ہجری ہے۔ قدیم اردو میں مولوی عبد الحق نے بھی تفسیر چراغ ابدی

---

[1] تفسیر مخطوطہ (۱۸۰) سائز (۱۰/۶) صفحہ (۵۰۵) سطر فی صفحہ (۱۷) کتب خانہ آصفیہ

کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ کتاب کا آغاز دیباچے سے ہوتا ہے۔ جس میں مفسر نے سنہ تفسیر کے علاوہ تفسیر کا نام بھی دیا ہے۔ اور اپنا نام بھی بتایا ہے۔ نیز تفسیر کی ضرورت اور اہمیت اور زبان کی نوعیت کی بھی وضاحت کی ہے۔ دیباچے کی عبارت ذیل میں نقل ہے۔[2]

بسم اللہ الرحمن الرحیم
"بہترین تفسیر حمد الہٰی ہے۔ اور خوش ترین تقریر
نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہ
صلوٰۃ مقرونۃ علی التناہی اما بعد:
بیت: عرضا کرتاہی دوستدار دوستی
آشنا یونسی غمگساروں سی
زاویہ تحقیق کو چہ کم نامی دبی استوادی
طالب منصب وارستگی و آزادی۔
فقیر عزیز اللہ ابن میر عالم الحسینی القادری
النقشبندی اورنگ آبادی المتخلص بہ
ہمرنگ عفا اللہ عنہ وعن والدیہ واحسن
الیہ والیھما کہ جب دیکھا ہیں اکثر تفسیریں
کلام اللہ کی زبان عربی اور فارسی میں
واقع ہیں اور کم علمی بعض اہل ہند کی

---

[1] "پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں" صفحہ (۱۳۳)

[2] مولوی عبد الحق کے پاس دیباچہ کی پہلی سطر نہیں ہوگی اس لئے "اما بعد" سے آغاز کیا ہے یا یہ کہ مولوی صاحب نے اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

دریافت سے معنے ان کے مانع۔ اگرچہ بعض
عزیزونی (عزیزوں نے) زبان دکھنی ہندی
آمیز میں تفسیر جز آخر کی لکھی ہیں۔ لیکن بسبب
الفاظ دکھنی کی لطف زبان ہندیکا پورا نہیں
پاتا اور دل یاروں کا واسطی مطالعہ اوس کی
رغبت کم لاتا اسواسطی خاطر قاصر میں اس فقیر
کی آیا کہ تفسیر جز آخر کی زبان ہندی میں کہ بالفعل
اورنگ آباد کی لوگوں کا محاورا ہی لکھی اور
بعض فوائد کہ دوسری تفسیروں میں نہیں ہیں کتب
معتبرہ سے جمع کرکر اس میں داخل کری کہ عوام
اسی باوجود قلت بضاعت کی فائدہ تمام اٹھاویں
اور اس فقیر کی دعاء مغفرت سی یاد لاویں۔[۱]

تا اسی ہو وسیلۂ عتقی
بلکہ سب[۲] کو مفید روز جزا

بعد تقدیم استغفاری کی اور استعانت حضرت
باری کی ہر سورۃ کی فضیلت اور نفع اور خاصیت
اور ختم[۳] اور تکبیر اور بعض سورۃ کی فضیلت اور
خاصیت کہ مخصوص نماز کی اندر پڑھنے میں یا مخصوص

---

[۱] "کرے" (مولوی عبدالحق) [۲] "یاد دلاویں" (مولوی عبدالحق)
[۳] "اور سب کو" (مولوی عبدالحق) [۴] "خاتما" (مولوی عبدالحق)

آیت یا ر آیتوں میں تھی تمام قید قلم میں لاکر
اول تعوذ اور تسمیہ اور سورہ فاتحہ بھی کہ
سبب یمن و برکت کا ہی مناسب بوجھ کر
شروع کیا اور واسطی نشانی کی اول حرف
ایک سرخی سی علاحدہ لکھا اور اشارہ اون
حرفوں کا اس قطعی میں کیا۔

ف فضیلت کی نشانی ہین سی ہی منفعت
اور صلواۃ وختم کی یگی علامت صادمیم
خاصیت[۱] تکبیر کا بیگا اشارہ خ وت
ہی امید ہر رنگ کو حق سی سدا لطف عمیم

اور نام اس کا "چراغ ابدی" اس سنہ
۱۲۲۱ ہجری اکہ سال تاریخ کا اس کی ہی
کلمی سی نکلتا ہی رکھا۔ توقع علمائی روزگار
اور بلغائی ہر دیار سی اور تمنا فضلائی اعصار
اور فصحائی امصار سی وہ ہی کہ اگر اس میں
سہو یا خطا کی مقتضی بشریت کا ہی پاویں تو
قلم الطاف رقم سی اصلاح دیویں اور راہ

---

[۱] "خاصیت" کا "خا" کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے میں نہیں ہے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

"اعتراض اور غماض[1] کی نہ دیویں۔ قطعہ

کاملوں سی توقع ہے یہ ہر رنگ
کہ توجہ سی ان کی ہووے فلاح
پاویں گر ہیچ اس کی سہو و خطا
لطف اپنی سی کریں اصلاح

و من اللہ التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق[2]۔

دیباچے کی اس عبارت کے بعد متعدد ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں مثلاً صفحہ تین پر "ذکر تعوذ" اس میں استعاذے کی فضیلت اور ضرورت بیان کی گئی ہے اس کے بعد صفحہ نو سے تفسیر استعاذہ ہے۔ صفحہ چودہ سے "ذکر تسمیہ" اور صفحہ ستائیس سے "تفسیر تسمیہ"۔ ذکر سورہ فاتحہ صفحہ (۳۱) سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد صفحہ سینتالیس سے سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد تفسیر میں سورتوں کی ترتیب قرآن مجید کی ہی ترتیب کے مطابق سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک رکھی گئی ہے۔ ہر سورہ کی تفسیر سے پہلے اس سورہ کے پڑھنے کے فیوض و برکات بھی قلمبند کئے گئے ہیں۔ آخر میں ترقیمے سے پہلے قطعہ تاریخ ہے۔ اس سے بھی تفسیر کا نام اور سنہ تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ قطعہ

---

[1] "اغماض" (مولوی عبدالحق)۔ یہ لفظ "اغماز" بمعنی "عیب جوئی" ہونا چاہیے۔ (مقالہ نگار) "اغماض" کے معنی چشم پوشی اور درگزر کے ہیں اور اغماز کے معنی آبرو گھٹانا، عزم کرنا، اور اٹھانا ہیں۔

[2] مولوی صاحب کے پاس یہ فقرہ نہیں ہے۔

محنت اور کوشش بسیار سی اے ہمرنگ
جب یہ تفسیر تمام ہوئی بعون صمدی
نام میں چاہا رکھوں ایسا کہ نکلے تاریخ
فکر کر دل نے اٹھا بولا "چراغ ابدی"

ترقیمے میں سنہ کتابت ۱۲۳۲ء بتایا گیا ہے۔ عبارت درج ذیل ہے۔

"بتاریخ چہار دہم شہر رمضان المبارک سنہ ۱۲۳۲ ہجری روز سہ شنبہ پیش از نماز ظہر بخط غلام احمد باتمام رسید"۔

مولوی صاحب نے اپنے پاس کے نسخے کا نہ تو سنہ کتابت ہی بتایا ہے اور نہ ترقیمے کی عبارت ہی لکھی ہے۔ قیاس ہے کہ اس کی بھی کتابت کا سنہ یا تو ۱۲۳۲ء ہی ہوگا یا مابعد سنہ ۱۲۳۲ ہجری۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کا کوئی نسخہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ چراغ ابدی کے دو اور نسخے جو کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں[1] ان کی بھی کتابت زیر نظر مخطوطے کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ ویسے تو مخطوطہ نمبر (۱۰۱) کی کتابت کا سنہ ترقیمے میں ۱۱۴۳ ہجری لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ چراغ ابدی کا سنہ تفسیر ۱۲۳۱ ہجری مسلّم ہے۔ کاتب نے سنہ ۱۲۴۳ ہجری کی بجائے غلطی سے سنہ ۱۱۴۳ ہجری لکھ دیا ہوگا۔ ترقیمہ کی عبارت ذیل میں پیش ہے:-

"تمت تمام شد کار من نظام شد

---

[1] چراغ ابدی:
(۱) تفسیر مخطوط (۱۰۱) ب گز (۱۰/۹) ص (۳۰۸) سطر (۱۵)
(۲) " " (۹۷۹) " (۲/۱۳) ص (۳۵۶) " (۳۰)
کتب خانہ آصفیہ

بتاریخ چہار دہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۳
ہجری جری صلے اللہ علی خیر خلقہ[1] در مقام
حیدرآباد تمام نموده شد"

چراغ ابدی کے مخطوطہ (۲۷۹) کا سنہ کتابت ۲۲ر شوال المکرم سنہ ۱۲۴۶ ہجری ہے۔ اس کا کاتب محمد وجیہ الدین ابن محمد امین عرف خانصاحب متوطن بیدر ہے۔ اور کتابت حیدرآباد میں ہوئی ہے۔ ترقیمے کی عبارت کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے مفسر کے نام کے علاوہ تفسیر کی زبان کی نوعیت اور سنہ کتابت کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

" الحمد للہ والمنۃ کہ بعون تعالی شانہ ہذا الکتاب
یعنی تفسیر جزو آخر عم یتساءلون بزبان ہندی من
تالیف حضرت شاہ عزیز اللہ اورنگابادی
قدس سرہ بید فقیر حقیر کثیر الذنب داللتقصیر خادم
الطالبین محمد وجیہ الدین ابن محمد امین عرف
کالے خاں صاحب مرحوم متوطن پی پری پرگنہ
تیموری سرکار ناندار صوبہ محمد آباد بیدر رضی اللہ عنہ
وعن والدیہ مرقوم گردید و بتاریخ بست و دوم
شہر شوال المکرم سنہ ۱۲۴۶ ہجری روز
چہارشنبہ وقت اشراق باختتام رسید"

تفسیر چراغ ابدی کا مخطوطہ (۱۸۱) ناقص الاول ہے۔ مخطوطہ (۱۸۰) کے

---

[1] " خیر الخلق " ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

ابتدائی ۲۳ صفحات کی عبارت اس مخطوطے (۲۷۹) میں نہیں ہے۔ بحالت موجودہ اس کے آغاز کی عبارت یہ ہے :-

" فائدہ نماز میں بسم اللہ مخفی کہنا اوپر سورہ
فاتحہ کی ہر رکعت میں سنت ہی (ہے) نزدیک
اکثر کی جو ان مذہب کے مشائخ ہیں اور مختار
یہی ہی . . . . "

تفسیر مخطوطہ (۲۷۹) کا آغاز و اختتام مخطوطہ (۱۸۰) کی طرح ہی ہے البتہ ترقیمے کی عبارت الگ ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے کاتب اور سنہ کتابت جدا جدا ہیں۔ ترقیمے کی عبارت اوپر درج کی جاچکی ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ میں بھی "تفسیر چراغ ابدی" کا ایک مخطوطہ[1] ہے۔ آغاز تو دوسرے نسخوں کی طرح دیباچے سے ہوا ہے۔ لیکن یہ سارے پارہ عم کی تفسیر نہیں ہے۔ ویسے مرتب فہرست کتب مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اس کو پارہ عم کی تفسیر بتایا ہے۔ اس کے تعلق سے مزید معلومات یہ دی ہیں کہ "یہ تفسیر سورہ الحمد سے شروع کی گئی ہے۔ اس کے بعد سورہ ناس اس طرح عم یتساءلون پر تفسیر ختم ہوئی ہے۔" حالانکہ اس مخطوطے میں پارہ عم کی ساری سورتوں کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ حسب ذیل صرف گیارہ سورتوں کی تفسیر شامل ہے :-

۱. سورہ والنزعت ۳. سورہ عبس ۵. سورہ الفجر
۲. سورہ تکویر ۴. سورہ الغاشیہ ۶. سورۃ البروج

---

[1] تفسیر مخطوطہ (۹) سائز (۶/۷/۹) صفحہ (۲۳۵) سطر فی صفحہ (۹) خط نستعلیق کاغذ ولایتی۔

۷۔ سورۃ الطارق ۹۔ سورۃ الانفطار ۱۱۔ سورۃ الانشقاق
۸۔ سورۃ الاعلیٰ ۱۰۔ سورۃ التطفیف ——

تفسیر کی نوعیت بھی جدا ہے۔ ہر سورۃ کی تفسیر اس کی آیتوں کی ترتیب سے کرنے کی بجائے اس میں مضمون کی مناسبت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ کے خواص کے سلسلے میں سورۃ والنّٰزعات کی جملہ (۴۶) آیتوں میں سے فالسّٰبقٰت سبقاً سے فاراہ الایۃ الکبریٰ تک سترہ آیتوں کا بھی ترجمہ و تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔ اسی طرح آگے سورہ عبس کی تفسیر میں درج ذیل آیات کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور یہ خود سورہ تکویر کی تفسیر کے ضمن میں ہے اور پھر سورہ تکویر کی باقی چند آیتوں کی تفسیر ادھر سورہ فاتحہ کے خواص کے تذکرے میں ہوئی ہے۔ اس طرح کی بے ترتیبی سے سورتوں کی اکثر آیتیں تفسیر سے چھوٹ گئی ہیں مثلاً سورہ عبس سے "ثم اذا شاء انشرہ کلا لما یقض ما امرہ فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صباً ثم شققنا الارض شقاً فانبتنا فیہا حباً و عنباً و قضباً" اور سورہ تکویر کی آخری گیارہ آیتیں "انہ لقول رسول کریم" سے "رب العالمین" تک آیتیں تفسیر و ترجمہ سے رہ گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تفسیر بالقرآن میں موقع و محل سے قرآن شریف کی مختلف آیتیں مضمون اور سیاق عبارت کی موزونیت کے اعتبار سے مذکور ہو سکتی ہیں لیکن یہ عمل کہ مذکورہ آیتیں چونکہ کسی دوسری سورۃ کی تفسیر کے ضمن میں آ چکی ہیں اس لئے زیر تفسیر سورۃ میں ان آیات کی مکرر تفسیر کو غیر ضروری سمجھنا غلطی ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا کہ اس طرح کی تالیف خود ہمرنگ مصنف تفسیر چراغ ابدی نے کی ہے یا کسی اور نے ہم معنوی باتیں اور ایک سے واقعات کو مختلف سورتوں سے اکٹھا کر کے کتاب کی شکل دی ہے۔ قیاس ہے کہ یہ

کوشش مفسر کی طرف سے نہیں ہوئی ہوگی ورنہ وہ دیباچے میں اس امر کا ضرور تذکرہ کرتا اور شاید اس کتاب کا کوئی اور موزوں نام رکھتا یا کم از کم اس کو تفسیر چراغ ابدی سے موسوم نہ کرتا اس لئے کہ اس نام کی ایک مکمل تفسیر پارہ عم موجود رہی ہے۔

زیر نظر مخطوطے میں تفسیر کا اختتام سورۃ النازعات کے جزو آیت "والسابحات سبحاً" کے ترجمے و تفسیر پر ہوتا ہے۔ "والسابحات سبحاً اور قسم ہے ان فرشتوں کے جو آنی جانی والے ہیں زمین پر امر خدا سے جلدی"۔ اس کے بعد خاتمہ کتاب کی عبارت ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

"تمت تمام بالخیر مالک این کتاب علی عبد الرحمن
است ولد محمد جعفر چودری است اگر کسے
دعوا کند دعوا آن باطل است"۔

ہاشمی صاحب کا یہ کہنا بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہے کہ "یہ تفسیر سورہ الحمد سے شروع کی گئی ہے۔ اس کے بعد سورہ ناس اس طرح عم یتساءلون پر تفسیر ختم ہوئی" سطور بالا میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس کا اختتام سورۃ النازعات کے حرف "والسابحات سبحاً" کے ترجمہ و تفسیر پر ہوا ہے۔ اس میں سورہ ناس کی تفسیر تو کجا اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔ البتہ آغاز سورۃ الحمد سے ہوا ہے لیکن یہ "ذکر سورۃ الحمد" ہے نہ کہ "تفسیر سورۃ الحمد"۔ واقعہ یہ ہے کہ مخطوطہ نمبر (۹) مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ کے مرتب نے اصل تفسیر "چراغ ابدی" کے عنوان "ذکر سورہ فاتحہ" کے تحت کی عبارت اس نسخہ میں نقل کر لی ہے۔ اسی عبارت سے ہاشمی صاحب کو تفسیر سورہ فاتحہ کا دھوکہ ہوا۔ وہ عبارت ذیل میں نقل کی گئی ہے۔

"محصول الکونین میں آیا ہی کہ روایت کی ہیں
ابن عباس رضی اللہ عنہما (عنہ) نے کہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ کہتا ہی بندہ
الحمد للہ رب العلمین کہتا ہی حق تعالی شکر کیا
بندے نے میرے تمام نعمتوں پر اور جب کہ
کہتا ہے الرحمن الرحیم کہتا ہی خدائے تعالی
ثنا کہا میرے پر بندے میری اور جبکہ کہتا ہی
مالک یوم الدین کہتا ہی خدائے تعالی اقرار
کیا بندے نے میری اور جبکہ کہتا ہی ایاک نعبد
کہتا ہی خدائے تعالی اقرار کیا بندے نے میری
بندگی کا اور جبکہ کہتا ہی وایاک نستعین کہتا ہے
خدائے تعالی توکل کیا بندے نے میرے (پر)
اور حوالی کیا کام اپنا طرف میرے اور جبکہ
کہتا ہی اہدنا الصراط المستقیم الی آخر کہتا ہی
خدائے تعالی قسم کے کی ہی نماز یعنی پڑھنا
سورہ فاتحہ کا اندر نماز کی درمیان میرے
اور میرے بندے کے نصفا نصف یعنی آدا ہو آدا

---

۱ "بڑائی سے یاد کیا بھی بندگی نے میری"۔ مخطوطہ (۱۰۸) کتب خانہ آصفیہ
۲ "پر" مخطوطہ (۱۰۸)
۳ "تقسیم کی گئی ہی نماز یعنی پڑھنا سورہ فاتحہ کا" مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ

اور یاد کرے گا بندہ میرا جو کچھ (کہ) چاہے گا[۱]
اور لب الاخبار میں آیا ہی کہ رسول اکرم
صلعم نے فرمایا جب تک[۲] پڑھتا ہی مومن وقت
سونے کے فاتحہ الکتاب کو[۳] باہر آتا ہی گناہوں
سے اپنی مانند کسی ایک کے کہ جنا ہے ماں نے
اوس کی ابھی اور رہتے[۴] رہتے ہیں نزدیک
سر اوس کی ہزار فرشتے ... "
یہ تھی وہ عبارت جس سے ہاشمی صاحب کو تفسیر سورہ فاتحہ کا مغالطہ ہوا۔
اب تفسیر سورہ فاتحہ کا نمونہ مخطوطہ نمبر (۱۰۸) سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ تمام حمدیں ثنا کرنا اور خصلتیں نیک
کی زبانی اور شکر کرنا اوپر نعمتیں بی (ہے) عوض
کی حق سی جس حامدی ہوئی طرف محمود کی یہ سب
ثابت ہی خاص اللہ تعالی کیتیں کہ وہ لائق ہی
اس چیز کی اور حقیقت رکھتا ہی اس چیز کی اور
سوای اوس کی لائق نہیں ہی کہ سرایا جاوی
ساتھ ان صفتوں کمال کی رب العالمین ایسا
اللہ کہ مالک ہی اوپر پرورش کرنی والا ہی

---

۱ "جا ہو یگا" مخطوطہ (۱۰۸) ۲ "کو" مخطوطہ (۱۰۸)
۳ "جبتک" " " ۴ "رات رہتی ہیں" مخطوطہ (۱۰۸)

کل عالم کا کیکو روزی ظاہری کا پرورش کرتا ہی
اور کیکو روزی باطن سے اور کیکو سات طاعت
کی پرورش کرتا ہی اور کیکو سات محبت کی اور
کیکو سات معرفت کی اور کیکو سات وحدت کی
اگر ہر ایک کوئی اوپر یافت نعمت کی شکر ولی نعمت
کا بجا لاوی اور زیادتی نعمت کی طلب کری تو
حق تعالی کرم اپنی سی واسطی شکر شاکر کی نعمت زیادہ
کرتا ہی اہل طاعت کو مرتبہ محبت کا دیتا ہی اور
اہل محبت کو رتبہ معرفت کا اور اہل معرفت کو درجہ
وحدت کا عنایت کرتا ہی (اس کے بعد "عالمین" کی
مختلف اقوال سے تشریح کی گئی ہے) الرحمن الرحیم
رحمن رزق دینو الا دنیا میں تمام کافہ انام کو
علی العموم کی اور رحیم معاف کرنی والا آخرت
میں تمام مومنوں کی علی الخصوص کی ہی اور اسی
واسطی دعا میں کہا جاتا ہی کہ یا رحمن الدنیا و
رحیم الآخرۃ یا رحمن رحمت کرنی والا طرف
خلق کی علی العموم اور رحیم رحمت کرنی والا
طرف خلق کی علی الخصوص کی ہی اور معنی رحمت
کی چاہنا خدا تعالی کا نیکی کو طرف لائق اوس
نیکی کی ہیں یا معنی رحمت کی ترک کرنا عذاب کو
مستحق سی عذاب کی اور نیکی کرنا طرف اوسکی

کہ جو لائق کی نہیں ہے ہیں ۔ مالک یوم الدین
مالک ہی روز جزا کا اور قادر ہی اوپر پیدا
کرنی ذاتیں عدم کی طرف وجود کی کہ سوای
اوسکی دوسرا قادر نہیں یا جزا دینو الا ہی
روز جزا دینا کی بندونکو موافق اعمال اور
احوال اونہو کی کہ جزا مطیعون کی جنت
ہی اور جزا محبو نکی قربت اور جزا عارفونکی
وصلت ہی اور جزا موحدونکی تجلی خاص (اس
سلسلے میں مختلف اقوال پیش کئے گئے ہیں)
. . . ایاک نعبد تجھی ایک پوجتی ہیں اور
پوجتی ہیں ہم اور خاص بندگی اور فرمانبرداری
تیری کرتی ہیں ہم (عبادت کے بارے میں
خلوص کی تفصیل بیان کی گئی ہے) . . . .
پس قول بغیر فعل کی وبال ہی اور عبادت
بی اخلاص کی بدحال ۔ قطعہ

جو کوئی تیری کوچہ الفت میں در آوی
کافری جو پھر دیکھی در و بام کسیکا
ہمرنگ بجز یار کی اس دل میں خبردار
مت غیر کو آیندی نہیں کام کسیکا

و ایاک نستعین اور خاص تجھی یاری چاہتی
ہیں ہم عبادت اور بندگی کرنیمیں کہ تجھی بغیر

شرک اور ریا اور عجب اور رعونت کی
پوچھیں ......"

ترجمے کا رنگ وہی لفظی ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ وہ تفسیر سے الگ نہیں ہے۔
دونوں ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہیں کہ ترجمے کو تفسیر سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا
ترجمے کی عبارت کہیں تو تفسیر سے پہلے شروع ہوتی ہے مثلاً "الحمد للہ" کے تحت
اور کہیں درمیان تفسیر ہے مثلاً "رب العلمین" اور "الرحمن الرحیم" کے
تحت کی عبارت۔ اور جہاں تفسیر علحدہ بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ کی شان
نزول وغیرہ کی عبارت یا درمیان سورۃ کسی چیز کی تشریح۔ جیسے زمین آسمان
وغیرہ تو وہاں لفظی ترجمے کا سا انداز بہت کم پایا جاتا ہے بلکہ دیکھا جائے
تو عبارت ایک حد تک سلیس اور کہیں کہیں مقفیٰ بھی پائی جاتی ہے۔ نیز درمیان
تفسیر حسب موقع و محل تفسیر کے مفہوم کو اپنے اشعار سے تقویت بھی دی ہے
مثلاً ایاک نعبد کے تحت قطعہ لکھا ہے :۔

جو کوئی تیری کوے الفت میں در آوی
کافر ہی جو پھر دیکھے در و بام کسیکا
ہمرنگ بجز یار کی اس دلیں خبردار
مت غیر کو آنیدا نہیں کام کسیکا

ہمرنگ کے اسلوب اور زبان کے بارے میں معلومات کی خاطر
سورۃ النبأ کی تفسیر سے بھی کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نی
خلق کو طرف دین اور اسلام کی بلائی

اور کلام الٰہی کا پڑھ کر سنائی اور قیامت کے
دن کا خوف بتائی کافرونی (کافروں نے) پیغمبری
میں رسول ہونیوں اور اوترنی میں قرآنکی اور مری
کی بعد اوٹھنی میں اختلاف کیتی اور ایک دوسری
سی پوچھتی تھی یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سی
اور مومنوں سی پرسش کرتی تھی حق سبحانہ تعالیٰ
نی فرمایا عم یتساءلون کس چیز کا پوچھتی ہیں
کافران عن النبأ العظیم پوچھتی ہیں خبر بڑی سی
یعنی قرآن اور نبوت سی الذی ہم ایسی وہ خبر
کہ یہ کافران بیچ اوس خبر کی مختلفون اختلاف
کرنی والی ہیں یعنی قرآن کو جادو اور شعر اور
کہانت سی نسبت دیتی ہیں اور خوبیدا اور
کہانی بولتی ہیں اور پیغمبر علیہ صلوات اللہ الاکبر
کو کہتی ہیں کہ وہ پیغمبر ہی یا نہیں یا ساحر یا شاعر
یا مجنون اور دن قیامت کا بعضی کہتی تھی کہ
ہویگا اور بتان ہماری شفاعت کرینگی اور
بعضی کہتی تھی کہ دن قیامت کا ہرگز نہ ہویگا
اور سوائی زندگی دنیا کی پھر اور زندگی نہیں
ہی اور بعضی شک میں تھی کہ ہوگی یا نہیں حق
سبحانہ تعالیٰ شانہ نی فرمایا کلا سیعلمون
حقا کہ شتابی ہی کہ جانینگی کافران دن

قیامت کا نزدیک جان کندنی کی اور مرنی
کی وو دن حق ہی واسطی ظاہر ہونی نشانیاں
اوس دن کی بیچ اس وقت کی تم کلا سیلون
بیچ بھی تحقیق شتابی ہی کر جاینگی دلها قیامت
کی جھوٹی باتیں اور اعتقاد پلید اپنی الم نجعل
الارض آیا نہیں کیا ہمنی زمین کیتین مہاداً
فرشش ایک بچھا ہوا تھا کہ مکان رہنے کا تمہاری
ہووی۔
تنبیہ :۔ جو جاننا چاہی کہ اندر کرۂ آب کی زمین
مانند گیند کی پڑی ہی ایسی کہ آدھی سی زیادہ
پانی میں غرق ہی اور آدھی سی کم باہر ہی
اور جو کہ باہر ہی پھر وہ دو قسم پر ہی۔ ایک
قسم تو محض ویران ہی کہ نشانی معموری کی
بیچ اوس کی اصلا نہیں ہی اور دوسری قسم
معمور ہی کہ اسی ربع مسکون کہتی ہیں اور
اسمیں دریائیں پہاڑیں اور میدانیں
اور جنگلیں اور شہریں واقع ہیں اور
مساحت اس کی ایک سو بیس برس کی راہ
ہی۔ اوس میں سے تو دس برس کی راہ
تو یاجوج اور ماجوج جو فرزندوں سی
یافث بن نوح علیہ السلام کی ہیں رہتی

ہیں اور بارہ برس کی راہ حبشہ بستی ہیں
اور آٹھ برس کی راہ روم اور تین برس
کی راہ عرب رہتی ہیں اور سات برس کی
راہ تمام لوگ دوسری ساکن ہے۔
امام احمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ
نے صحیح بخاری کی شرح میں اس طرح کی
تفصیل بعضی کتابوں سی نقل فرمائی ہے اور
یہی شرح مذکور میں لائی ہیں کہ زمین میں
مخلوقات بہوت ہی اتنی کہ بہ نسبت فرشتوں
کی اور شیاطین کی اور جن اور بنی آدم کی
ہزاریں کا ایک حصہ ہی۔ فائدہ :۔
تفسیر بقائی میں لائی ہیں کہ زمین پانی پر
ہی اور پانی مچھی پر اور مچھی تختی پر اور تختہ
فرشتی کے سر پر اور فرشتہ بیل کے سر پر
اور بیل پتھر پر اور پتھر کف پر دریا کی اور
دریا ثری[1] پر اور ثری دوزخ کی سر پر
اور دوزخ اندھاری پر اور اندھاری
کا پیچھی سوائی خدای تعالی کی کوئی جانتا
نہیں ہی کہ کیا ہی واللہ اعلم واحکم۔

---

[1] "دریا ثری پر اور ثری دوزخ کے سر پر" (نسخہ مولوی عبدالحق)

والجبال ۔ اور نہیں کیا ہمنی پہاڑوں کیتیں اوتاداً
یعنیں زمین کی تا بسبب اون کی زمین مضبوط رہی ۔
وخلقناکم اور پیدا کیا ہمنی تم کو ازواجاً ہر طرح
کی جوڑی نر اور مادہ تا کہ نسل تمہاری باقی رہی
یا پیدا کیا ہمنی تمہیں طرح طرح کی کالی اور
گوری دراز اور کوتی خوب اور ناخوب وجعلنا
اور کیا ہمنی نومکم نیند کو تمہاری سباتا راحت
بدن کی تمہاری کہ نیند حس و حرکت کو موقوف
کری تا قوت حیوانی آرام پکڑی اور ماندگی تمہاری
زائل ہوی "۔

تفسیر شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے اس سلسلے میں متعدد کتب و تفاسیر مثلاً تفسیر درد، جامع صغیر، تفسیر تنزیل، معالم التنزیل، تفسیر کشاف، تفسیر کسائی، قوت القلوب، فتوحات مکیہ، تفسیر حسینی، تفسیر بیضاوی، صول الکونین وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔

دیباچے میں خود مفسر نے تفسیر کی زبان کی صراحت ان الفاظ میں کردی ہے ۔

" . . . ہندی زبان میں کہ بالفعل اورنگ آباد
کے لوگوں کا محاورا ہے ۔ "

اس لئے ہاشمی صاحب نے اس کو " زبان دکھنی سے زیادہ شمالی ہند کی اردو سے ملتی ہوئی " لکھا ہے۔[۲] مولوی عبدالحق نے اس سلسلے میں جو

---

[۲] فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ فن تفسیر مخطوطہ (۹)

رائے لکھی ہے وہ بھی ذیل میں درج ہے :۔

" اس میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ مولف
نے اورنگ آباد کی زبان کی علٰحدہ حیثیت قرار
دی ہے جس کا دکھنی زبان سے تعلق نہیں ہے
اور ہے بھی یہی کہ ابتدا سے اور خصوصاً شاہجہاں
اور اورنگ زیب کی صوبہ داری میں اس کا
تعلق زیادہ تر شمالی ہند کی زبان سے رہا اور
وہاں کے اہل زبان اور شعرا نے جو زبان
لکھی ہے وہ حیدرآباد، بیجاپور اور علاقہ مدراس
کی زبان سے بالکل الگ ہے۔ وہ زیادہ تر
شمالی ہند کی زبان کی تقلید کرتے تھے "۔[۱]

صاحب تفسیر نے تمہید میں اس تفسیر کے قلم بند کرنے کی غایت یہ بتائی ہے کہ دکنی تفاسیر کی زبان اہل اورنگ آباد کے لئے نامانوس سی ہے۔ اس لئے انھوں نے یہ تفسیر اورنگ آباد کے محاورے میں لکھی ہے تاکہ اس علاقے کے رہنے والے اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں اور سمجھ سکیں۔ ہر رنگ نے واقعی یہ تفسیر اورنگ آباد کے محاورے میں لکھی ہے۔ تفسیر کی زبان کا جائزہ لینے سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اورنگ آباد کی زبان کی کیا خصوصیات ہیں۔ شمالی ہند سے اورنگ آباد میں قدیم اردو کی دو لہریں آئیں۔ ایک لہر عہد محمد تغلق میں دلی والوں کے ساتھ آئی جو سلطنت بہمنیہ کے قیام کے

---

[۱] قدیم اردو صفحہ (۱۲۵)

بعد گلبرگہ پہونچی اور پھر گلبرگہ سے بیجاپور، احمد نگر اور گولکنڈہ میں پھیل گئی۔ زبان کی دوسری لہر اورنگ زیب کے ساتھ آئی۔ جو دلی کے اطراف و اکناف کی بولیوں سے متاثر ہو کر ترقی کے منازل طے کر رہی تھی۔ اور دکنی میں وہی قدیم اردو مروج تھی۔ جو عہد محمد تغلق میں آئی تھی۔ فتح دکن کے بعد شمالی ہند والوں کا تانتا دکن کی طرف بندھا تو یہ سب آ کر اورنگ آباد میں مقیم ہونے لگے اور ان کی ترقی یافتہ زبان کا اثر اورنگ آباد کے ان باشندوں پر پڑنے لگا جنھوں نے اپنے آباء و اجداد سے وہ زبان سیکھی تھی جو عہد محمد تغلق میں اورنگ آباد آئی تھی۔ ویسے اورنگ زیب نے پورے دکن کو فتح کر لیا تھا لیکن اس کا دار الخلافہ اورنگ آباد تھا اور اس کے ساتھ آئی ہوئی فوجوں کی چھاؤنی بھی یہیں تھی۔ اورنگ زیب کے بعد ایک عرصے تک شمالی ہند سے شعراء، علماء اور اہل ہنر آتے رہے اور دکن کی زبان کا اثر اہل اورنگ آباد پر پڑتا رہا جس کی وجہ سے اہل اورنگ آباد کی زبان نہ وہ زبان رہی جو گولکنڈہ اور بیجاپور میں گیارہویں صدی میں دکنی کے نام سے موسوم ہوئی اور نہ تو اہل اورنگ آباد بالکلیہ طور پر شمالی ہند کا محاورہ اختیار کر سکے۔ اس طرح اہل اورنگ آباد کی زبان دکنی محاورے اور شمالی ہند کے محاورے کے ارتباط سے ایک گنگا جمنی زبان بن گئی۔ چنانچہ آج تک بھی اہل اورنگ آباد کی زبان کی یہی خصوصیت برقرار ہے اور یہ خصوصیت اس کو حیدرآباد کی دکنی زبان سے ممیز کرتی ہے۔ ہمرنگ کی زبان میں بھی یہی خصوصیت ملتی ہے۔ دکن والوں کے برخلاف وہ علامت "نے" بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ استعمال کہیں درست بھی ہوتا ہے اور کہیں غلط بھی۔ مثلاً " کافروں نے پیغمبری میں رسول مقبول کی اور اوترنی میں

قرآن کی اور مری کے بعد اوٹھنی میں اختلاف کیتی "۔ " بعض عزیزو فی زبان دکھنی ہندی آمیز میں تفسیر جز اخیر کی لکھی ہیں "۔

ان جملوں میں علامت فاعل " نے " شمالی ہند کے محاورے کے مطابق استعمال کیا ہے لیکن فعل کو بجائے مفعول کے تابع کرنے کے فاعل کے تابع کر دیا ہے۔

" حق سبحانہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا " امام احمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی شرح میں اس طرح کی تفصیل بعض کتابوں سے نقل فرمائی ہے "۔

ان جملوں میں " نے " کا درست استعمال ہوا ہے۔

" اٹھنا " فعل لازم کے ساتھ بھی " نے " کا استعمال کیا ہے ؎

نام میں چار رکھوں ایسا کر نکلے تاریخ
فکر کر دل نے اٹھا بولا " چراغ ابدی "

الف نون سے جمع بنانے کا قاعدہ دکنی کا خاصہ ہے۔ ہمرنگ الف نون سے بھی جمع بناتے ہیں اور واؤ نون سے بھی۔ جیسے " بتاں ہماری شفاعت کریں گے "۔ جانیں کے کافراں دن قیامت کا "۔ " جھوٹی باتیں " اور " پہاڑوں کتیں " یہ جمع کی صحیح مثالیں ہیں۔

ہمرنگ کے پاس جمع مونث کی ایک دلچسپ مثال بھی ملتی ہے۔ شمالی ہند کے محاورے میں مونث جس کے آخر میں " ی " نہ ہو اس کی جمع " یں " سے بناتے ہیں لیکن ہمرنگ نے اسی قاعدے سے مذکر اسماء کی جمع بنائی ہے۔ جیسے پہاڑیں میدانیں جنگلیں اور شہریں۔ جمع بنانے کا یہ طریقہ نہ شمالی ہند کے محاورے کے مطابق ہے نہ دکنی محاورے کے

مطابق۔

دکنی میں اسم مذکر ہو یا مونث حالت فاعلی ہو یا مفعولی ہر صورت میں جمع الف نون کے اضافے سے بناتے ہیں۔ اس کے برخلاف شمالی ہند میں جمع بنانے کے قاعدوں میں بڑا تنوع ہے۔ ہمزنگ نے "ی ان" سے جمع بنانے کا قاعدہ شمالی ہند سے لیا اور بلا لحاظ جنس جمع بنانے کا رجحان دکنی زبان سے لیا۔ اور دونوں کو ملا کر جمع کی جو شکل بنائی وہ نہ اہل شمال کے مطابق ہے اور نہ اہل دکن کے۔

متعلق فعل وقت کے لئے "شتابی" کا لفظ صرف اہل دہلی استعمال کرتے ہیں۔ اہل دکن کبھی استعمال نہیں کرتے۔ ہمزنگ نے یہ لفظ کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اہل دکن کاف بیانیہ بہت کم استعمال کرتے ہیں ہمزنگ نے مرکب جملوں میں جہاں ضرورت ہے کاف بیانیہ کو قواعد کی پوری پابندی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے جملوں کی ترکیب نحوی بالکل شمالی ہند کی زبان کے قاعدے کے مطابق ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے ان کی عبارت دکنی عبارت سے بالکل مختلف اور ممیز ہو گئی ہے۔ جیسے "بوجا چاہیئے کہ اندر کرہ آب کے زمین مانند گیند کے پڑی ہے ایسی کہ آدھی سے زیادہ پانی میں غرق ہے۔" "دوسری قسم معمور ہے کہ اسے ربع مسکون کہتے ہیں۔" اہل دکن اس مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "ربع مسکون کہتے سو دوسری قسم معمور کی ہے۔" بوجا چاہیئے بوجنا چاہیئے کی بجائے یہ خاص شمالی ہند کا محاورہ ہے۔ اہل دکن کبھی اس طرح نہیں کہتے "وبہوت" خالص دکنی ہے۔ شمالی ہند والے اس لفظ میں کبھی واؤ استعمال نہیں کرتے۔ اسی طرح "بھی" بھی دکن کی زبان ہے۔

۸۶ھ / ۹۲ء

۲۔ تفسیر قرآن مجید[۱]

تفسیر قرآن مجید کے نام سے کسی دکنی بزرگ نے پارہ عم کی تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر کا مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ نسخہ مکمل ہے۔ تفسیر سورہ نبا سے شروع ہو کر سورۂ ناس پر ختم ہوتی ہے۔ اور سب سے آخر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ مگر اس میں دیباچہ ہے نہ ترقیمہ اس لئے صاحب کا نہ نام ہی معلوم ہو سکا اور نہ تفسیر اور سنہ کتابت ہی کا پتہ چل سکا۔ مخطوطہ کا عنوان تو "تفسیر قرآن مجید" ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ زیر نظر پارہ عم کے علاوہ اور کتنے پاروں کی تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر کا آغاز سورہ نبا کی شان نزول کی حسب ذیل عبارت سے ہوتا ہے:۔

"ہر گاہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دعوت ظاہر کئی
اور قرآن خلق اللہ کتیں سنائی اور روز قیامت
کا خوف بتائی اور کفار نبوت میں حضرت کی اور
نزول میں قرآن کی اور بعث میں موت کی آپس

۱؎ نمبر مخطوطہ (۸۶۸) سائز (۲½ / ۸ / ۶) ورق ۲۰، سطر فی صفحہ (۱۵) ادارہ ادبیات اردو۔

میں اختلاف کر پیغمبر سی پوچھتی تھی۔ اس پر اللہ
تعالیٰ فرمایا ہی "عم یتساءلون" کس چیز کا سوال
کرتی ہیں کافران یعنی بعضی کافران قریش کی..."

تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر شاعر بھی تھا۔ تشریح کے لئے
بعض مقامات پر اشعار بھی لکھے ہیں اور غالباً یہ انھیں کے اشعار ہیں۔ چند
شعر ذیل میں پیش ہیں۔

باقی نہ رہے کس کی خبر بے خبری پر
ظاہر وہ خود آوے گا جب پردہ دری پر
مانع سے کہاں وارد انوار ربے مخفی
باطن میں جو ہیں اپنے مقرب بے ہنری پر

باغ دنیا گرچہ یا خورسند ہے
ہات سے باد خزاں کے بند ہے
گرچہ یک نان ہی پے دنیا کے نہ بھول
چرخ کے نانوں میں قرمین چند ہے

خدا دیا ہے تجے گر تونگری میں دخل
او مال گور تلک ہیگا رفیق بعد عمل
اگرچہ امر مقدر ہے عاقبت بالخیر
بدی کے تخم سے اکثر ہیا پیش اہل دول

نمونۂ عبارت کے لیۓ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" الحمد للہ رب العالمین تمام تعریف اول سے
آخر تک سزاوار ہی اللہ تعالے کیتیں ایسا
اللہ کہ پرورش کرنے ہارا ہی تمام عالم
کا الرحمن بخشنے ہارا ان کا دوسری بار
بعد فنا ہونی دنیا کی الرحیم بخشنے ہارا رحمت
سے دوسری بار بہشت میں داخل کرنی خاطر
مالک یوم الدین مالک مختار ہی روز محشر
کا جو چاہی حکم کرے ایاک نعبد تیرے تیئں
بندگی کرتی ہیں ہم کہ لائق عبادت کی ہی توں
و ایاک نستعین اور خاص تیرے مدد توفیق
بندگی چاہتے ہیں ہم کہ صاحب اعانت ہی توں
اہدنا الصراط المستقیم ہدایت فرما ہمارے
تئیں راہ مضبوط دین اسلام صراط الذین
انعمت علیہم ایسے راہ کہ نعمت دین ایمان
بخشیا توں ہم پر فضل سے اپنے ساتھ فایدہ
ہدایت نبوت اور رسالت کے غیر المغضوب
علیہم نہ راہ ان شخصوں کا کہ غضب کیے گئے ہیں
تیرے حکم کوں عدول کرنی سے ولا الضالین
اور نہ راہ ان گمراہ ہوں کا جو تیرے حبیب کی

رسالت کی قایل نہیں امین یعنی ایسا ہی ہو جو
قول فرشتو نکا ہی تمت تمام شد۔"

مفسر نے آیتوں کا کہیں تو صرف ترجمہ کر دیا ہے اور کہیں ترجمے کے ساتھ ساتھ تفسیری جملے اضافہ کر دیئے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر تو بجز ترجمے کی تفسیر کر دی ہے مثلاً "الرحمٰن الرحیم" :۔

"الرحمٰن :۔ بخشنے ہارا اکا دوسری بار بعد فنا ہونی دنیا کی۔"
"الرحیم :۔ بخشنے ہارا رحمت سے دوسری بار بہشت میں داخل کرنی خاطر"۔

یوں بھی الرحمٰن کی تفسیر میں اصل مفعول وجود یا زندگی ہونا چاہیئے۔ جو یہاں مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ نے الرحمٰن الرحیم کے تحت تفسیر میں لکھا ہے :۔

"بخشنے والا ہی وجود دوسری بار زیع آخرت کی پیچھی فنا ہونی جانکی۔ دو بار بخشنے والا ہی اسلی نوں کو نعتیں بہشت کے۔"

ایاک نعبد کے ترجمے میں مفسر نے "کر لائق عبادت کی ہی تون" سے حصر کا کام لیا ہے۔

"یترے تیئں بندگی کرتی ہیں ہم کر لائق عبادت کی ہی تون"۔

اسی طرح وایاک نستعین کے ترجمے میں لفظ "خاص" سے حصر کا کام لیا ہے۔

انعمت علیہم کے ترجمے میں ضمیر مفعول جمع مذکر غائب کی بجائے ضمیر جمع متکلم

استعمال کیا ہے "نعمت دین ایمان بخشیا تون ہم پر فضل سے اپنے" "مگر المغضوب علیہم" اور "الضالین" سے کون لوگ مراد ہیں یہ نہیں بتایا۔

سورہ ناس کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے میں صاحب تفسیر نے "خدا کی پناہ لینے" کی بجائے "خدا سے پناہ لے لی ہے۔" پناہ لینے کے اعتبار سے یہ ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے سے ملتا جلتا ہے۔ دونوں کے ترجمے ذیل میں بالمقابل درج کئے جاتے ہیں :۔

ترجمہ از تفسیر زیر نظر	ترجمہ از موضح قرآن شاہ عبدالقادرؒ
قل اعوذ برب الناس کہو ای مجہ پناہ لیتا ہوں میں پروردگار آدمیان سے	قل اعوذ برب الناس کہو کر پناہ مانگتا ہوں میں پروردگار آدمیوں کیسے۔
ملک الناس بادشاہ مردمان سے	ملک الناس اور بادشاہ آدمیوں کے سے۔
الہ الناس معبود سے آدم کے	الہ الناس اور بندگی کئے ہوئے آدمیوں کے سے۔

ذیل میں ایک ایسی آیت پیش کی جاتی ہے۔ جس کی تفسیر پہلے نثر میں ہے اور پھر اس کے حسب حال اشعار ہیں۔ ان اشعار سے جہاں مفسر کی شعری صلاحیت پر روشنی پڑتی ہے وہاں "دوران زر" (Circulation of Wealth) کے قرآنی نظریہ کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

آیت :۔ و انہ لحب الخیر لشدید (سورۃ العادیات پ ۳۰)

تفسیر :۔ انسان بنا ہو دوستے مال کی ہر آینہ سخت ہی یعنی بخل اسکا نہایت پہونچا ہی شیخ الاسلام کہتی ہیں کہ اگر مال کیتین دوست رکہتا ہی تو

دی یعنے خیر کرتا بچی پھر دیویں اور واسطے وارثوں کی ست رکھ کر داغ حسرت دل پر تری باقی رکھیں۔"

اس کے بعد اشعار ہیں :۔

مال وہ بہتر کسیکی کام آئے	خرچ کر محتاج کوئی آرام پائے
خیر میں دی خرچ کر برحسب حال	جمع کرتی ہیں بہ سنگ دسفال
دشمن اسکا خرچہ کر کہانیکا ہی	جمع کرنا طور دیکھا نیکا ہی
دیکھیئے دنیا ان بلاسے دین بھی	خاک اس کہانی پو تیرے گوشت گمی
بندگی کر کہا "گوا دا ہی تی	باغ دین کا بھی نظارہ ہی تی

زبان کسی قدر پرانی ہے۔ اسمار کی جمع الف نون سے بنانے کا طریقہ دکن میں بہت بعد تک بھی رہا ہے لیکن "یہ" کے لئے "ای" اور "یہ کر" کے لئے "ایک" کا استعمال مثلاً "مراد ایک نیت نیک دبد کا دل سے انکی باہر لادیئگی کیونکہ کوئی عمل نیت سے خالی نہیں" اور فعل ماضی مطلق یا الف کے ساتھ "بخشیا" زبان کی کسی قدر قدامت کو ظاہر کرتا ہے۔ ویسے نثر کے مقابلے میں شعر کی زبان زیادہ صاف ہے۔

اس لئے کہ ترجمے میں قرآن کے متن کی پابندی کی وجہ سے زبان میں ثقل اور بیان میں الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اشعار میں آزادی کی وجہ سے زبان صاف اور سلیس ہوگئی ہے۔ تاہم ترجمہ و تفسیر کی زبان بھی بہت پرانی نہیں ہے۔ اندازاً یہ تفسیر تیرھویں صدی ہجری کے اوائل کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔

۱؎ یہ لفظ "خیر" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ تفسیر تنزیل یا فوائد البدیہیہ

تفسیر تنزیل کے نام سے سید بابا قادری حیدرآبادی نے پورے قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔ یہ تفسیر بھی اپنے زمانے میں بہت مقبول ہوگی اور دیگر مقبول عام تفاسیر کی طرح اس کی بھی متعدد نقلیں کی گئی ہونگی مگر اس وقت تک اس نام کے صرف پانچ مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک کتب خانہ سالارجنگ میں ہے۔[۱] اور دو ادارہ ادبیات اردو میں ہیں۔[۲] ایک کتب خانہ آصفیہ میں ہے[۳]۔ اور ایک مخطوطے کا پتہ مولوی عبدالحق کے مضمون سے

۱؎ تفسیر مخطوط ۹۵ سائز (۹/۵) صفحات (۳۰۸) سطر فی صفحہ (۱۳) خط شکستہ کا قدیمی دکھنی۔ کتب خانہ سالارجنگ۔

۲؎ (۱) تفسیر مخطوط (۵۲۹) سائز (½۷/۱۲) اوراق (۳۲۸) سطر فی صفحہ (۲۱) خط صاف خفی نستعلیق۔ ادارہ ادبیات اردو۔

(۲) تفسیر مخطوط (۸۵۲) سائز (۹/۲) اوراق (۹۹) سطر فی صفحہ (۱۳) خط صاف خفی نستعلیق۔ ادارہ ادبیات اردو۔

۳؎ تفسیر مخطوط (۶۶) تفسیر تنزیل جلد چہارم سائز (۱۵/۱۰) صفحات (۲۱۲) سطر (۹) فی صفحہ۔ خط نستعلیق و نسخ۔ کتب خانہ آصفیہ۔

تفسیر مخطوط (۶۷) تفسیر تنزیل جلد پنجم سائز (۱۵/۱۰) صفحات (۶۰۷) سطر فی صفحہ (۹) خط نستعلیق و نسخ۔ کتب خانہ آصفیہ۔

ملتا ہے [1] آخر الذکر مخطوطہ ناقص الاول ہوگا۔ اسی لئے مولوی صاحب نے اس کے آغاز کے بارے میں کوئی معلومات بہم نہیں پہنچائی اور بطور نمونہ عبارت سورہ انعام کے پانچویں رکوع کی درمیانی آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے البتہ آخر کتاب سے سورۂ ناس کی تفسیر کے بعد ترقیمے کی عبارت درج کی ہے جو ذیل میں پیش ہے:۔

"خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ اس سورے (ناس) کے تئیں پانچ ناس پر تمام کیا اسی طرح اس تفسیر تنزیل کو بھی پانچ شخصوں پر تمام کیا اول یہ فقیر یعنی مصنف سید بابا قادری دوم حاجی میاں محمد علی سیوم محمد عبد الغفور خان یہ دونوں اس امر میں بہت کوشش رکھتے تھے۔ چہارم محمد سافر جوان صالح اور لائق خوش مزاج اور خوشنویس اور پنجم محمد واجد علی کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے تھے کہ خدائے تعالیٰ ان دو شخصوں کے لکھنے سے تفسیر تمام کروایا۔"

"خدائے تعالیٰ قرآن شریف کے تئیں حرف بے سے شروع کیا اور ختم قرآن کا حرف سین پر ہوا۔ ان دو حرفوں کے تئیں مرکب کرو تو لفظ بس کا حاصل ہوتا ہے یعنی ان دونوں حرفوں کے بیچ میں جو تمام قرآن ہے

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۲۸) [2] یہ لفظ "فقیر" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

بس کرتا ہے تیرے تئیں"۔

"(فرد) اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین
یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس اور
تصنیف بھی۔ تفسیر کی پانچ سال میں تمام ہوئی
کس واسطے کہ سن چالیس میں شروع ہوئی
اور سن سینتالیس میں تمام ہوئی دو سال کامل
ناغہ ہوئے۔ تمام شد تفسیر تنزیل بتاریخ بیست
و پنجم شہر ذی قعدہ در سن یک ہزار یک صد و
چہل و ہفت ہجرا النبوی"۔ [1]

مندرجہ بالا ترقیمے کی عبارت سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

۱۔ تفسیر تنزیل کے مصنف سید بابا قادری ہیں۔

۲۔ معاونین کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حاجی میاں محمد علی (۲) محمد عبد الغفور خان

۳۔ کاتب کے نام یہ ہیں:۔

(۱) محمد سافر (۲) محمد واجد علی۔

۴۔ سنہ آغاز تفسیر — ۱۱۴۰ ہجری

۵۔ سنہ تکمیل تفسیر — ۱۱۴۷ ہجری

سنہ آغاز و تکمیل تفسیر میں کتابت کی غلطی ہے۔ اصل میں یہ سنہ ۱۲۴۰ اور سنہ ۱۲۴۷ ہجری ہونا چاہیئے۔ آئندہ سطور میں اس پر روشنی ڈالی

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۲۸)

گئی ہے۔

۶۔ سنہ کتابت درج ذیل ہے غالباً سنہ
تکمیل تفسیر اور سنہ کتابت ایک ہی ہے
یعنی سنہ ۱۲۲۷ ہجری۔

کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطے میں صرف پارہ عم کی تفسیر ہے۔ آغاز سورہ "النباء" کی تفسیر سے کیا گیا ہے:۔

"جس وقت کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم دعوت ایمان کے آشکارا کئے
اور قرآن شریف خلق پر پڑھی ہے اور
قیامت کے روز سے ڈرائی بلکہ کفار
حضرت کے نبوت میں اور قرآن کے نازل
ہونے میں اور قیامت کے آنے میں اختلاف
کیئے۔۔"۔

خاتمہ کتاب کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبدالحق والے نسخے کی ہے البتہ اس میں خوشنویس محمد مسافر کا اصل نام غلام محی الدین ظاہر کیا گیا ہے۔

"۔۔۔۔ چہارم محمد مسافر نام غلام محی الدین
جوان صالح اور لائق خوش مزاج اور
خوش نویس۔۔۔۔"۔

نیز اس ترجمے کی عبارت سے آغاز اور اختتام تفسیر کے سنہ علی الترتیب ۱۲۲۰ ہجری اور ۱۲۲۷ ہجری معلوم ہوتے ہیں۔ مولوی

صاحب کے نسخے میں کاتب نے "دو صد" کے واؤ اور واؤ دونوں کو ملا کر غلطی سے "صد" لکھ دیا ہوگا اور مولوی صاحب کو صورت میں "یک" ہونے کا شبہ ہوا ہوگا اس لئے ممکن ہے یک صد ہی لکھ دیا۔

مولوی صاحب کے مضمون میں سنہ تفسیر کی عبارت پر ترجمہ ختم ہو جاتا ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس سے آگے کوئی تحریر نہ ہوگی اور اگر ہے تو مولوی صاحب نے اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ہوگی لیکن کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے میں اس کے بعد اور بھی عبارت ہے جس سے عصر کے زمانے کے تعین میں اور بھی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"۔۔۔ در عہد ناصر الملۃ والدین نواب
ناصر الدولہ بہادر ادام اللہ ملکہ و اقبالہ
وحفظ اللہ الحافظ الحقیقی عن الآفات
والاعداء کاتب الحروف محمد مسافر غفر اللہ
ذنوبہ وستر عیوبہ"۔

نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع تیرھویں صدی میں حکمران تھے نہ کہ بارھویں صدی ہجری میں جیسا کہ مولوی عبدالحق کے نسخے میں لکھا ہے۔ اس طرح یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ تفسیر تنزیل کا آغاز سنہ ۱۲۲۰ ہجری میں ہوا۔ جبکہ سکندر جاہ آصف جاہ ثالث حاکم وقت تھے۔ اور تکمیل تفسیر سنہ ۱۲۲۷ ہجری میں بزمانہ ناصر الدولہ آصف جاہ رابع ہوئی۔ اس طرح مولوی صاحب کے نسخے میں مندرج سنہ ۱۱۲۷ غلط ثابت ہوتا ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ کے زیر نظر مخطوطے کے ترجمے کی آخری عبارت میں مزید دو تین سطریں درج ہیں:۔

"بتاریخ ۴ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۲ ہجری برائے[1]
شیخ احمد چوبدار
در خانزانہ کتب خانہ نوشتہ شدہ"

اس سے مزید دو تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ نسخہ زیر نظر کی کتابت کی تکمیل ۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۲ ہجری کو ہوئی۔ دوسری یہ کہ اس نسخے کی کتابت شیخ احمد نامی چوبدار کی فرمائش پر یا اس کی خاطر ہوئی ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس نسخے کی کتابت "خنزانہ کتب خانہ" میں ہوئی۔ گو اس کتب کے نام کی ترکیب غلط ہے اور کیا تعجب کہ اس ہیئت ترکیبی میں کاتب کی کارگزاری شامل حال رہی ہو تاہم سمجھا جا سکتا ہے کہ اس وقت حیدرآباد میں دینی تعلیم کے لئے اسی قسم کے نام کی کوئی درسگاہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خانقاہ یا درسگاہ ہو جہاں سید بابا قادری مفسر تفسیر تنزیل درس تفسیر دیا کرتے ہوں۔

خاتمۂ کتاب اور ترقیمہ کی عبارت کے بعد عموماً کتاب اختتام کو پہنچ جاتی ہے لیکن زیر نظر نسخے کے صفحۂ مختتم کی پشت والے صفحہ پر سورہ فاتحہ کا ترجمہ درج ہے اور یہ ترجمہ و تفسیر تین صفحوں پر مشتمل ہے۔

ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطے نمبر (۵۲۹) میں نصف اول قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ تفسیر کا آغاز سورہ فاتحہ[2] سے ہوا ہے اس کے بعد سورہ بقرۃ ہے اور اختتام پندرہویں جزو کی آخری آیت "لقد جئت شیئاً نکرا"

۱؎ یہ لفظ "برائے" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔ ۲؎ "تفسیر اذا جاء" کے ساتھ "تفسیر پارہ عم" کا مقالہ ندا کے اوراق پر ذکر کیا گیا ہے وہاں سورہ فاتحہ کے ترجمے و تفسیر پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

پر ہوا ہے۔ آغاز تفسیر سے پہلے ایک دیباچہ بھی ہے جس کی ابتدائی دس سطریں عربی میں اور مابقی دس سطریں فارسی میں لکھی ہیں۔ حمد و نعت کے بعد کی عبارت سے سبب تفسیر کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سید بابا قادری کے وعظ و تدریس کے حلقوں میں جو حضرات شریک ہوتے تھے ان میں سے ان کے مخلص دوستوں مثلاً سید لعل شاہ و سید قلندر بخش متوطن سرہند (جو حضرت بندگی اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے) اور بالخصوص مرزا مغل بیگ ابن مرزا حاجی محمد صالح بیگ خان نے اس خیال کے پیش نظر کہ پہلے کے علمائے عربی اور فارسی میں تفسیریں لکھی ہیں اب ان سے "ہندی" میں تفسیر لکھنے کی فرمائش کی۔ آغاز تفسیر کے بارے میں لکھا ہے۔ "پس شروع کردم در تالیف کتاب فی شہر ذی قعدہ وسنہ ۱۲۴۰ اربعین و مائتین بعد الالف من الہجرت المبارک[1] در عہد نواب مستطاب سکندر نژاد فریدون عصر نواب سکندر جاہ بہادر ادام اللّٰہ ملکہ و متع المسلمین بطول بقائہ و حفظہ اللّٰہ الحافظ الحقیقی عن الافات والبلیات واعتصمت بحبل اللّٰہ المجیب علیہ توکلت والیہ انیب نام نہادم ایں تفسیر را بہ تفسیر تنزیل واللّٰہ الموفق بالاتمام"۔

مندرجہ بالا عبارت سے بھی یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ سید بابا قادری نے نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں سنہ ۱۲۴۰ ہجری سے تفسیر کا کام شروع کیا اور تفسیر کا نام "تفسیر تنزیل" رکھا۔ زیر نظر نسخے میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ ترقیمے میں صرف یہ عبارت[2] ہے

۱؎ یہ لفظ "ایں" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔ ۲؎ "من الہجرۃ المبارکۃ" ہونا چاہیئے۔

"تفسیر پانزدہ جز بتاریخ یزدہم شہر صفر المظفر
سنہ ۱۲۵۲ ھ با تمام رسید۔"

ترجمے میں مندرج سنہ حقیقت میں تفسیر تنزیل کے اصل نسخے کی کتابت
کا یا تکمیل تفسیر کا سنہ نہیں ہے بلکہ یہ اصل نسخے سے زیر نظر مخطوطے کی نقل
کا سنہ ہے۔

"تفسیر تنزیل" غالباً تاریخی نام ہے اور اس سے تکمیل تفسیر کا
سنہ ۱۲۲۷ برآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ دیباچے کے آخری فقرے "نام نہادم
این تفسیر را بہ تفسیر تنزیل واللہ الموفق بالاتمام" کے محاذی حاشیے پر
مکرر "تفسیر تنزیل" سرخی میں لکھا ہے اور اس کے اوپر ۱۲۲۷ کا جدسہ
درج ہے۔ ترجمے کی اس عبارت کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی ایک
مستطیل مہر "عنایت جنگ سنہ ۱۳۲۳ ہجری" ثبت ہے۔ مخطوطے کے پہلے
ورق کے داہنے حاشیے پر بھی یہی مہر لگی ہے۔ ڈاکٹر زور نے لکھا ہے کہ:
"یہ نسخہ نواب صاحب موصوف ہی کا عطیہ ہے۔"[1]

ادارہ ادبیات اردو کے تفسیر تنزیل کے دوسرے مخطوطے (۸۵۲)
میں صرف ابتدائی دو جز و آلم اور سیقول کی تفسیر درج ہے۔ اس کی ابتدا
پہلے نسخے (۵۲۹) کی طرح ہے البتہ زیر نظر مخطوطے (۸۵۲) کے دیباچے
میں مفسر کا پورا نام ملتا ہے۔

"اما بعد فیقول الفقیر الحقیر بلا بضاعت سید محمد
درویش بابا القادری الحیدرآبادی ....۔"

---

[1] تذکرہ مخطوطات جلد سوم ادارہ ادبیات اردو۔

اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ اختتام دوسرے جزو کی آخری آیت
کے ترجمے پر ہوا ہے اور اس کے بعد تیسرے جزو کا صرف نام لکھا ہے۔

"ہمارے حکم سے جبرئیل اوپر تمہارے پڑھتے
ہیں بالحق سات راستی کے یعنی جیسا کہ لوح محفوظ
پر لکھا ہوا ہے۔ وانک اور تحقیق تم اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم لمن المرسلین البتہ رسولوں
میں سے ہو۔ تلک الرسل۔"

کتب خانۂ آصفیہ میں تفسیر تنزیل کی صرف جلد چہارم اور جلد پنجم ہی
ہیں۔ جلد چہارم قرآن مجید کے دسویں جزو کی آخری آیتوں کے معنی و تفسیر
سے شروع ہوتی ہے:

"روتے ہوئے چلے گئے[1]۔ ابن عمر اور حضرت
عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اون
لوکو نکیتیں توشہ اور سواریاں دے کر اپنے
ساتھ لے گئے پس خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
کہ اگر اس طور سے لڑائی میں نہ آویں اوپر
کچھ گناہ نہیں ہی۔ انما السبیل نہیں ہی کچھ گناہ
علی الذین اوپر اون لوگوں کی جو بے سامانی
کے سبب سے یستأذنونک حکم طلب کریں
تمہارے گھر میں رہنے کا وہم اغنیاء اور

---

[1] تولوا و اعینہم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون۔

وہ لوگ کہ تونگر ہیں اور توشہ اور سواری اونکی
ساتھ تیار ہے رضوا بان یکونوا راضی ہوی ساتھ
اس بات کی کہ رہیں مع الخوالف ساتھ گھر میں
رہنے والونکی یعنی ساتھ عورتونکی اور بچونکی و
طبع اللہ اور مہر کیا خدائے تعالے گمراہی کے
علی قلوبہم اوپر دلوں اونکی فہم لایعلمون
پس وہ لوگ نہیں جانتے ہیں اپنے عاقبت
کے تیں کہ اس نافرمانے کے سبب سے مستحق
عذاب دوزخ کے ہوینگی"۔

یہ جلد اکسویں پارہ کی پہلی آیت " اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" کی تفسیر کے سلسلے پر ختم ہوتی ہے:۔

"روایت ہے کہ انصار میں سے ایک جوان
تھا کہ ہمیشہ رسول خدا صلعم کے ساتھ جماعت
کے نماز پڑتا تھا اور کوئی قسم کا فاحشہ
نیں چھوڑتا تھا جو وقت لوگوںنے یہ کیفیت
رسول خدا صلعم کے روبرو عرض کیے"۔

اس تفسیر کا سلسلہ جلد پنجم میں آغاز کی عبارت کی حیثیت سے جاری رکھا گیا ہے:۔

"تو حضرت نے فرمائی کہ قریب ہے کہ وہ
نماز اوس شخص کتیں فاحشہ سے باز

رکھیں گے تھوڑے زمانے کے بعد وہ شخص
فاحشہ سے توبہ کیا اور زہاد صحابہ میں ہوا۔۔۔۔"

جلد پنجم میں قرآن مجید کے ثلث آخر کی تفسیر ہے جو سورہ ناس پر ختم ہوتی ہے۔ اختتام کی عبارت وہی ہے جو سالار جنگ کے کتب خانے کی تفسیر تنزیل (۲) کی ہے۔ لیکن اس میں ترقیمے کی آخری عبارت "کاتب الحروف محمد سافر غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ" نہیں ہے اس لئے زیر نظر مخطوطے کے کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا البتہ جلد چہارم کے سرورق پر خوشخط بقلم جلی کتاب کے نام کے علاوہ مفسر و معاونین کے بھی نام حسب ذیل ترتیب میں درج ہیں:۔

تفسیر تنزیل
مصنف
سید بابا صاحب قادری
معاونین

(۱) حاجی میاں محمد علی صاحب (۲) محمد عبدالغفور صاحب
(۳) محمد سافر صاحب خوشنویس محمد واجد علی صاحب خوشنویس

تاریخ ابتداء تصنیف سنہ ۱۲۲۰ ہجری
تاریخ تکمیل ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۲۷ ہجری

مگر یہ مندرجہ بالا ترتیب اور اس کی کتابت حالیہ دور کی معلوم ہوتی ہے جو بوقت جلد بندی عمل میں لائی گئی ہوگی۔

سید بابا قادری کی تفسیر تنزیل کا نام "فوائد بدیہیہ" بھی ہے۔ اس نام کی تفسیر کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ تین جلدوں میں

ہے[1]۔ پہلی جلد میں دیباچے کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورہ بقرہ سے بارہویں جزو کے تقریباً دو رکوع تک ترجمہ و تفسیر ہے۔ دوسری جلد کا آغاز پہلی جلد کے خاتمے کی قرآنی آیت کے سلسلے سے ہوا ہے اور اختتام اٹھارویں جزو کی سورہ نور کی چند آیتوں پر ہوتا ہے۔ ان آیتوں کا سلسلہ تیسری جلد میں جاری رکھا گیا ہے اور سورہ ناس پر ختم ہوا ہے۔ اس طرح فوائد بدیہیہ مکمل تفسیر ہے۔ لیکن مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون[2] میں اس کو نہ صرف ناقص الآخر بتایا ہے بلکہ اس کا تذکرہ سید بابا قادری کی ایک علاحدہ ہی تفسیر کی حیثیت سے کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"ایک صاحب سید بابا القادری متوطن حیدرآباد
دکن نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے جس کا نام
"فوائد البدیہیہ" ہے۔ اصل میں یہ قرآن شریف
کا ترجمہ ہے تفسیر برائے نام ہے کہیں ایک آدھ

---

[1] تفسیر فوائد البدیہیہ جلد اول (ثلث اول) (۱۳۹) سائز (۵/۹) صفحات (۱۱۲۳) سطر فی صفحہ (۱۵) خط نسخ و نستعلیق۔

تفسیر فوائد البدیہیہ جلد دوم (ثلث دوم) (۱۳۰) سائز (۵/۹) صفحات (۱۰۱۲) سطر فی صفحہ (۱۵) خط نسخ و نستعلیق۔

تفسیر فوائد البدیہیہ جلد سوم (ثلث آخر) (۱۳۱) سائز (۵/۹) صفحات (۷۳۰) سطر فی صفحہ (۱۵) خط نسخ و نستعلیق۔

[2] "پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں" صفحہ (۱۴۹) قدیم اردو۔

جملہ یا لفظ بطور تفسیر کے آجاتا ہے۔ خود مولف
نے بھی اسے ترجمے ہی سے موسوم کیا ہے
جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔ یہ بھی شاہ
عبدالقادر کی طرح اپنی زبان کو ہندی سے
تعبیر کرتے ہیں۔ سنہ تصنیف ۱۲۲۰ ہجری کی
ہے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار
عالی میں موجود ہے۔ آخری حصہ نہیں ہے۔"

بات اصل یہ ہے کہ تفسیر تنزیل اور فوائد بدیہیہ ایک ہی تفسیر کے دو نام ہیں۔ مولوی صاحب کو تسامح ہوا ہے جس کی پہلی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ تفسیر تنزیل کا سنہ مولوی صاحب کے مضمون میں غلط درج ہے۔ سہو کتابت سے بجائے سنہ ۱۲۲۰ کے سنہ ۱۱۲۰ ہجری لکھ دیا گیا ہے۔ جس کے تعلق سے پچھلے صفحات میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور یہی سنہ فوائد بدیہیہ کی تفسیر کا بھی ہے۔ اور دونوں کا مفسر سید بابا قادری ہی ہے۔ تسامح کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تفسیر تنزیل کا نسخہ جس کا مولوی صاحب نے تذکرہ کیا ہے ناقص الاول ہوگا اس لئے کہ فوائد بدیہیہ کے آغاز کے سلسلے میں تو مولوی صاحب نے دیباچے کی عبارت جس میں مفسر کے نام، سبب تفسیر اور سنہ تفسیر کی صراحت موجود ہے، مضمون میں نقل کی ہے لیکن تفسیر تنزیل کے آغاز کے تعلق سے دیباچے یا تمہید کی قسم سے کوئی بھی عبارت تحریر نہیں کی۔ مولوی صاحب کی نقل کی ہوئی فوائد بدیہیہ کے دیباچے کی عبارت ذیل میں درج ہے اور یہی دیباچہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخہ فوائد بدیہیہ

میں یوں ہے۔

"اما بعد فیقول الفقیر الحقیر بلا بضاعت سید
بابا القادری الحیدرآبادی جن سیدی و
مرشدی و علامۃ العصر الجامع بین علوم الظاہر
و الباطن و صاحب التصانیف فی المعقول و
المنقول و التصوف سید شاہ محمد یوسف القادری
بن سید شاہ محمد اسکنہم اللہ المجوبہ جنانہ[1]
انی قد اخذة[2] الخرقۃ من انی الیمنی[3] حضرت
شاہ عبداللہ القادری المتعارف بہ قطبی صاحب
نفعنا اللہ بہ دعمرہ الیٰ[4] عصر الاکبر روزے چند
بتدریس و وعظ اشتغال داشت کہ بعضے
از دوستان صمیمی سید لعل شاہ و سید قلندر
بخش متوطن سرہند از اولاد حضرت بندگی
اسمٰعیل قدس سرہ خصوصاً مرزا محمد بیگ بن مرزا

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے (۱۳۹) میں "بجوحۃ جنادہ" ہے۔ اصل میں "بحبوحۃ جنانہ" ہونا چاہیے کاتب کی غلطی ہوگی۔

[2] "اخذت" ہونا چاہیے کتابت کی غلطی ہوگی۔

[3] "من انی الیمین" ہونا چاہیے۔

[4] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے (۱۳۹) میں "حضرت سید شاہ عبداللہ القادری" ہے۔

[5] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے (۱۳۹) میں یہ لفظ "الی" ہے۔

حاجی بیگ خاں و میاں محمد علی باعث کہ
شدند (؟) علمائے پیشین علی قدر ہم[1]
تفاسیر عربی و فارسی تالیف فرمودہ انفسہ
الاکر[2] ہم مایان مغلوب القصور از دراک
آن قاصر باید کہ تفسیر بعنوان ترجمۂ کلام مجید
بزبان ہندی در تحریر آید کہ فائدہ وغیرہ از
قصص مرتب الاحوال گردد۔ لہذا نظر دفور[3]
اشتیاق ایشان نمودہ خواست کہ آنچہ
در فہم ناقص آید بزبان ہندی ترجمۂ
کلام ربانی و بعضے کلام شان نزول
مفید بہ قلم آرد۔[4] لہذا مستدعی از ناظران
عالی فطرت آنست کہ ہر جا[5] کہ خطا و سہو

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے (۱۳۹) میں علامت استفہام نہیں ہے۔ "باعث شدند کہ علمائے پیشین علی قدرہم" ہوگا۔ کاتب کی غلطی ہوگی۔

[2] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخے (۱۳۹) میں "کہ ہم مایان" لکھا ہے۔ "الاکہ ہم مایان" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[3] کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطے (۱۳۹) میں "نظر بر دفور" لکھا ہے۔ "نظر بہ دفور اشتیاق" ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[4] کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطے (۱۳۹) میں "بعض کلام شان نزول مفید قلم آرد" لکھا ہے۔ "شان نزول بعضے کلام" مناسب تھا۔ [5] کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطے (۱۳۹) میں "ہر جا" لکھا ہے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

واقع شود قلم اصلاح بران جاری دارند و از
طعن معاف فرمایند۔ پس شروع کردم[1] ایں کتاب
فی شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۰[2] اربعین و مائتین
بعد الالف من الہجرۃ المبارکۃ۔ در عہد نواب
مستطاب سکندر نژاد فریدوں عصر نواب سکندر
جاہ بہادر ادام اللہ ملکہ و متع المسلمین بطول
بقائہ ....[3] و نام نہادم تفسیر را فوائد
بدیہیہ[4]"۔

"تفسیر تنزیل کا دیباچہ بھی یہی ہے۔ اور اس سے یہی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اقتباس ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطہ "تفسیر تنزیل" کے سلسلے میں اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ دونوں دیباچوں کی عبارت میں فرق صرف نام کا ہے۔ ایک میں "نام نہادم تفسیر را" کے بعد "تفسیر تنزیل" ہے تو

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطے (۱۳۹) "درین کتاب فی شہر ذیقعدہ ... بعد الالف من الہجرۃ العبارہ" لکھا ہے۔ کتابت کی غلطی ہے۔ "ایں کتاب فی شہر ذیقعدہ .... بعد الالف من الہجرۃ المبارکۃ" ہونا چاہیے۔

[2] مولوی عبدالحق نے نیچے حاشیے میں لکھا ہے کہ "کاتب نے اصل کتاب میں غلطی سے سنہ ۱۲۰۴ھ لکھ دیا ہے۔"

[3] کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطے (۱۳۹) میں اس جگہ یہ عبارت ہے۔ "حفظہا الحفیظ الحقیق من الآفات والبلیات واعتصمت بحبل اللہ الحبیب علیہ توکلت والیہ انیب" اصل میں "حفظہ" "الحافظ الحقیق" ہونا چاہیے۔

[4] تفسیر تنزیل مخطوطہ (۵۲۹) ادارہ ادبیات اردو۔

دوسرے میں "فوائد بدیہیہ"۔ اس کے علاوہ فوائد بدیہیہ کے دیباچے میں فرمائش کنندگان کے ناموں میں ایک نام مرزا محمد بیگ بن مرزا حاجی بیگ خاں لکھا ہے تو تفسیر تنزیل میں اس نام کو "مرزا افضل بیگ خاں ابن مرزا حاجی محمد صالح بیگ خاں" لکھا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بعض الفاظ کی کتابت کی غلطیوں اور تفسیر کے ناموں کے اختلاف سے قطع نظر دونوں ناموں کی تفسیروں کا دیباچہ ایک ہی ہے۔ نیز فوائد بدیہیہ کو تفسیر تنزیل ہی سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ فوائد بدیہیہ کے دیباچے میں تو "نام نہادم تفسیر را فوائد البدیہیہ" لکھا ہے لیکن اس کے ترقیمے میں اس کو تفسیر تنزیل سے موسوم کیا ہے۔[1]

"مصنف تفسیر تنزیل سید بابا قادری کاتب الحروف
فقیر حقیر اضعف[2] العباد اللہ القوی الباری محمد
رجب ولد محمد احمد ولد محمد محی الدین الہی بیا مرزا
ایہا ہرسہ را، مصنف و قاری و نویسندہ را
بروز سہ شنبہ در ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۱
بوقت سہ پہر با تمام رسید"۔

مولوی عبدالحق کے نسخوں میں تفسیر تنزیل کے ناقص الاول ہونے اور فوائد بدیہیہ کے ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے مولوی صاحب کو دونوں کے دیباچے، خاتمے اور ترقیمے کا مقابلہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہوگا۔

---

[1] مخطوطہ تفسیر فوائد بدیہیہ (۱۲۱) جلد سوم کتب خانۂ آصفیہ۔

[2] "اضعف عباد اللہ القوی الباری" ہونا چاہیے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

اور وہ دونوں کو علاحدہ علاحدہ تفسیر قرار دینے پر مجبور ہوگئے۔ یہ قیاس اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فوائد بدیعیہ سے صرف دیباچے کی عبارت نقل کی ہے۔ اور تفسیر تنزیل سے خاتمے اور ترقیمے کی عبارت لی ہے۔ بصورت دیگر ہر ایک سے دیباچے اور خاتمے و ترقیمے کی عبارت پیش کی جاتی۔ نیز یہ تفسیر تنزیل کے ناقص الاول ہونے کی دلیل ہے کہ اس کے بجائے موجودہ پہلے صفحے پر جو بھی عبارت تھی نمونے کے لئے نقل کر دی گئی اور یہ عبارت سورہ انعام کے پانچویں رکوع کی درمیانی آیتوں کا ترجمہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فتحنا علیھم ابواب کل شئ حتی فرحوا بما اوتوا ۔ ۔ الخ "۔ نقل کے آغاز میں آیت کے ابتدائی کلمات "فلما نسوا ما ذکروا بہ" اور اس کا ترجمہ درج نہیں ہے۔ یہ اس نسخے کے ناقص الاول ہونے کا ثبوت ہے ورنہ مولوی صاحب آیت کو نامکمل صورت میں لکھ کر اس کا ادھورا ترجمہ نقل کرنا گوارا نہ کرتے۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی نے بھی اپنے مضمون[2] میں تفسیر تنزیل اور فوائد بدیعیہ کو ایک ہی تفسیر کے دو نام بتائے ہیں۔ اس سلسلے میں یکسانیت عبارت کے ثبوت میں آیات "قد افلح المومنون الذین ھم فی صلواتھم خاشعون" "یا ایھا المزمل قم اللیل" اور "قل اعوذ برب الفلق" کا ترجمہ و تفسیر بھی دونوں تفسیروں سے نقل کی ہے۔ لیکن ہاشمی صاحب نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ دونوں

---

[1] "کتب خانۂ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"۔

[2] رسالہ اردو بابتہ جنوری سنہ ۱۹۵۲ء۔

ایک ہی تفسیر ہونے کے باوجود دونوں کے خاتمے کی عبارتوں میں کمی بیشی کیوں پائی جاتی ہے۔ ذیل میں دونوں کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔

تفسیر تنزیل[1]	تفسیر فوائد بدیعیہ (مخطوطہ جلد سوم کتب خانۂ آصفیہ)
"انسان میں خدا یتعالی ظاہر کے ہواس[2] پانچ دیا۔ باصرہ سامعہ شامعہ[3] ذائقہ لامسہ اور باطن کے ہواس[4] بھی پانچ ہیں اور دین کے[5] پانچ فرضوں پر تمام ہوا۔ اول کلمہ توحید اور نماز اور روزہ اور حج اور زکات اور خدائے تعالی نمازان بھی پانچ فرض کیا ہے ظہر عصر مغرب عشا۔ خدائے[6] تعالی جیسا کہ اسی سورے کے تین	خدائے تعالی انسان میں ظاہر کے پانچ ہواس[7] دیا۔ باصرہ سامعہ شامہ ذائقہ لامسہ اور باطن کے بھی پانچ ہواس[8] ہیں اور دین بھی پانچ فرضوں پر تمام ہوا اول کلمہ توحید اور نماز اور روزہ اور حج اور زکات اور خدائے تعالی نمازان بھی پانچ فرض کیا۔ صبح ظہر عصر مغرب عشا۔ (اس کے بعد کی عبارت ۔ ۔ ۔ ۔

---

[1] تفسیر تنزیل (۷، ۶) کتب خانۂ آصفیہ و تفسیر تنزیل (۲) کتب خانۂ سالار جنگ

[2] "لفظ" "حواس" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[3] یہ لفظ "شامہ" ہے کتابت کی غلطی ہے۔

[4] یہاں لفظ "بھی" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔

[5] مولوی صاحب کے مضمون میں خاتمۂ کتاب کی عبارت کی نقل یہاں سے ملتی ہے۔

[6] مولوی صاحب نے سورۂ ناس کا نام قوسین میں اپنی طرف سے زیادہ کیا ہے۔

پانچ ناس پر تمام کیا اسی طرح اس
تفسیر تنزیل کو بھی پانچ شخصوں پر
تمام کیا۔ اول یہ فقیر[1] یعنے مصنف
سید بابا قادری دوم حاجی میاں
محمد علی سیوم محمد عبد الغفور خاں یہ
دونوں شخص اس امر میں نہایت
کوشش رکھی تھی[2] چہارم محمد ساقر[3]
جوان صالح اور لایق خوش مزاج
اور خوشنویس اور پنجم محمد واحد علی
کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے
تھی کہ خدائے تعالی ان دو شخصوں
کے لکھنے سے تفسیر تمام کروایا۔
خدائے تعالی قرآن شریف کے
تیس حرف بے سے شروع کیا اور

رہبر تو قرآن بس " تک تفسیر یہ
میں نہیں ہے)

---

[1] مولوی صاحب نے بجائے "فقیر" کے "فقیر" لکھا ہے۔ لفظ "فقیر" ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔
[2] تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ سالار جنگ میں "رکھتے تھی" لکھا ہے۔ اور مولوی صاحب کے پاس "رکھتے تھے" ہے۔
[3] تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ سالار جنگ میں "چہارم محمد ساقر نام غلام محی الدین جوان صالح اور لایق خوش مزاج اور خوشنویس" لکھا ہے۔ اور مولوی صاحب کے پاس محمد ساقر کے نام غلام محی الدین محمد نہیں پایا جاتا۔ یہ مولوی صاحب کے پاس کے نسخے میں یہ نام "محمد واجد علی" ہے۔

ختم قرآن کا حرف سین پر ہوا۔
ان دو حرفوں کو تیس مرکب کرو تو
بس کا حاصل ہوتا ہے یعنے ان
دو حرفوں کی بیچ میں جو تمام قرآن شریف
ہے بس کرتا ہے بتری تیس فرد۔
اول و آخر قرآن زچہ باآمد و بین
یعنے اندر رہ دیں رہبر تو قرآن بس
اور تصنیف بھی تفسیر کے پانچ سال
میں تمام ہوئی کس واسطے کہ پیش[1]
چالیس میں شروع ہوئی آخر میں
سینتالیس میں تمام ہوئی۔ دو سال
کامل نافذ ہوئی۔
تفسیر تنزیل[2] تاریخ بست و پنجم شہر
ذی قعدہ سنہ یکہزار دو صد و چہل[3]

اور تصنیف بھی تفسیر کے پانچ سال
میں تمام ہوئی کس واسطے کہ پیش
چالیس میں شروع ہوئی آخر سن
سینتالیس میں تمام ہوئی۔ دو سال
کامل نافذ ہوئی۔
مصنف تفسیر تنزیل سید بابا شاہ قادری
کاتب الحروف فقیر حقیر اضعف العباد

---

[1] تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ آصفیہ اور مولوی صاحب کے پاس یہ لفظ "سن" ہے اور یہی صحیح ہے۔ کتابت کی غلطی ہوگی۔
[2] تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ آصفیہ اور مولوی صاحب کے پاس "تمام شد تفسیر تنزیل" لکھا ہے۔
[3] مولوی صاحب نے "سنہ یک ہزار یک صد و چہل و ہفت ہجری النبوی" نقل کیا ہے۔ صحت سنہ کے متعلق سے پچھلے اوراق میں تبصرہ پیش کیا جا چکا ہے۔ سنہ کے بعد کی عبارت "در عہد نامدار الملک والدین نواب نامدار ک ولہ ... الخ " الالقاب والاعداء" مولوی صاحب کے پاس نہیں ہے ورنہ مولوی صاحب کو تعین مقام و عہد میں دشواری نہ ہوتی۔

وبہمت در عہد ناصر الملۃ والدین نواب ناصر الدولہ بہادر ادام اللہ ملکہ واقبالہ وحفظ اللہ الحافظ الحقیق وعن الاٰفات والاعداء[1]

اللہ القوی الباری محمد رجب ولد محمد احمد ولد محمد محی الدین الحنفی بیا مرز۔ ایں ہر سہ راہ مصحف وقاری نویسندہ را بروز سہ شنبہ درماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۱ بوقت سہ پہر با تمام رسید ؎

اس قسم کے حذف واضافہ کو بالفرض کاتب کی غلطیوں پر محمول کر بھی لیا جائے تو ان مقامات کے بارے میں کیا کہا جائے گا جہاں تفسیر تنزیل اور فوائد بدیعیہ میں ایک ہی متن کے ترجمے و تفسیر میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے اور فرق بھی اتنا نمایاں کہ دونوں کے معنی الگ الگ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پچھلے اوراق میں مذکور ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب نے تفسیر تنزیل سے سورہ انعام کے پانچویں رکوع کی درمیانی آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے اور وہ بھی آیت کے ابتدائی کلمات اور ان کا ترجمہ چھوڑ کر کیا ہے لیکن یہاں فوائد بدیعیہ سے آیت کے ابتدائی کلمات کے ساتھ ان کا پورا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

---

[1] اس کے بعد کی عبارت تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ سالار جنگ میں یہ ہے۔ "کاتب الحروف محمد صادق غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔" یہ عبارت مولوی صاحب کے پاس بھی نہیں ہے۔

تفسیر تنزیل[1]	فوائد بدیعیہ[2]
	فلما نسوا پس جس وقت کہ فراموش کی جھوٹا لینے والے ما ذکروا بہ اوس خبر کیتیں کہ نصیحت کئے گئے تھے۔
(فتحنا علیہم ابواب کل شے) کھول دیا ہم نے ان کے اوپر دروازہ ہر شے کا جو ان کو چاہا سو ملا۔	ساتھ اس خبر کے سمجھتے اور عبرت سی فتحنا علیہم کھولی ہم اوپر اون کی ابواب کل شئ دروازی تمام چیزونکی یعنی نعمت اور راحت کے جس وقت کہ بلا اور محنت سی نصیحت نہیں پکڑی تو آسانے اور کشایش رزق سے امتحان کئے۔
(حتی اذا فرحوا بما اوتوا) تب ہمیں کہ وہ خوش ہووے اوس چیز سین کہ دی گئی۔	حتی اذا فرحوا تا وقتیکہ خوش ہوی بما اوتوا ساتھ اوس چیز کے جو دی گئے تھی نعمتاں اور دل اوس سی باندھی اور خدائے تعالی کا شکر نہیں کئے اخذناہم بغتۃ پکڑی ہم اونکتیں یکایک فاذا ہم مبلسون پس اوسوقت عذاب ظاہر ہونے
(اخذناہم بغتۃ) پکڑے ہم نے اون کو یکایک۔ (فاذا ہم مبلسون) پس یکایک وہ پچھتان	

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۳۹)۔

[2] فوائد بدیعیہ جلد اول مخطوطہ (۱۳۹) صفحہ (۲۳۹)۔ کتب خانہ آصفیہ۔

اور نا امید ہووے۔
(فقطع دابر القوم الذی[1] ظلموا) پس کاٹا گیا آخر اوس جماعت کا جنون نے ظلم کیا تھا۔

(والحمد للہ رب العالمین) اور حمد خدا کو ہے جو پروردگار عالم کا ہے۔

(قل ارایتم ان اخذ اللہ سمعکم و ابصارکم وختم علی قلوبکم من الہ غیر اللہ یاتیکم بہ) کہو کہ دیکھتے ہو تم کہ اگر لیویں خدا تمہارے سننے کو یعنی بہرہ کرے اور لیوے تمہاری آنکھوں کو کہ اندھا کرے اور بہرا کرے[3] اوپر

کے پشیمان اور نا امید ہوئی تھی۔
فقطع دابر القوم الذین ظلموا[2] آخر اون قوم کا جو ستمکار تھی یعنے ہم اپنی دوستوں کو فتح دی دشمنوں پر اور اپنی دشمنوں کو ہلاک کئے۔
والحمد للہ رب العلمین اور تمام تعریفاں ثابت ہیں۔ واسطی خدائے تعالیٰ کے ایسا پروردگار کہ پرورش کرنے والا تمام عالم کا ہے۔ یعنے یہ بڑی نعمت ہے کہ دوستوں کو دشمنوں کی ہاتھ سے نجات دیا۔ قل ارایتم کہو لے محمد صلعم کیا دیکھو کے تم ان اخذ اللہ اگر پکری خدائے تعالیٰ سمعکم سنوائی کیتیں تمہارے تا بہری ہو و ابصارکم اور بصارت کیتیں تمہاری تا کہ اندھی ہو وختم علی قلوبکم اور مہر کری اوپر دل تمہاری تا کہ

---

[1] "الذین" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[2] "پس کاٹا گیا آخر اون قوم کا" ترجمہ ہوگا۔ کتابت کی غلطی سے "پس کاٹا گیا" چھوٹ گیا ہوگا۔

[3] مرزوی صاحب نے نیچے حاشیے میں لکھا ہے۔ "غالباً کاتب کی غلطی ہے۔ "مہر کرے" ہونا چاہیئے"

تمہارے دلوں کے کہ بے شعور کرے تو کون سا خدا ہے بغیر اوس کے کہ وہ دیوے تم کو ان یہ جو دیا ہے۔

(انظر کیف نصرف الایات[1]) دیکھو تم کہ کیساں پھیرتے ہیں ہم آیتوں کوں اون کے سمجھانے کے واسطے۔

(ثم ہم یصدفون) پیچھے نہیں مانتے ہیں اور موں پھیرتے ہیں۔
قل ارایتکم ان اتاکم عذاب اللہ بغتۃ او جہرۃ) کہو کہ کیا دیکھتے ہو تم گر آوے تمہارے پاس عذاب خدا کا یکایک یا ظاہر ہوئے اوس کی علامت
(ہل یہلک[2] القوم الظالمون)

فہم اور ہوش دل میں تمہاری نہ ہے تو من الہ غیر اللہ کون خدا ہے سوائی خدائے تعالیٰ کے یاتیکم بہ کر لاویں تمہاری تھا یہ چیزاں یعنے سماعت اور بصارت انظر دیکھو تم اے محمد صلعم کیف نصرف الایات[1] کیونکہ پھراتے ہیں ہم آیتوں کیتں یعنے کبھی ایتان ترغیب کے نازل کرتے اور کبھی نصیحت اور تنبیہ کے نازل کرتے ہیں۔
ثم ہم یصدفون پس کفار منھ پھراتے ہیں اینوں سے
قل ارایتکم کہو اے محمد صلعم ایا دیکھتی ہو تم ای کفار کہ ان اتکم عذاب اللہ اگر اوی تمہاری تین اوپر عذاب خدائے تعالیٰ کا بغتۃ یکایک یعنے راتکو او جہرۃ یا اشکارہ دنکو ہل یہلک نہ ہلاک ہوئیگی اوس عذاب

---

[1] "الآیات" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی ہے۔

[2] "ہل یہلک" کے بعد "الا" کتابت میں چھوٹ گیا ہے۔

نہ ہلاک کئے جائیں گے اس وقت سے قوم ظالمون کا (وما نرسل المرسلین) اور نہیں بھیجے ہم نے پیغمبروں کے لئے الا مبشرین و منذرین) مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔

سے الا القوم الظالمون مگر قوم ستمگار یعنے مشرکین۔ وما نرسل المرسلین اور نہیں بھیجیں ہم پیغمبروں نکیش

الا مبشرین مگر خوشخبری دینے ہاری ہیں وہ پیغمبر اہل ایمانکیش بہشت کے وہ منذرین اور ڈرانے والے ہیں کافرونکیش دوزخ سے۔

قیاس تو یہی ہوتا ہے کہ مفسر نے اپنی تفسیر کا نام پہلے پہل "تفسیر تنزیل" ہی رکھا۔ دیباچے میں ان دوستوں کے نام لکھے ہیں جن کی فرمائش کی بنا پر مفسر نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور خاتمۂ کتاب میں معاونین کار کے نام بتائے گئے۔ ان معاونین میں کاتب کا بھی نام آگیا ہے۔ تفسیر تنزیل کی تکمیل کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں گیا۔ درس و تدریس کے سلسلے میں تفسیر تنزیل میں بعض مقامات توضیح طلب آئے ہونگے۔ بوقت درس قرآن مجید کی جن آیتوں کی جس انداز میں توضیح و تشریح ہوئی اس کو تفسیر میں داخل کر دیا۔ اس طرح بعد میں اس ترمیم شدہ یا اضافہ شدہ تفسیر تنزیل کا نام فوائد بدیعیہ رکھ دیا اور دیباچے کو اپنی حالت پر رکھ کر حرف آخریں " نام نہادم تفسیر را " کے بعد بجائے "تفسیر تنزیل" کے " فوائد بدیعیہ " لکھ دیا گیا۔ غالباً اسی لئے فوائد بدیعیہ کے خاتمے کی عبارت سے تفسیر تنزیل کے معاونین کار کے نام خارج کر دیئے گئے۔

زیر نظر تفسیر کے مفسر سید بابا قادری حیدرآباد کے ایک خاندان

طریقت کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد سید شاہ یوسف ابن سید شاہ محمد عبد اللہ قادری نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں ایک ذی اثر بزرگ گزرے ہیں۔ مرشد زادہ عالی جاہ کی بغاوت میں ان کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ غلام حسین مصنف گلزار آصفیہ[1] نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"مقبرہ ایشاں بیرون کھڑکی بودلی صاحب است در عہد حضرت غفران مآب گویند در مصلحت خروج مرشد زادہ عالی جاہ بہادر ایشاں ہم شریک بودند عامی مولف بچشم خود دیدہ۔ بسیار زبان آور و از ہمہ امرا و اہلکاران سرکار ربط تمام می داشتند در حظیرہ قبور ایشاں عزت یار خاں جی اعدہ دفن کردہ اند"۔

گلزار آصفیہ میں شاہ یوسف کے مقبرے کی جو نشاندہی کی گئی ہے وہ حیدرآباد میں دبیر پورہ سے متصل بودلے شاہ صاحب[2] (بہود علی شاہ صاحبؒ) کی کھڑکی کے پاس ہی قبرستان میں ہے۔ وہ سنہ ۱۲۳۰ ہجری کے قریبی زمانے میں فوت ہوئے۔ پہلے یہ کھڑکی حیدرآباد کی مشرقی فصیل میں پیوست تھی۔ اب فصیل باقی ہے نہ کھڑکی۔ اس قبرستان کو شاہ محمد یوسف ہی نے بنایا

---

[1] گلزار آصفیہ صفحہ (۳۶۸)

[2] تذکرہ مخطوطات جلد سوم ادارہ ادبیات اردو ص ۵۷۔

تھا۔ یہاں عزت یار ملی الدولہ جیسی مشہور شخصیتیں بھی دفن ہیں۔ اسی قبرستان سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد "صوفی صاحب" سے موسوم ہے۔ آگے چند قدم کے فاصلے پر کھیت میں ایک باؤلی بھی ہے وہ بھی "صوفی صاحب کی باؤلی" کے نام سے مشہور رہی ہے۔ قیاس ہے کہ یہ "صوفی صاحب" شاہ یوسف کے بیٹے سید بابا قادری مصنف تفسیر تنزیل ہی ہوں گے اس لئے کہ وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی تھے۔ ایک زمانے میں یہ علاقہ بالکل غیر آباد تھا لیکن اب اس قبرستان کے اطراف آبادی پھیل رہی ہے۔

زیر نظر تفسیر کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شاہ محمد یوسف نہ صرف عالم اور مرشد تھے بلکہ معقول منقول اور تصوف کی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

"علامة العصر الجامع بین علوم الظاہر والباطن
وصاحب التصانیف فی المعقول والمنقول
والتصوف"۔

لیکن نہ تو سید بابا قادری ہی نے ان کی تصانیف کے نام بتائے ہیں اور نہ گلزار آصفیہ ہی سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ سید شاہ محمد یوسف کے دو بیٹے تھے۔ سید شاہ عبداللہ قادری معروف بہ قطبی صاحب اور سید محمد درویش بابا قادری۔ ڈاکٹر زور[1] نے محبوب الزمن[2] اور گلزار آصفیہ[3] کے حوالے سے لکھا ہے:

---

[1] تذکرہ مخطوطات جلد سوم ادارہ ادبیات اردو (۵۶)

[2] محبوب الزمن صفحہ (۳۹۷)

[3] گلزار آصفیہ صفحہ (۳۰۷)

"قطبی صاحب اپنے والد کے علاوہ ایک اور بزرگ شاہ خاموش کے بھی خلیفہ تھے۔ یہ شاہ خاموش صاحب شاہ اسرار اللہ کے مرید تھے اور ہمیشہ خاموش رہا کرتے تھے۔ درویش فانی و فقیر حقانی تھے۔ ان کا مکان دروازہ چادر گھاٹ کے اندر واقع تھا۔ اس عہد کے مورخوں نے ان کو شاہ خاموش اول کے لقب سے یاد کیا ہے"۔

قطبی صاحب کے نام سے حیدرآباد میں ریزیڈنٹ کی کوٹھی سے متصل ایک محلہ قطبی گوڑہ آج تک مشہور و معروف ہے۔ قطبی صاحب اور ان کے مرشد شاہ خاموش اول اور ان کے فرزندوں کے بارے میں ڈاکٹر زور مرحوم نے تذکرہ مخطوطات جلد سوم میں معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں:۔

"سید بابا قادری کے والد کا نام سید شاہ محمد یوسف قادری تھا۔ بابا قادری کو باپ ہی سے خلافت ملی تھی۔ وہ نہ صرف ایک صوفی تھے بلکہ عالم بھی تھے۔ شریعت اور طریقت دونوں کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ آصف جاہ ثالث سکندر جاہ کی بہن خیر النساء بیگم کو سید بابا قادری سے بڑا خلوص تھا وہ ان کی معتقد تھیں۔ خیر النساء کی فرمائش سے کئی کتابیں لکھیں ان میں

سے ایک شمائل النبی بھی ہے۔[1]

بابا قادری کو اپنے والد سے خلافت ملنے کے تعلق سے ہاشمی صاحب کا بیان خود سید بابا قادری کے بیان سے اختلاف رکھتا ہے۔ تفسیر تنزیل کے دیباچے سے ظاہر ہے کہ بابا قادری نے خرقۂ خلافت اپنے بڑے بھائی قبلی صاحب سے حاصل کیا تھا چنانچہ لکھا ہے۔

"انی قد اخذت الخرقۃ والخلافۃ من اخی
یعنی حضرت سید شاہ عبد اللہ القادری
المتعارف بہ قبلی صاحب نفعنا اللہ وعزہ
الی کبیر الاکبر"۔[2]

سید بابا قادری کی دوسری کتاب "شمائل النبی" کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ کا کام سنہ ۱۲۵۲ ہجری میں شروع ہوا۔ اور سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں ختم ہوا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۶۶ ہجری تک بقید حیات تھے۔ بابا قادری کے حالات اس کتاب میں بھی ملتے ہیں۔

سید بابا قادری کے ترجمے اور تفسیر کے تعلق سے عنوان مخطوطہ "تفسیر ازواجا" کے تحت مقالہ ہذا کے اوراق (   ) میں ذکر کیا گیا ہے۔[3] چونکہ سورہ بقرہ اور سورہ فاتحہ کے ترجمے و تفسیر پر وہاں تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس لئے یہاں سورہ انعام کی اوپر دی گئی آیتوں کے تفسیر تنزیل

---

[1] کتب خانہ آصفیہ میں "اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" مولوی نصیر الدین ہاشمی۔

[2] تفسیر تنزیل مخطوطہ (۵۲۹) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو۔

[3]

[4] قدیم اردو صفحہ (۱۲۹)

اور فوائد بدیہیہ[1] میں کیے گئے ترجموں پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے جو بلحاظ نوعیت الگ الگ معلوم ہوتے ہیں۔

"فلما نسوا" کا عام طور پر ترجمہ "پس جب وہ بھول گئے" یا "پھر جب وہ بھول گئے" ہے۔ اور یہی ترجمہ اکثر مفسرین نے بھی کیا ہے چنانچہ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے بھی "پھر جب وہ بھول گئے" ہی ترجمہ کیا ہے۔ لیکن سید بابا قادری نے فوائد بدیہیہ میں "پس جس وقت کہ فراموش کئے جھوٹا لینے والے" لکھا ہے یہ ظاہر ہے کہ "جھوٹا لینے والے" "بھلانے والے" کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس سے خاص معنویت پیدا ہوگئی۔ "بھول جانا" بھلا دینا اور بھولے رہنا۔ ان تینوں کے معنی میں فرق پایا جاتا ہے۔ کسی اہم اور ناقابل فراموش امر یا واقعہ کے ساتھ تینوں فعل میں آخری فعل "بھولے رہنا" کا استعمال جرم کی نوعیت میں اشتداد پیدا کرتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کی سزا بھی تجویز کی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں فعل "بھول گئے" کا استعمال امر واقعہ کی اہمیت کو گھٹا نہ بھی دے تو اس کے تحت ارتکاب جرم کی سزا میں یقیناً نرمی کی گنجائش پیدا کر دیتا ہے۔ "جب وہ ان نصیحتوں کو جو انھیں کی گئی تھیں بھولے رہے" کے مفہوم کو سید بابا قادری نے "پس جس وقت کہ فراموش کئے جھوٹا لینے والے اس خبر کیتیں کہ نصیحت کئے تھے" کے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ "بھولے رہنا" اور "جھوٹا بھلا" کا استعمال رعونت اور اڑانے کے جذبے میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ "حتی اذا فرحوا بما اوتوا"

---

[1] فوائد بدیہیہ جلد اول مخطوطہ (۱۳۹) صفحہ (۴۲۹) کتب خانہ آصفیہ۔

میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ ان نصیحتوں کو جو انھیں کی گئی تھیں بھولے رہے تو خدائے تعالیٰ نے مواخذہ سے پہلے امتحاناً ان پر وسعت عیش کے دروازے کھول دئے اور وہ ان نعمتوں اور راحتوں پر بہت خوش ہوئے اور اترانے لگے اور بجائے شکرگزاری کے طغیان وعصیان میں اور بھی غرق ہونے لگے۔ اب خدائے تعالیٰ نے دفعۃً انھیں پکڑ لیا۔ ایسے موقع پر منکروں کے حیرت زدہ[1] ہونے سے زیادہ موزوں لفظ "پشیمان اور نا امید ہونا" ہے۔ سید بابا قادری نے اسی طرح کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے۔ " فاذاھم مبلسون" پس اوس وقت عذاب ظاہر ہونے کے پشیمان اور نا امید ہوئی تھی"۔ مولانا محمود حسن نے یہ ترجمہ کیا۔ " پس اس وقت وہ رہ گئے نا امید"۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے "حیرت زدہ" کے الفاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ "ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو گئے"۔ گو لغت میں " ابلیس " " تحیر" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لیکن کسی امر واقعہ کو منکر جھوٹا سمجھیں اور پھر جب اچانک خدا انھیں پکڑ لے تو وہ سخت نا امید ہوتے ہیں اور شدت غم میں پشیمانی کا لگاؤ بھی ہوتا ہے۔ "مبلسون" مصدر ابلاس سے اسم فاعل کا جمع مذکر ہے۔ جس کے معنی "آس توڑنے والے امید توڑنے والے" ہیں۔ ابلیس کو ابلیس بھی اسی لئے کہا گیا ہوگا کہ وہ دنیا میں اپنے دعوے کو پورا کر دکھا نہ سکنے کی وجہ قیامت میں پشیمان اور نا امید ہو جائے گا۔ اور ادھر مشرکین نے جو اس کو

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی۔

اور اس کی ذریت کو خدا ٹھیرایا تھا وہ قیامت میں ان کی بھی آس توڑ دے۔ یا ابلیس اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ " خلافت ارضی" اور " رحمت الٰہی " دونوں سے نا امید ہو کر ہمیشہ کے لئے غمگین ہو گیا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ان آیتوں کا ترجمہ یہ کیا ہے :۔

" جب (اس کو) بھول بسر بیٹھے (تو) ہم نے (بھی ان کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے) ان پر ہر طرح کی (دنیاوی) نعمتوں کے دروازے کھول دئے۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوئے یکایک ہم نے ان کو (عذاب میں) دھر پکڑا اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے"۔

فوائد بدیعہ میں " رب العالمین" کا ترجمہ " پرورش کرنے والا تمام عالم کا۔" کیا ہے اور تفسیر تنزیل میں " پروردگار عالم کا ہے"۔ چونکہ مجموعۂ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں غالباً اسی لئے مترجم اس کی جمع نہیں لایا۔ مگر سورہ فاتحہ میں اسی جزو آیت کا ترجمہ " پرورش کرنے ہارا تمام عالم کا" کیا ہے۔ یہاں مترجم کے پیش نظر یہ بات ہوگی کہ عالم سے مراد ہر ہر جنس مثلاً عالم 'جن' عالم ملائکہ' عالم انس وغیرہ ہیں۔ اس لئے "تمام عالم" ترجمہ کیا۔ اس زمانے میں اسم فاعل بنانے کے لئے مصدر کے آخری الف کو " ے" سے بدل کر اس کے آگے " والا" اور "ہارا" دونوں بڑھا دیتے تھے۔ چنانچہ فوائد بدیعہ میں " والا" اور "ہارا" کا استعمال "مبشرین و منذرین" کے ترجمے میں ایک ساتھ ہوا ہے۔

"خوشخبری دینے ہارے اور ڈرانے والے۔"

تفسیر تنزیل میں قرآن مجید کا زیادہ تر لفظی ترجمہ ہے۔ لفظ پر لفظ بٹھایا ہے۔ الفاظ بھی آسان اور عام فہم ہیں۔ فوائد بدیعیہ میں ترجمہ میں عربی اور فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں تفسیر بھی شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ سورہ انعام کی مندرجہ بالا آیتوں کے تفسیر تنزیل اور فوائد بدیعیہ میں کئے گئے ترجمے سے چند الفاظ بالمقابل پیش کئے جاتے ہیں۔ ان سے بھی دونوں تفسیروں کی زبان کا فرق معلوم ہوگا۔

الفاظ یا جزو آیت	تفسیر تنزیل	فوائد بدیعیہ
ابواب کل شیء	دروازہ ہر شیء کا	دروازے تمام چیزوں کے
حتی	تب تیں	تا وقتیکہ
الذین ظلموا	جنھوں نے ظلم کیا تھا	قوم جو ستمگار تھی
رب العلمین	پروردگار عالم کا ہے	پروردگار کہ پرورش کرنے والا تمام عالم کا۔
سمعکم	تمہارے سننے کو	شنوائی کیتیں تمہارے
ابصارکم	تمہاری آنکھوں کوں	بصارت کیتیں تمہاری
القوم الظلمون	قوم ظالموں کا (قوم مذکر استعمال ہوا ہے)	قوم ستمگار
مبشرین	بشارت دینے والے (عربی لفظ سے ہی اسم فاعل بنایا ہے)	خوشخبری دینے ہارے
اخذناہم بغتۃ	پکڑے ہم نے ان کو یکایک تئے" علامت فاعلی استعمال	پکڑی ہم او نکیں یکایک (بغیر علامت فاعلی)

ہوا ہے لیکن فعل فاعل کے تابع ہے۔

تفسیر تنزیل کی زبان میں متعلق فعل کو مفعول ہی کے تابع رکھا گیا ہے مثلاً "کیاں پھرتے ہیں ہم آیتوں کوں" آیتیں جمع مفعول ہے۔ متعلق فعل بصیغہ جمع "کیاں" استعمال کیا گیا ہے لیکن فوائد بدیعیہ میں متعلق فعل بدل دیا گیا ہے۔ "کیونکر پھراتے ہیں ہم آیتوں کیتیں"۔ بعض وقت تو "کیتیں" اور "کو" دونوں ایک ہی جملے میں استعمال ہوئے ہیں۔ "اور کیسے کیتیں ایک دوسرے کو حزر پہچانے کی قدرت نہ ہوگی" (سورہ کوثر) بابا قادری کے زمانے میں بھی لفظ کی املاء بول چال کے لحاظ سے ہوتی تھی مثلاً موں بجائے منہ پچھیاں بجائے پچھلیاں۔ ادنھے (ہائے ہوز کے ساتھ) بجائے اونٹنی نزیک بجائے نزدیک۔ مدت بجائے مدد۔

بعض لفظ جمع الجمع کی صورت میں مستعمل تھے مثلاً الٓمٓ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ "اس حروف مقطعات میں بہت سے علماؤں نے تاویلات کئے ہیں"۔

اس مقابلے میں دیگر تفاسیر سے زیادہ تر سورہ نبا کے ترجمے اور تفسیر کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اس لئے تفسیر تنزیل سے بھی سورہ نبا کی تفسیر کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ سید بابا قادری نے ملا حسین واعظ کاشفی کی تفسیر

---

۱ فوائد بدیعیہ میں یہی املا ہے۔ "منہ"

۲ سورہ بنی اسرائیل میں معراج کے واقعہ کے بیان میں یہ لفظ آیا ہے۔

۳ سورہ تکویر کی تفسیر میں یہ لفظ آیا ہے۔

۴ سورہ تکویر کی تفسیر میں یہ لفظ آیا ہے۔

۵ سورہ بینۃ کی تفسیر میں یہ لفظ آیا ہے۔

حسینی سے استفادہ کیا ہے تاہم اس سے دوسرے مفسرین کے مقابلے میں
سید بابا قادری کی زبان کا اندازہ ہوگا۔ نیز اس سے مفسر کی شرح دینا کے
ساتھ تفسیر کرنے کی صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس وقت کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
دعوت ایمان کے آشکارا کئے اور قرآن شریف
خلق پر پڑھی اور قیامت کے روز سے ڈرائی بلکہ
کفار حضرت کے نبوت میں اور قرآن کے نازل
ہونے میں اور قیامت کے آنے میں اختلاف کئے
اور آپس میں ایک دوسری سے سوال کرتے تھی
یا پیغمبر سے اور صحابہ سے پوچھتے تھی جیسا کہ خدائے
تعالیٰ فرماتا ہی عم یتساءلون کس چیز سے سوال
کرتے ہیں کفار عن النبا العظیم خبر عظیم سے یعنے
قرآن سے الذی ہم ایسے خبر کہ وہ کفار فیہ
مختلفون بیچ اوس خبر کے اختلاف کرنی والی
ہیں یعنے قرآن شریف کتیں سحر اور شعر اور
کہانت کے نسبت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
حکایتاں اول گزری ہوئی ہیں اور یہ قرآن دل
سے بنایا ہوا ہے بعضے مفسر کہتے ہیں کہ نبا عظیم سے
مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی کہ کفار ریا یعنی مگر
سوال کرتے ہیں کہ کیا محمد پیغمبر ہے یا نہیں اور محمد ساحر

ہے یا شاعر ہے یا دیوانہ ہے زبدۃ التفاسیر میں
آیا ہے کہ بعضے کفار ازراہ مسخری کے مومنین
سے سوال کرتے تھی کہ قیامت کب آئے گی بعضے
مفسر کہتے ہیں کہ نبا عظیم سے مراد قیامت ہے
کفار اس میں اختلاف کرتے تھی بعضے کہتے تھی کہ
قیامت آنا حق ہے لاکن بت ہماری شفاعت
کریں گی ہولاء شفعاءنا عند اللہ وہ بت ہماری
شفاعت کرنے والی ہماری ہیں نزدیک خدائے
تعالیٰ کے اور بعضے کفار مطلق انکار کرنے والی
تھی قیامت سے کہتے تھی ان ھی الا حیوتنا
الدنیا نہیں ہے وہ قیامت مگر زندگانے ہماری
دنیا ہے اور بعضے کفار قیامت کے آنے میں شک
کرتے تھی کلا سیعلمون تحقیق قریب ہے کہ
معلوم کریں گی کفار روز قیامت کتیں وقت سکرات
موت کے جس چیز میں کہ اختلاف کرتے تھی وہ
حق ہی ثم کلا سیعلمون پس تحقیق قریب ہے
کہ معلوم کریں گی کفار کہ روز قیامت حق ہی اور
عقیدہ اپنا باطل تھا۔ الم نجعل الارض مھاداً
کیا نہیں گردانی ہم زمین کتیں فرش بچھایا ہوا
تا تمہاری ہیں قرار پکڑنے کے جاگی ہوئی۔ والجبال
اوتاداً اور نہیں گردانی ہم پہاڑوں کتیں میخاں

تا اوس سی زمین مضبوط ہووی اور حرکت نکری
وخلقنٰکم ازواجا اور پیدا کئے ہم تمہاری
یعنی جوڑی ہر قسم کی نر اور مادہ تا نسل تمہاری
باقی رہی یا پیدا کئے ہم تمہاری تین قسم
سیاہ اور سفید دراز اور کوتاہ خوبصورت اور
بدصورت وجعلنا نومکم سباتا اور گردانی
ہم نیند کتیں تمہاری آرام بدن کا یعنی نیند تمہاری
حس و حرکت قطع کرتے ہی تا قوۃ حیوانی آرام
پاوی اور ماندگی تمہاری دفعے ہووی وجعلنا
اللیل لباسا اور گردانے ہم رات کتیں پردہ
کرنے والی کر بسبب اندھیری کے تمہاری عیبونکو
پوشیدہ کری فتوحات کی میں آیا ہی کہ رات
خدائے تعالیٰ کی دوستوں کا پردہ ہے کہ اونکتیں
غیروں کی نظر سے پوشیدہ رکھتے ہی تا اپنے
خلوت میں مشاہدہ سے لذت پاویں موافق اپنے
استعداد کی وجعلنا النھار معاشا اور
گردانے ہم دن کتیں وقت طلب معیشت کا تا
معاش کے جستجو کرو وبنینا فوقکم اور بنا
کئے ہم اوپر تمہارے سبعا شدادا سات
آسمان سخت یعنے مضبوط کہ اوس میں
شگاف یا شق نہیں ہے وجعلنا سراجا

وھاجا اور گردانے ہم آسمان میں چراغ
روشن چمکتا ہوا یعنے آفتاب ۔ ۔ ۔[1]

آخر میں ہر دو تفسیروں کے بارے میں مولوی عبدالحق کی بھی رائے ذیل میں نقل کر دی جاتی ہے۔ تفسیر تنزیل کے بارے میں لکھا ہے کہ :۔

"اس کتاب کی زبان صاف ہے اور بارھویں
صدی کے وسط کی زبان کا بہت اچھا نمونہ ہے۔
زبان سے بظاہر قیاس کرنا مشکل ہے کہ مصنف
کس مقام کا ہے چونکہ ایک آدھ لفظ کہیں کہیں
دکنی آگیا ہے اس لئے یہ خیال ہوتا ہے کہ
دکن کا باشندہ ہے۔ اس عبارت میں صرف
سنے کا لفظ ایسا آیا ہے جو دکنی ہے۔ ورنہ
باقی ساری عبارت ایسی ہے جس میں شمال،
جنوب کی زبان کا مطلق کوئی فرق نہیں پایا
جاتا۔ پوری تفسیر اسی زبان میں ہے"۔[2]

زبان کے تعلق سے مولوی عبدالحق کی رائے درست ہے ظاہر ہے کہ یہ تیرہویں صدی ہجری کی زبان ہے مولوی صاحب چونکہ اس کو بارھویں صدی ہجری کی زبان سمجھتے ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ انھوں نے زبان کی صفائی کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] تفسیر تنزیل مخطوطہ (۲) کتب خانہ سالار جنگ۔

[2] قدیم اردو صفحہ (۱۲۹ و ۱۳۰)

فوائد بدیعیہ کے تعلق سے حسب ذیل رائے قائم کی ہے :۔

" اصل میں یہ قرآن شریف کا ترجمہ ہے تفسیر برائے نام ہے کہیں کہیں ایک آدھ جملہ یا لفظ بطور تفسیر کے آ جاتا ہے۔ خود مولف نے بھی اسے ترجمے ہی سے موسوم کیا ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔ یہ بھی شاہ عبد القادر کی طرح اپنی زبان کو ہندی سے تعبیر کرتے ہیں۔" [1]

مولوی صاحب نے فوائد بدیعیہ کے تعلق سے یہ جو رائے قائم کی ہے کہ یہ ترجمہ ہے۔ تفسیر برائے نام ہے۔ اس خصوص میں پچھلے صفحات میں وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور تفسیر تنزیل کے مقابلہ میں فوائد بدیعیہ کی زبان پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۲۹)۔

۶۸۶
۶۹۲

۴۔ تفسیر اذا جاء

تفسیر اذا جاء کے نام سے ایک مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں ہے [1] اس کی موجودہ صورت جو بیس صفحات کے ایک رسالہ جیسی ہے۔ اس کے ابتدائی تین صفحوں میں ترجمہ اور تفسیر ہے اور مابقی صفحوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری زمانے کے حالات بیان کئے گئے ہیں اس نسخے میں کاتب کا نام امین الدین تو موجود ہے لیکن سنہ تفسیر اور مفسر کا نام درج نہیں ہے۔ البتہ ترقیمہ میں کتابت کا سنہ ۱۲۰۶ ہجری لکھا ہے :۔

" تمام شد تفسیر سورہ اذا جاء بخط مربط بندہ سرافگندہ عاصی خاکسار کمترین امین الدین بتاریخ بست ہشتم ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۶ء۔ بہ پاس خاطر۔ حافظ منصب علی صاحب تحریر یافت "۔

اس ترقیمہ کی بنا پر ڈاکٹر زور نے بھی سنہ کتابت ۱۲۰۶ ہجری ہی لکھا ہے۔ نیز زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے اس تفسیر کو قبل سنہ ۱۱۵۰ ہجری

---

[1] تفسیر مخطوطہ (۱۰۲) اوراق (۲۲) سطور (۱۳) تقطیع (۸/۵½) خط نستعلیق شکستہ

کی تفسیر قرار دیا ہے اور مفسر کے تعلق سے تو صاف لکھ دیا ہے کہ "اس کا نام معلوم نہ ہو سکا[1]۔ بات یہ ہے کہ ترجمہ میں مندرج سنہ کتابت کی صحت مشکوک ہے اور ڈاکٹر زور نے بھی جو تفسیر کا سنہ قبل ۱۱۵۰ ہجری لکھا ہے[2]۔ وہ بھی صحت پر مبنی نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس کے مفسر سید بابا قادری حیدرآبادی ہیں۔ انھوں نے سنہ ۱۲۲۰ ہجری میں قرآن شریف کی تفسیر کا کام شروع کیا تھا۔ جو سنہ ۱۲۲۷ ہجری میں تکمیل پایا۔ جس کا نام "تفسیر تنزیل[3]" لکھا گیا۔ زیر نظر تفسیر اذا جاءؔ میں اسی تفسیر تنزیل سے سورہ اذا جاء کی تفسیر اور رسول اکرم صلعم کی حیات طیبہ کے حالات نقل کئے گئے ہیں۔ اس لئے زیر نظر مخطوطے کے ترقیمے میں مندرج سنہ کتابت (۱۲۰۶ ہجری) نہ صرف مشکوک بلکہ غلط ہے۔ کتابت کا سنہ مابعد ۱۲۲۷ ہجری ہونا چاہیے نہ کہ ۱۲۰۶ ہجری۔ مقالہ نگار کا قیاس ہے کہ اس کی کتابت سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں ہوئی ہوگی۔ کاتب نے غلطی سے صفر کو دہائی کی جگہ میں لگا دیا ہوگا۔ اسی قسم کی چوک کاتب سے فوائد البدیعیہ کے سنہ تفسیر لکھتے وقت بھی ہو گئی ہے۔ اس کے بھی مفسر سید بابا قادری ہیں۔ اس کے دیباچے کی عبارت جس میں تفسیر کے آغاز کا سنہ درج ہے یہ ہے:۔

"پس شروع کردم این کتاب فی شہر ذیقعدہ
سنہ ۱۲۴۰ ہجری اربعین و مائتین بعد الالف
الہجریۃ المبارکۃ"۔

۱؎ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول ادارہ ادبیات اردو۔

۲؎ تفسیر مخطوطہ (۶۷) کتب خانہ آصفیہ
حدیث

چند سوں میں مندرج تاریخ اور عبارت سے جو تاریخ نکلتی ہے دونوں میں صرف صفر کی جگہ کا فرق ہے۔ دیگر شواہد سے بھی جو تاریخ متحقق ہوئی ہے وہ عربی عبارت کی تائید کیا ہے یعنی ۱۲۲۰ ہجری۔ مولوی عبد الحق نے تفسیر فوائد البدیعیہ کے سلسلے میں اس کو کاتب کی غلطی بتاتے ہوئے صحیح سنہ ۱۲۲۰ ہجری ہی قرار دیا ہے۔ خود تفسیر کے تعلق سے تفصیلات اس کے اپنے مقام پر بیان کی گئی ہیں یہاں صرف کتابت میں اسی قسم کی غلطی کا امکان ظاہر کرنا مقصود تھا۔ اس طرح زیر نظر "تفسیر اذا جاء" کا سنہ تفسیر ۱۲۲۰ تا ۱۲۲۷ ہجری اور کتابت کا سنہ ۱۲۶۰ ہجری متعین ہوتا ہے۔

ترقیمے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ منصب علی صاحب نے ثواب دارین کے لئے اور عوام کے استفادہ اور خیر و برکت کی خاطر سے تفسیر تنزیل سے سورہ نصر کی تفسیر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کے حالات نقل کرنے کی خدمت امین الدین سے لی ہے۔

تفسیر اذا جاء کے تعلق سے ڈاکٹر زور کے قیاس سنہ تفسیر کی بنا پر ہاشمی صاحب نے اس تفسیر کی عبارت کو "دکن میں اردو" کے تیسرے دور ۱۱۰۱ تا ۱۱۳۶ ہجری (مغلیہ دور) کی نثر کے نمونوں میں نقل کر دیا ہے[1]۔ اور اس کے ساتھ بطور نمونہ "ترجمۂ معرفت السلوک[2]" کی بھی عبارت نقل کی ہے۔ غالباً تفسیر کے اسی حوالے سے مولوی محمد عالم مختار حق کو مغالطہ ہوا ہے اور اردو تراجم و تفاسیر کی مرتبہ فہرست میں "قرآن مجید مترجم اردو" کے نام سے

۱؎ دکن میں اردو صفحہ (۳۰۷) مطبوعہ سنہ ۱۹۶۳

۲؎ ترجمہ معرفت السلوک ۱۱۲۵ھ از شاہ محمد ولی اللہ قادری۔

سنہ تفسیر ۱۱۰۵ ہجری لکھ کر اس کو قدیم ترین جانا ہے۔

کتب خانہ آصفیہ میں بھی تفسیر تنزیل سے نقل کئے گئے دو مخطوطے "تفسیر پارہ عم"[1] کے نام سے ملتے ہیں لیکن ہاشمی صاحب نے ان کے مفسر کے بارے میں صاف لکھ دیا ہے کہ "اس تفسیر کے مصنف کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہوئے"[2] اور سنہ تفسیر قبل ۱۱۰۵ ہجری ظاہر کیا ہے حالانکہ ان دونوں مخطوطوں میں سورہ ناس کی تفسیر کے آخری عبارت میں تفسیر کے نام کے ساتھ ساتھ مفسر، کاتب اور معاونین کے بھی نام لکھے ملتے ہیں۔ عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے ــ

"خدائے تعالے نادان بھی پایا" فرض کیا صبح ظہر عصر، مغرب، عشا خدائے تعالے بلکہ اس سورہ کیتیں پانچ ناس پر تمام کیا اسی طرح اس تفسیر تنزیل کو بھی پانچ شخصوں پر تمام کیا۔ اول یہ فقیر یعنے مصنف سید بابا قادری دویم حاجی محمد علی سیوم عبدالغفور خاں یہ دونوں شخص اس امر میں نہایت کوشش رکھتے تھے چہارم محمد صادق نام غلام محی الدین جوان صالح اور لائق خوش مزاج اور خوشنویس اور پنجم محمد واحد علی کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے تھے کہ خدائے تعالے ان دونوں شخصوں کے لکھنے سے تفسیر تمام کروایا۔۔۔"

---

[1] مخطوط تفسیر (۱۹۵ و ۳۴۳ ہ) تفسیر پارہ عم۔

[2] فہرست اردو مخطوطات دوسری جلد صفحہ (۲۷)

غرض کہ صدر مخطوطوں میں ترجمہ و تفسیر کی یکسانیت کے ثبوت کے لئے ہر مخطوطے سے سورہ نصر کے ترجمے و تفسیر کی عبارت کا نمونہ اصل تفسیر تنزیل کی عبارت کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"تفسیر سورہ اذا جاء" ادارہ ادبیات اردو	تفسیر تنزیل . کتب خانہ آصفیہ جلد پنجم (جدید ۲۶) تفسیر	"تفسیر سورہ اذا جاء" از تفسیر پارہ عم" کتب خانہ آصفیہ ۹۵
پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلی آل و محمد وسلم کے بھیجنے میں	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنے	پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھیجنے
خدا تعالے کی یہ حکمت تھی کہ مکارم	میں خدا تعالے کے یہ حکمت تھی کہ مکارم	میں خدا تعالے کی یہ حکمت تھے کہ مکارم
اخلاق کو تمام کرنا اور بنا کر توحید کے	اخلاق کو تمام کرنا اور بنا کر توحید کے	اخلاق کو تمام کرنا اور بنائی کلمہ توحید
مضبوط کرنا اور دین اسلام کو ظاہر کرنا	مضبوط کرنا اور دین اسلام کو ظاہر کرنا	مضبوط کرنا اور دین اسلام کو ظاہر کرنا
اور خلایق کو ہدایت کرنا جو وقت کہ یہ	اور خلایق کو ہدایت کرنا جو وقت کہ یہ	اور خلایق کو ہدایت کرنا جو وقت کہ یہ
امور بوجہ احسن تمام ہوئے	امور بوجہ احسن تمام ہووی	امور بوجہ احسن تمام ہووی
تو خدا تعالے اپنے رسول صلعم پر یہ آیت نازل کیا کہ	تو خدای تعالے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کیا کہ	تو خدا تعالے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کیا

الیوم اکملت لکم دینکم
آج کے روز کامل کیا
میں واسطے تمہاری [1]
کیش تمہارے واتممت علیکم
نعمتی
اور تمام کیا میں اور بر
تمہاری نعمت
کیش میرے یہ آیت عرفات
میں
نازل ہوئی تھی جسوقت کہ
حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم [2] منا میں تشریف
لائے تو یہ سورہ نازل ہوا
اسیواسطے
رسول خدا صلے اللہ علیہ و
آلہ و صحبہ وسلم
حجۃ الوداع میں خطبے میں

الیوم اکملت لکم دینکم
آج کے روز کامل کیا
میں واسطے تمہارے
دین کیش تمہاری واتممت
علیکم نعمتی
اور تمام کیا میں اوپر تمہاری
نعمت
کیش میرے یہ آیت عرفات
میں
نازل ہوئی تھی جسوقت کہ
حضرت صلعم
مونا [3] میں تشریف
لائے تو یہ سورہ نازل ہوا
اسیواسطے
رسول خدا صلعم
حجۃ الوداع میں خطبے میں

الیوم اکملت لکم دینکم آج
کی روز کامل کیا میں واسطے
تمہاری
دینکیش تمہاری واتممت
علیکم نعمتی
اور تمام کیا میں اوپر تمہاری
نعمت
کیش میرے یہ آیت عرفات
میں
نازل ہوئی تھے جسوقت کہ
حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ و
سلم منا میں تشریف
لائی تو یہ سورہ نازل ہوا
اسیواسطے
رسول خدا صلے اللہ علیہ
و آلہ وسلم
حجۃ الوداع کی خطبے میں

---

[1] "تمہاری" کے بعد لفظ "دین" کتابت میں چھوٹ گیا ہے۔
[2] اصل میں "وسلم" ہے غلطی سے کتابت میں صلعم لکھ دیا گیا ہے۔
[3] یہ لفظ "منا" ہے۔ "مونا" کتابت کی غلطی ہے۔

تمام مناسک
حج بیان فرمائی اور کہے
کہ میرے [1] تمام
مناسک حج سیکھو شاید
کہ سال آیندہ
میسرہ ہوگا پس جبرئیل
علیہ السلام
یہ سورہ لائے کہ اذا جاء
نصر اللہ
جس وقت کہ آئی مدد
خدا تعالے سے کہ تمہاری
ہیں قریش
پر فتح دیا و الفتح اور
فتح کہ تمہارے ہیں
اور فتح تمام شہر و ملکے
تمہاری امت کے ہیں
ورایت الناس اور
دیکھتے ہو تم اے محمد صلے
اللہ علیہ و علی آلہ و صحبہ
وسلم لوگوں کیش یدخلون

تمام مناسک
حج کے بیان فرمائی اور کہی
کہ میری سے تمام
مناسک حج سیکھو شاید کہ
سال آئندہ
میسر ہوگا پس جبرئیل
یہ سورہ لائی کہ اذا جاء
نصر اللہ
جو وقت کہ آئی مدد خدائی
تعالے کے تمہاری ہیں
خدای تعالے سے قریش
پر فتح دیا و الفتح کہ
تمہاری ہیں اور فتح تمام
شہر و ملکا
تمہاری امت کیش
ورایت الناس اور
دیکھتے ہو تم ای محمد
صلعم
لوگوں کیش کہ یدخلون

تمام مناسک
حج کی بیان فرمائی اور کہے
میرے سے تمام
مناسک حج کی سیکھو شاید کہ
سال آیندہ
میسر ہوگا پس جبرئیل علیہ
السلام
یہ سورہ لائی کہ اذا جاء
نصر اللہ
جسوقت کہ آئی مدد خدا تعالے
کہ تمہاری تیئں خدا تعالے
قریش
پر فتح دیا و الفتح اور فتح کی
کہ تمہاری تیئں اور فتح
تمام شہر و ملکا
تمہاری امت میں
ورایت الناس اور
دیکھتے ہو تم ای محمد
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
لوگوں کیش یدخلون

---

[1] لفظ "میرے" کے بعد "سے" کتابت میں چھوٹ گیا ہے۔

فی دین اللہ داخل ہوتے
ہیں
بیچ دین اسلام خدا تعالے
کے افواجاً گروہ گروہ۔
یہ سورہ
نازل ہوئے کے بعد جماعت
جماعت ایمان لاتے تھی
جیسا کہ بنے اسد اور بنے
قریظہ اور بنے مرہ وغیرہ
حضرت صلے اللہ علیہ و
علی الہ وصحبہ وسلم
کے جنابوں میں آکر مشرف
ہوتے تھی
فتح
پس تسبیح کرو تم اے محمد
صلے اللہ علیہ وعلی الہ
وصحبہ وسلم بحمد ربک
سات حمد پروردگار

فی دین اللہ داخل ہوتے
ہیں
بیچ دین اسلام خدا تعالے
کے افواجاً گروہ گروہ
یہ سورہ
نازل ہوئی کے بعد جماعت
جماعت ایمان لاتے تھی
جیسا کہ بنے اسد اور بنے
قریظہ اور بنے مرہ وغیرہ
حضرت صلعم
کے جنابوں میں آکر مشرف
ہوتے تھی
فتح
پس تسبیح کرو تم ای محمد
صلعم
بحمد ربک سات حمد پروردگار

فی دین اللہ داخل ہوتی
ہیں
بیچ دین اسلام خدا تعالے کی
افواجاً گروہ گروہ۔
یہ سورہ
نازل ہونیکی بعد جماعت
جماعت ایمان لاتی تھی جیسا
کہ بنی اسد اور قریظہ اور بنی
مرہ وغیرہا حضرت محمد[1] صلے
اللہ علیہ و الہ
کے جناب میں آکر مشروف[2]
ہوتی تھی
فتح
پس تسبیح کرو تم ای محمد
صلے اللہ علیہ و الہ
وسلم بحمد ربک سات حمد
پروردگار

---

۱ اس نسخے میں اسم مبارک کا لفظ "محمد" زائد ہے۔

۲ "مشرف" کی بجائے "مشروف" لکھا ہے۔

تمہاری یعنے[1] سبحان اللہ بحمدہ
عائشہ
رضی اللہ تعالے عنہا سے
روایت ہے کہ
یہ سورہ نازل ہوچکی بعد
رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم کے تیں دیکھتے
تھی کہ ہر نماز کے بعد فرماتی
تھی سبحان اللہ
وبحمدہ اللہم اغفرلے۔
واستغفرہ اور طلب مغفرت
کرو تم اے محمد صلے اللہ
علیہ وعلے الہ وصحبہ وسلم
اوس سی خدا سے
یعنے واسطے کر نفس کے

تمہاری یعنے کہو سبحان اللہ
وبحمدہ عائشہ
رضی اللہ عنہا سے روایت
ہے کہ
یہ سورہ نازل ہوئی کے بعد
ہمیشہ[3]
میں رسول خدا صلعم کتیں
دیکھتے
تھی کہ ہر نماز کے بعد فرماتے
تھی سبحان اللہ
وبحمدہ اللہم اغفرلی۔ واستغفرہ
اور طلب مغفرت کرو۔ تم اے
محمد صلعم
اوس خدا تعالے سے
یعنے واسطے کر نفس کے

تمہاری یعنے کہو سبحان
اللہ وبحمدہ پےپے[2]
عائشہ رضی اللہ عنہا سے
روایت ہے کہ
یہ سورہ نازل ہونیکی بعد
ہمیشہ
میں رسول خدا صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کتیں دیکھتے
تھی کہ ہر نماز کے بعد فرماتی
تھی سبحان اللہ
وبحمدہ اللہم اغفرلی[4] واستغفرہ اور طلب
مغفرت کرو تم ای محمد
صلے اللہ علیہ و الہ
وسلم اوس خدا سے
یعنے واسطے کر نفس کے

---

۱ یعنے کے بعد لفظ "کہو" کتابت میں چھوٹ گیا ہے۔

۲ اس نسخے میں لفظ "پے پے" اضافہ ہے۔

۳ یہاں لفظ "میں" کتابت سے رہ گیا ہے۔

۴ "اللہم اغفرلی" ہونا چاہیئے کتابت کی غلطی ہے۔

کیفنے عمل کا اقرار کرو[1]	کسی عمل کا اقرار کرو	کسی بعمل کا اقرار کرو
یا استغفار کرو واسطے	یا استغفار واسطے گناہوں	یا استغفار کرو واسطے گناہوں
امت اپنی[2]	امت اپنے	امت کے اپنی
تحقیق وہ خدا تعالے	انہ تحقیق خدا تعالے	انہ تحقیق وہ خدا تعالے
کان	کان	کان
توابا ہی توبہ قبول	توابا ہے توبہ قبول	توابا ہی توبہ کا قبول کرنے[3]
کرنے بارا	کرنے والا	والا مغفرت
مغفرت	مغفرت	چاہنی والوں سے۔
والونے	چاہنے والونے	

مندرجہ بالا مخطوطوں کی عبارت میں کتابت کے سہو معمولی اور قابل نظرانداز ہیں اس لئے کہ ان کی وجہ سے عبارت کی یکسانیت متاثر نہیں ہوتی اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ زیر نظر مخطوطات یعنی ادارہ ادبیات اردو کی "تفسیر اذا جا" اور کتب خانۂ آصفیہ کی "تفسیر پارہ عم" کے دونوں مخطوطے "تفسیر تنزیل" سے نقل کئے ہوئے ہیں۔

تفسیر سورہ نصر کے سلسلے میں مفسر نے سورہ کی آخری آیت کے مندرجہ بالا ترجمے کے بعد متعلقہ ضروری اور مفید معلومات قلمبند کی ہیں چنانچہ رسول کریم

---

[1] اس نسخے میں "کیفنے عمل" لکھا ہے جبکہ دوسرے نسخوں میں علی الترتیب "کسی عمل" اور "کسی بعمل" لکھا ہے۔ [2] یہاں "واسطے گناہاں اپنے" لکھا ہے اور دوسرے نسخوں میں علی الترتیب "واسطے گناہوں امت اپنے" اور "واسطے گناہوں امت کے اپنی" لکھا ہے۔ [3] اس نسخے میں لفظ "کا" اضافہ ہے۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کی وفات کے واقعات کا تذکرہ ذیل کے الفاظ میں شروع کیا ہے:۔

"جس وقت کہ یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سن کر روئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پوچھے کہ اے عباس تم کس واسطے روتے ہو۔ حضرت عباسؓ عرض کئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم اس سورہ کے نازل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیتیں دنیا سے سفر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمائی رسول خدا صلے اللہ علیہ وعلے آلہ وصحبہ وسلم کہ اے عباس تم حق ہے۔ بس حضرت صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم جبریلؑ اسے بھی کہے کہ اے جبریل علیہ السلام میری تیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ اس سورے سے میری موت کے خبر دیتا ہی جبریل علیہ السلام عرض کئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تحقیق مت ہو وللآخرۃ خیر لک من الاولی اور البتہ آخرت بہتر ہی واسطے تمہاری دنیا سے۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم آخرت کے کام میں زیادہ کوشش کرتے تھی اکثر تسبیح

اور حمد اور استغفار کرتے تھے "۔

اس کے بعد رسول کریم صلعم کی حیات طیبہ سے آپ کی آخری معروفیات اور وصیتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے[1]۔ اس سلسلے میں مختلف احادیث اور روایات کی شہادتوں سے مدد لی گئی ہے۔ آخر میں[2] ایک نیا عنوان "احوال قرب وصال" قائم کرکے آنحضرت صلعم کی وفات کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں سورہ نصر پڑھنے کے فوائد اور اس کے ثواب کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس میں تفسیر دُرِّ المنثور اور تفسیر بیضاوی سے مدد لی گئی ہے۔ کتاب کا اختتام مندرجہ ذیل عبارت پر ہوتا ہے۔

" اور جو شخص کہ سورہ تکیتیں خواب میں پڑھا تو
خدائے تعالیٰ اوس کو دشمنو پر فتح دے گا
اور تمام مشکلات اوس کے حل ہوئیں گے۔ اور
بعضے کہتے ہیں کہ یہ خواب دلالت کرتا ہے
موت کے نزدیک ہونے پر فقط "۔

سورہ نصر کے ترجمے کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ آیتوں کی تفسیر کافی شرح وبسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ آیت "اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس" کے ترجمے میں اختلاف ہے۔ بعض نے "اذا جاء" اور "رایت" کا ترجمہ بفعل ماضی مطلق کیا ہے یعنی جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور[3]

---

[1] یہ سلسلہ ۲۲ صفحوں تک جاری رکھا گیا ہے۔

[2] ورق ۱۶ ب کے آخر میں (تفسیر اذا جاء " ادارہ ادبیات اردو)

دیکھیے "۔ زیر نظر تفسیر میں مصنف نے بھی اسی انداز کا ترجمہ کیا ہے۔

" جس وقت کہ آئی (مدد) "

لیکن بعض مترجمین نے عربی قواعد کی پابندی کی ہے اور فعل ماضی پر اذا داخل ہونے سے فعل مضارع کے معنوں میں ترجمہ کیا ہے۔ یعنی "جب آئے" لفظ "آئی" اور "آئے" کی کتابت میں پہلے یائے معروف اور مجہول کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا اس لحاظ سے یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ یہاں بھی مترجم نے "آئے" ہی کا ترجمہ کیا ہوگا لیکن "رایت" کے ترجمے "دیکھتے ہو تم" سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہاں مترجم نے بفعل حال ترجمہ کیا ہے۔

" تفسیر پارہ عم[1] " کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کے دونوں نسخوں کے آغاز و اختتام کی عبارت ایک ہی ہے آغاز سورہ فاتحہ سے ہے اور سورتوں کی ترتیب الٹی ہے یعنی اولاً سورہ فاتحہ پھر سورہ ناس اور آخر میں سورۂ نبا۔ آیتیں سرخی سے لکھی ہیں اور اس کے بعد ہی سیاہی سے ترجمہ و تفسیر کی عبارت تحریر کی گئی ہے۔ یہاں سورہ فاتحہ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

" بسم اللہ سے شروع کرتا ہوں اس کتاب
کیتیں سات نام اللہ کے کہ سزاوار پرستش
کا ہی الرحمن الرحیم بخشنے ہارا مہربان الحمد للہ
رب العلمین تمام تعریفاں ثابت ہیں واسطے
اللہ کے پرورش کرنے ہارا تمام عالم کا۔
الرحمن الرحیم مالک یوم الدین بخشنے ہارا آخرت

---

[1] تفسیر پارہ عم (۱۹۵) و تفسیر پارہ عم (۲۲۳) کتب خانہ آصفیہ۔

ہیں اور مہربان اوپر مسلماں کے مالک ہے روز
قیامت کا۔ ایاک نعبد وایاک نستعین تیرے
تئیں عبادت کرتے ہیں ہم اور تیری سے مدد چاہتے
ہیں ہم عبادت ہیں۔ اہدنا الصراط المستقیم راہ
دکھایا ہمارے تئیں سدی یعنے ثابت رکھ ہماری
تئیں اوپر راہ مضبوط کے۔ صراط الذین انعمت
علیہم راہ اون لوگوں کی کہ نعمت دیا تو نے اون
لوگوں کے یعنے راہ دکھایا راہ اون لوگوں کی کہ
اہل قرب ہیں یعنے مقبول ہیں۔ غیر المغضوب علیہم
سوای اون لوگوں کے کہ غضب کیا گیا اون پر
مراد لوگوں سے مشرک اور یہود ہیں ولا الضالین
اور مت راہ دکھا گمراہوں کے آمین یعنے ایسا
ہے ہووی اور لفظ آمین کا داخل کلام اللہ میں
نہیں ہے۔"

"الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ "بخشنے ہارا مہربان" کیا گیا ہے۔ اس ترجمے سے
بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رحمٰن ورحیم کے جو دو اسماء استعمال کیے گئے ہیں۔
مفسر نے بخشنے ہارا' مہربان سے ان دو اسماء کا ترجمہ کیا ہے حالانکہ بخشنے
ہارا" رحمٰن" کا ترجمہ ہے نہ مہربان رحیم کا ترجمہ۔ غالباً مفسر نے صرف رحمٰن
کا ترجمہ مہربان سے کیا ہے۔ حالانکہ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ تمام
مفسرین بڑا مہربان کرتے ہیں۔ اس تفسیر کے مفسر نے صیغہ مبالغہ کو حذف کرکے
بخشنے ہارا کے لفظ سے رحمٰن کے مرادی معنی لفظ مہربان پر اضافہ کر دیے ہیں۔

جس سے نہ صرف یہ کہ صیغہ مبالغہ کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اسے[1] اس سے یہ خرابی
پیدا ہوئی کہ بادی النظر میں یہ دونوں اسم بخشنے ہارا اور مہربان رحمٰن اور رحیم
کا علاوہ علاوہ ترجمہ معلوم ہونے لگے۔

یہاں ایاک نعبد وایاک نستعین کا ترجمہ بغیر حرف تخصیص "ہی" کے درج
ہے۔ حالانکہ تفسیر تنزیل کے دوسرے نسخوں میں حرف تخصیص موجود ہے[1]۔ غالباً
کتابت کی غلطی ہے۔ "انعمت علیہم" کی تفسیر بیان نہیں کی گئی صرف اہل قرب
یعنی "مقبول" کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اسی طرح "المغضوب علیہم" سے مراد
مشرک اور یہود دونوں لیے گئے ہیں اور "والضالین" کا صرف ترجمہ کر دیا گیا
ہے حالانکہ تمام مفسرین المغضوب علیہم سے یہود اور "الضالین" سے نصاریٰ
مراد لیتے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ کے پہلے نسخے (یعنی مخطوطہ ۱۹۵) میں سنہ کتابت
درج نہیں ہے البتہ دوسرے نسخے (مخطوطہ ۸۲۳) میں ترقیمہ کی عبارت سے اس
کا سنہ کتابت ۱۲۶۸ ہجری اور کاتب کا نام میر لطف علی معلوم ہوتا ہے۔

"این جزو تمام یافت از لفظ مع ترجمہ بتاریخ شانزدہم
شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۸ ہجری بروز شنبہ
بوقت یک پاس روز بر آمدہ بہ پاس خاطر

---

[1] تفسیر تنزیل (۲) کتب خانہ سالار جنگ۔ فوائد بدیعیہ جلد اول (۱۲۹) کتب خانہ آصفیہ
واضح ہو کہ تفسیر تنزیل اور فوائد بدیعیہ ایک ہی تفسیر کے دو نام ہیں۔ تفسیر تنزیل کے تحت اس
پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ البتہ ادارہ ادبیات اردو کے نسخہ تفسیر تنزیل مخطوطہ (۵۲۹) میں صرف
ایاک نعبد کے ترجمہ میں حرف "تخصیص" پایا جاتا ہے اور ایاک نستعین کے ترجمہ میں موجود
نہیں ہے۔ یہ بھی کتابت کی چوک ہے۔

حضرت قبلی صاحب قبلہ مدظلہ العالی بخط ناقص

عاصی میر لطف علی تمام رسید ۔

اس مخطوطے کا کاغذ اور تحریر پہلے مخطوطے کے مقابلے میں نسبتاً پرانی ہے۔ نیز اس میں بعض بعض الفاظ کی املا میں فرق ہے۔ مثلاً لفظ "پڑا" بجائے "پڑھا" لکھا ہے۔ ان شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس مخطوطے کی کتابت اول الذکر مخطوطے سے پہلے ہوئی ہوگی۔

اور ترقیمہ کی عبارت میں قبلی صاحب کا بھی نام مذکور ہے۔ ان کا پورا نام سید عبداللہ قادری اور قبلی عرفیت تھی۔ ان کے نام سے حیدرآباد میں ایک محلہ قبلی گوڑہ اب تک مشہور ہے۔ یہ سید بابا قادری مفسر "تفسیر تنزیل" کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے والد سید شاہ محمد یوسف قادری ولد سید شاہ محمد عبداللہ قادری نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں ایک صاحب اثر بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا مقبرہ بہبود علی شاہ صاحب (بہبود علی شاہ صاحب) کی کھڑکی کے باہر فصیل سے متصل قبرستان میں ہے۔ اس قبرستان کو انھوں نے ہی بنایا تھا۔ ان کی وفات سنہ ۱۲۳۰ ہجری کے قریبی زمانے میں ہوئی[1]۔ مفسر سید بابا قادری کے مزید حالات اور ان کی زبان و بیان کے بارے میں تفصیلات "تفسیر تنزیل" کے تحت دی گئی ہیں۔

---

[1] تذکرہ مخطوطات جلد سوم صفحہ (۶۰) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۔ "تفسیر تصریح" و "تفسیر پارہ عم یتسائلون" و "تفسیر پارہ عم و تبارک"

پارہ عم کی ایک تفسیر کا مخطوطہ "تفسیر تصریح"[1] کے نام سے ادارہ ادبیات اردو میں ہے۔ اس کے مفسر مولوی حافظ میر شجاع الدین حسین صاحب حیدرآباد کے ایک بڑے عالم، صاحب تصنیف اور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے اجداد عہد اکبری میں ہندوستان آئے تھے اور ان کے دادا مولوی کریم اللہ صاحب نے برہان پور میں اقامت اختیار کر لی تھی اور وہیں سادات خاندان کے ایک گھرانے میں جو شاہ ہاشم قدس اللہ سرہ کی اولاد میں سے تھا شادی کی۔ مولوی شجاع الدین حسین سنہ ۱۱۷۰ ہجری میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ ایک ہی سال بعد والد انتقال کر گئے۔ یہ والدہ کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ برہان پور اس زمانے میں علم و فضل کا مرکز تھا۔ مولوی شجاع الدین حسین وہاں

---

[1] مخطوطہ (۱۰۷۶)۔ سائز (۸½ × ۶) ورق (۱۰۲) سطر فی صفحہ (۷) خط معمولی نستعلیق۔ کاغذ انگریزی۔

کے بڑے بڑے باکمال اور ذی علم اصحاب سے مستفیض ہوئے۔ حج و زیارت
کے بعد سنہ ۱۲۱۱ ہجری میں حیدرآباد آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ چارمینار
کے پاس جامع مسجد میں اقامت اختیار کی۔ یہیں طلبہ کو درس دیتے رہے۔
راجا چندو لال اور نواب شمس الامراء امیر کبیر مولوی صاحب کے بہت معتقد
تھے۔ مسجد کے کمرے ان کے شاگردوں کے قیام کے لئے درست کروادئے تھے۔

مولوی شجاع الدین صاحب نے مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری (دکن) سے
بیعت اور خلافت حاصل کی تھی۔ مولوی صاحب نے رشد و ہدایت کے ساتھ درس
و تدریس بھی جاری رکھی تھی۔ قاضی امیر اللہ قندھاری نے مولوی صاحب کی سوانح عمری
لکھی ہے۔ یہ "مناقب شجاعیہ" کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ ان کے حالات
اور تصانیف کی تفصیل ادارہ ادبیات اردو کے تذکرہ مخطوطات جلد اول[1] میں
بھی درج ہے۔ عربی فارسی اور اردو کی پندرہ تصنیفوں میں رسالہ علم قرأت اور
کشف الخلاصہ یہ دو کتابیں اردو میں ہیں۔ کشف الخلاصہ منظوم رسالہ ہے۔
ان کے متعدد مخطوطے ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ
زیر نظر تفسیر بھی اردو میں لکھی گئی ہے۔ مولوی صاحب کے مدرسے کے حالات
مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "عہد آصفی کی قدیم تعلیم" میں بیان
کئے ہیں۔

زیر نظر مخطوطے کے سرورق کی عبارت میں جو سرخ روشنائی میں ہے
مفسر، فرمائش کنندہ اور کاتب تینوں کا نام درج ہے۔

"این کتاب الحمد تفسیر مولوی میر شجاع الدین صاحب
برائے خاطر عاطر امام الدین صاحب سید عبداللہ
امکان نوشتہ دادہ شد۔"

---

[1] صحیفہ (۱۷، ۴)

اس کے نیچے سیاہ قلم میں اسی قسم کی ایک اور عبارت ہے مگر یہ کسی اور کا قلم
ہے۔

"این کتاب الحمد تفسیر (مولوی میر شجاع الدین
صاحب مولوی) ملک سید عبداللہ ولد سید
یوسف الامیر عفا اللہ لہ ولوالدیہ آمین"۔

مندرجہ بالا فقروں میں اس تفسیر کا نام کتاب الحمد لکھا ہے اور ترقیمہ میں
اس کو "تفسیر تقریباً" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

ترقیمہ:۔

"بفضلہ تعالیٰ تفسیر تقریباً میر شجاع الدین صاحب
والا مناقب بر زبان ہندی فرمودہ اند۔ الحمد للہ
والمنۃ این تفسیر الحمد بتاریخ یازدہم صفر المبارک
بروز سہ شنبہ در وقت پہر روز و نیک ساعت
در زمانہ نواب مستطاب معلی الالقاب سپہر رکاب
نواب ناصر الدولہ بہادر چراغ آصفی رئیس
دکن فرخندہ بنیاد حیدرآباد۔ باتمام رسید د
خط خام کثیف کمترین سید عبداللہ ولد سید
حبیب صاحب برائے خاطر عاطر حضرت امام
الدین صاحب نوشتہ دادہ شد"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر نے اس تفسیر کا نام تفسیر تقریباً رکھا ہے۔ کاتب نے
اس نام کے علاوہ اس کو "تفسیر الحمد" سے بھی موسوم کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی
ہے کہ چونکہ عوام پارہ عم کو "الحمد کا پارہ" کہتے ہیں اس لئے کاتب نے عوام کے

بکھنے کے لیے ان کے محاورے کے مطابق تفسیر پارۂ الم کی بجائے تفسیر الم لکھ دیا ہے۔
ترقیمے کی عبارت سے واضح ہے کہ کاتب سید عبداللہ ولد سید حبیب صاحب نے سید امام الدین صاحب کی خاطر تفسیر کی نقل کی اور سید عبداللہ امکان ولد سید یوسف کو دی۔

ادارہ ادبیات اردو میں ایک مخطوطے (۹۱ ن) میں امکان شاگرد برہان کا کلام موجود ہے۔ اگر یہ امکان سید عبداللہ ولد سید یوسف ہی ہوں تو ان کے کلام کی تفصیلات ادارہ کی فہرست مخطوطات جلد چہارم (صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۵) میں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر تفسیر کے مندرجہ بالا ترقیمے کی عبارت میں سنہ تکمیل تفسیر درج نہیں ہے۔ ڈاکٹر زور نے بھی قطعیت سے سنہ تفسیر متعین نہیں کیا۔ صرف "قبل سنہ ۱۲۵۰ ہجری کی تصنیف" لکھا ہے۔ البتہ ترقیمے کی عبارت سے نواب ناصر الدولہ کے زمانے کا تعین ہوتا ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ میں بھی مولوی میر شجاع الدین صاحب کی تفسیر کا ایک مخطوطہ[1] "تفسیر پارہ عم یتساءلون" کے نام سے موجود ہے۔ اس کے ترقیمے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر ماہ رجب سنہ ۱۲۴۷ ہجری میں اختتام کو پہنچی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت ۸ محرم الحرام سنہ ۱۲۵۰ ہجری چہارشنبہ کے دن تکمیل پائی۔ اس کا کاتب شیخ محمد عرف کالے خاں ہے۔ ترقیمے کی عبارت ذیل میں پیش ہے۔

"بتاریخ سلخ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۴۷ ہجری
تمام شد تمت تمام شد تفسیر حضرت مولانا میر شجاع
بتاریخ ہشتم محرم الحرام سنہ ۱۲۵۰ ہجری روز
چہارشنبہ بیکم پاس روز برآمدہ بود۔

[1] مخطوطہ نمبر تفسیر (۷۲۹) سائز (۵/۸)۔

تحریر یافت
بخط فقیر حقیر شیخ محمد عرف کالے خاں ساکن بلدہ
فرخندہ بنیاد حیدرآباد برائے خود لکھے بود۔"

اس کے بعد دوسرے صفحے پر عقیقہ کی قربانی کے وقت پڑھنے کی دعا بھی ہے جو غالباً کسی نے بطور یادداشت تحریر کر دیا ہے۔ آصفیہ کے زیر نظر نسخے کے ترقیمے میں تفسیر کا کوئی نام نہیں بتایا گیا ہے۔ اسی لئے غالباً بوقت ترتیب کسی نے اس کا نام "تفسیر پارہ عم یتساءلون" لکھ دیا ہے۔ چنانچہ فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ میں اس تفسیر کا یہی نام ہے۔[1]

مولوی عبدالحق نے بھی اپنے مضمون[2] میں مولوی شجاع الدین صاحب کی تفسیر پارہ عم کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ترقیمے میں اس کا نام "تفسیر لفقرا" موجود ہے اس کا سنہ اختتام ۱۲۴۸ ہجری لکھا ہے۔

"بعون عنایت الٰہی این تفسیر لفقرا کہ سید شجاع الدین
صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بزبان ہندی ترجمان بیان
فرمودند بتاریخ یازدہم روز جمعہ شہر محرم الحرام سنہ
۱۲۴۸ ہجری اختتام یافت۔"

مولوی صاحب نے بھی تفسیر کا سنہ تعین نہیں کیا۔ ان کا خیال ہے کہ یا تو سنہ کتابت ہی سنہ تفسیر ہے یا اسی سنہ کے قریبی زمانے ہی میں یہ تفسیر لکھی گئی ہے وہ لکھتے ہیں۔

[1] مخطوطہ نمبر تفسیر (۷۲۹) سائز (۵/۸)

[2] "اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں" صفحہ (۱۵۱) قدیم اردو۔

"اگرچہ یہ (۱۲۲۸ ہجری) سنہ کتابت ہے لیکن تالیف
کا سنہ بھی یہی یا اس کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے"۔

سطور مندرجہ بالا میں کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطے کی رو سے سنہ تفسیر ماہ ۱۲۲۲ ہجری کا ماہ رجب متحقق ہو چکا ہے اس لئے مولوی صاحب کا یہ قیاس کہ سنہ تفسیر ۱۲۲۸ کے لگ بھگ ہوگا درست ہے۔

کتب خانہ سالار جنگ میں ایک مخطوط "تفسیر پارۂ عم و تبارک"[1] سے موسوم ہے لیکن مفسر کے نام کا پتہ نہ تو مخطوطے سے چلتا ہے اور نہ ہی فہرست کتب سے۔ فہرست کتب میں تو صاف صاف لکھا گیا ہے کہ "مصنف نامعلوم" ہے اور مزید یہ بھی لکھا ہے کہ "مترجم کے متعلق کوئی معلومات بدست نہیں ہوئے"۔ تاریخ تفسیر قریب سنہ ۱۲۰۰ ہجری بتائی گئی ہے۔ مخطوطے کا آغاز سورۂ نبا کی تفسیر سے ہوا ہے۔ تفسیر کی اپنی زبان اور بیان سے مقالہ نگار کو میر شجاع الدین حسین صاحب کی تفسیر کا شبہ ہوا۔ چنانچہ سورۂ نبا اور بعض دیگر سورتوں کی عبارت تفسیر کا مقابلہ مولوی شجاع الدین صاحب کی تفسیر سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مولوی صاحب ہی کی تفسیر کا نسخہ ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ ادارہ ادبیات اردو، مولوی عبدالحق اور کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطوں میں تو صرف پارۂ عم کی تفسیر ہے۔ لیکن کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطے "تفسیر پارۂ عم و تبارک" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی شجاع الدین صاحبؒ نے پارۂ عم کے علاوہ سورۂ فاتحہ، سورۂ یٰسین، سورۂ رحمٰن، سورۂ فتح، سورۂ واقعہ، سورۂ جمعہ، سورۂ تبارک اور سورۂ مزمل کی بھی تفسیر کی ہے۔ مخطوطے میں سورتوں کی تفسیر مذکورہ بالا ترتیب ہی میں ہے۔ آخر میں سورۂ مزمل ہے اور یہ ناقص الآخر بھی ہے۔

---

[1] مخطوط (۵۱)۔ صفحہ (۲۷۶) سلسلہ صفحہ (۱۷) خط نسخ طبی کاغذ دیاتی ہو۔

اس کے اختتام کی عبارت یہ ہے :-

"اور قرآن پڑھنے (پڑھنے) کی مقدار میں اختلاف ہی (ہے) بعضی لکھتی ہیں کہ قرآن کی تیس آیت سے کم نا پڑی (پڑھے) اور بعضی لکھتی ہیں کہ سو آیت سی کم نا پڑنا (پڑھنا) اور بعضی لکھتی ہیں کہ دو سو آیت سے کم نا پڑنا اور بعضی لکھتی ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہی۔"

اس فقرے پر صفحہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور صفحے کے نچلے گوشہ میں رکاب "ملک" لکھا ہے۔ اس طرح لکھے گئے الفاظ مابعد صفحے کے ابتدائی الفاظ ہوا کرتے ہیں اور یہاں وہ صفحہ اور اس کے ساتھ نہ جانے کتنے اور بھی صفحے غائب ہیں۔ اس طرح نسخہ ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے ترقیمے کی عبارت دستیاب نہ ہو سکی ورنہ ممکن تھا کہ مفسر، سنہ تفسیر اور سنہ کتابت بھی چیزیں مل جاتیں۔ اس کے باوجود جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ مولوی شجاع الدین حسینؒ کی تفسیر ہے تو ایسی صورت میں فہرست کتب میں مندرج سنہ تفسیر قریب ۱۲۰۰ خود بخود غلط ہو جاتا ہے۔ ویسے تو سطور مندرجہ بالا میں مولوی شجاع الدین صاحب کی تفسیر تفرقی اور تفسیر پارۂ عم کا سنہ تفسیر ماہ رجب ۱۲۲۲ ہجری متعین ہو چکا ہے۔ لیکن زیر بحث مخطوطے میں چونکہ پارۂ عم کے علاوہ مزید آٹھ سورتوں کی بھی تفسیر ہے اس لئے اس کے سنہ تفسیر میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ قیاس تو یہی ہے کہ ان آٹھ سورتوں کی تفسیر کا کام تفسیر پارۂ عم ہی کے بعد انجام پایا ہوگا۔ اس طرح زیر بحث تفسیر کا سنہ مابعد رجب ۱۲۲۲ ہجری اور قبل ۱۲۵۷ ہجری ہونا چاہئے اس لئے کہ تحقیق کی رو سے جس پر آئندہ سطور میں روشنی ڈالی جائے گی اس کی کتابت کا سنہ ۱۲۵۷ ہجری ثابت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں زیر بحث مخطوطے کے متعلق سے حقیقت حال کا اظہار ہو چکا

ہے کہ اس میں دیباچے یا ترقیمے وغیرہ کی کوئی ایسی تحریر نہیں پائی جاتی جن کی مدد سے مفسر یا سنہ تفسیر اور سنہ کتابت کے بارے میں معلومات ہو سکیں۔ بعد تحقیق بسیار معلوم ہوا کہ چند سال پہلے کتاب "تفسیر پارہ عم و تبارک" کی اس جلد میں دو دینی کتابیں اور بھی شامل تھیں جو بعد کو اس تفسیر سے علٰحدہ کر دی گئی ہیں۔ تلاش و تجسس سے پتہ چلا کہ علٰحدہ کردہ کتابیں "خلاصہ حنفی" "کشف الخلاصہ" اور "عقائد حنفی" ہیں۔ ترتیب میں ان کے بعد تفسیر پارہ عم و تبارک تھی۔

زیر نظر بے نام و نشان تفسیر کے تفسیر تقریباً سے تقابلی مطالعہ کے بعد جو رائے قائم کی گئی تھی کہ یہ مولوی شجاع الدین حسینؒ ہی کی تفسیر ہے۔ ان رسالوں سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چونکہ یہ کتابیں اور تفسیریں ایک ہی خط (نسخ طبعی) میں انگریزی بلو کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں اس لئے ان سب کا ایک ہی کاتب ہونا قرین قیاس ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی کتابت مختلف سنین میں ہوئی ہو۔ اور پھر بعد میں ان کو ایک جلد میں اکٹھا کر دیا گیا ہو لیکن یہاں اس کی ان کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ ان کتابوں کے ہر ورق کے اختتام پر دوسرے ورق کے پہلے صفحے کا رکاب لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ کشف الخلاصہ کے ختم پر صفحے کے نچلے گوشے میں "قال النبی" لکھا ہے اور یہ "عقائد حنفی" کے آغاز کے کلمے ہیں۔ اسی طرح عقائد حنفی کے اختتام پر صفحے کے نچلے گوشے میں "بسم" لکھا ہے اور یہ تفسیر پارہ عم کے آغاز کا لفظ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا کتابوں کی کتابت بالترتیب عمل میں آئی ہے۔ "خلاصہ حنفی" کے صفحے (۲۰) پر مندرج عبارت سے اس کا سنہ کتابت ۱۲۵۷ ہجری ثابت ہوتا ہے۔ عبارت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:۔

"قوموا قانتا واقیموا الصلاۃ ولا تکونوا من المشرکین۔
خلاصہ حنفی مذہب میں تمام کیا ہوا حضرت مولانا حافظ

شجاع الدین صاحب آدم (ادام) اللہ تعالیٰ برکاتہ حسب الامر جلیل القدر جناب مولوی عبدالحلیم صاحب ولد مرحوم و مغفور حضرت مولوی محمد انس صاحب نور اللہ مرقدہ۔ یہ خاک نعلین رسول، ثقلین محمد حسین خلف مرحوم محمد سلیم سقی اللہ ثراہ نے سنہ ۱۲۵۷ ہجری مقدس معلی میں درمیان شہر جمعیتہ (بمبئی) کو چھاپے کو ان دیکھ کر لکھا گیا ہوئی کتاب خلاصہ۔"

"کشف الخلاصہ" کے ترقیمے کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"تحریر فی التاریخ ہفتم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۵۷ ہجری مقدس معلی۔"

کشف الخلاصہ کے آخری صفحے کے اختتام پر اسی خط (نسخ طبعی) میں "یہ کتاب قادر علی شریف" لکھا ہے۔ امکان ہے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب جس میں تفسیر بھی شامل ہے قادر علی شریف نامی کسی صاحب کی ہوگی۔ تفسیر پارہ عم و تبارک ناقص الآخر ہے۔ اس لئے خاتمہ کتاب یا ترقیمے کی کوئی عبارت دستیاب نہ ہو سکی۔ لیکن جو سنہ کتابت ۱۲۵۷ منسلکہ کتابوں کا ہے وہی سنہ "کتابت" تفسیر کی کتابت کا بھی ہوگا۔ چونکہ خلاصہ حنفی، کشف الخلاصہ، عقائد حنفی اور تفسیر کا قلم اور کاغذ ایک ہی ہے اس لئے خلاصہ حنفی کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر کا کاتب بھی محمد حسین خلف محمد سلیم ہے۔

اس مخطوطے میں پارہ عم کی تفسیر سو صفحات پر مشتمل ہے اور باقی آٹھ سورتوں کی تفسیر کی تعداد صفحات ذیل میں درج ہے:۔

۱۔ سورہ فاتحہ ½ ۱ صفحہ ۲۔ سورہ یٰسین ½ ۲۰ صفحے

۳۔ سورہ رحمٰن ۱۱½ صفحے — ۶۔ سورہ جمعہ ۴½ صفحے
۴۔ سورہ فتح ۱۴ صفحے — ۷۔ سورہ تبارک ۷ صفحے
۵۔ سورہ واقعہ ۹½ صفحے — ۸۔ سورہ مزمل ۶ صفحے موجود ہیں اور باقی
اوراق غائب ہیں۔

مولوی عبدالحق نے نمونۂ عبارت کے لئے تفسیر القرآن سے سورہ نبا کے ترجمہ و تفسیر کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ لیکن شان نزول کی ابتدائی عبارت مولوی صاحب کے منقول میں نہیں ہے۔ غالباً مولوی صاحب نے اس کی نقل غیر ضروری سمجھی اور آغاز (عم یتساءلون) سے "وجعلنا النھار معاشا" تک ترجمہ و تفسیر کو نمونۂ عبارت کے لئے کافی سمجھا۔ چونکہ دیگر نسخوں میں شان نزول بھی درج ہے۔ اس لئے ذیل میں متن کے ترجمے و تفسیر کے ساتھ اس عبارت کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔ جہاں جہاں الفاظ کتابت سے چھوٹ گئے ہیں یا کہیں اہم فرق پایا گیا تو حاشیے میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کفار لوگوں کو اسلام
کے طرف بولانے لگے[1] سب کافر[2] تعجب سے آپس میں
پوچھنے لگے کہ نیا دین[3] اور نیا قرآن کیا ہی کیسے کہا غرض
کسی نے کہا سحر ہی کیسے کہا اگلے قصے ہیں۔ حق سبحانہ تعالی[4]

---

۱ دیگر نسخوں میں اس کی املا "بلانے لگے" ہے۔
۲ "کافر" (آصفیہ۔)
۳ "یہ نیا دین" (آصفیہ و کتب خانۂ سالار جنگ)
۴ "حق تعالی" (آصفیہ و کتب خانۂ سالار جنگ)

اونکے حال سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کیا (کی)[1] کہ
تم جتا لوگ کسی چیز[2] سے آپس میں ایک کو ایک پوچھتے
ہیں یہ کافر[3] آپ ہی[4] کیمتحق نے ایسا فرمایا[5] عن النبا العظیم
الذی خبر بڑی ہے کہ یہ وہ قرآن ہے[6] ہم فیہ ایسا قرآن کہ
وہ کفار اوس میں[7] مختلفون اختلاف کرتے ہیں[8] کوئی کچھ
کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کلا سیعلمون
تحقیق جلدی جانیں گے جب[9] قیامت آئے گی کہ پیغمبر
سچے تھے اور قرآن خدا کا کلام ہے[10] ثم کلا سیعلمون
پھر تحقیق[11] جلدی جانیں گے کہ برا کیا جو ایمان نہ لائے[12] ہم
الم نجعل الارض مھادا کیا نہیں کئے ہم نے زمین کو
بچھونا کہ سب اوس پر ٹھہریں[13] والجبال اوتادا اور

---

۱ "کو" (کتب خانۂ سالار جنگ و آصفیہ)
۲ "کے" (نسخۂ مولوی عبدالحق) ۳ "یہ کافر" اسم اشارہ قریب "یہ" دیگر نسخوں میں نہیں ہے۔
۴ "اپنی" (کتب خانۂ سالار جنگ) ۵ "پھر ایسا فرمایا" (کتب خانۂ سالار جنگ) "پھر آپ ہی کا فرمایا" (آصفیہ و نسخۂ مولوی عبدالحق) ۶ "عن النبا العظیم خبر بڑی ہے کہ وہ قرآن ہے" (نسخۂ مولوی عبدالحق کتب خانۂ سالار جنگ و آصفیہ) ۷ "الذی ہم فیہ ایسا قرآن کہ سے وہ کفار اس میں" (نسخۂ " " " ") ۸ "مختلفون اختلاف کرنے والے ہیں" (نسخۂ " " " ") ۹ "کہ جب" (کتب خانۂ سالار جنگ)
۱۰ "تھا" (نسخۂ کتب خانۂ سالار جنگ) ۱۱ "کہ" (کتب خانۂ سالار جنگ) ۱۲ "برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے" (نسخۂ آصفیہ) ۱۳ "آیا نہیں کئے ہم زمین کو بچھونا تاکہ اوس پر سب ٹھہریں" (نسخۂ مولوی عبدالحق و آصفیہ) "کیا ہم نہیں کیا ہم زمین کو بچھونا کہ اوس پر سب ٹھہریں" (کتب خانۂ سالار جنگ)

پہاڑوں کو میخیں۔ جب زمین کو پیدا کیا تو وہ[1] پانی پر ہلتی
تھی پھر پہاڑوں کو میخیں[2] اوس پر رکھا تب زمین ٹھہری
وخلقنکم ازواجا اور پیدا کئے ہم نے[3] تمہیں جوڑے
جوڑے کہ تم سے[4] اولاد ہوئے[5] یا بجانت بجانت
جیسا کالے گورے اونچے نیچے اچھے برے وجعلنا
نومکم سباتا اور کئے ہم نے نیند کو تمہاری آرام کے واسطے
کہ بدن کو راحت ہوئے[6] اور ماندگی دور ہوئے وجعلنا
اللیل لباسا اور کئے ہم نے رات کو لباس کہ سب
کو اندھاری سے ڈھانپتے ہی[7] وجعلنا النہار معاشا
اور کئے ہم نے دن کو معاش کا وقت[8] کہ اوسمیں روزی
پیدا کرو اور پھر وچھ پکاؤ کھاؤ ...... الخ[9]

سورہ نبا کے ترجمے و تفسیر کے سلسلے میں اس مقالے میں اکثر مقامات پر وضاحت

---

[1] "تو وہ" (نسخۂ مولوی عبد الحق) [2] "کی" نسخۂ مولوی عبد الحق و آصفیہ و سالار جنگ)

[3] "نے" دیگر نسخوں میں نہیں ہے۔

[4] "ہم سے" (کتب خانۂ آصفیہ) کتابت کی غلطی ہے۔

[5] "یا" نسخۂ مولوی عبد الحق میں نہیں ہے۔

[6] اور کئے ہم نیند کو تمہارا کہ بدن کو آرام پہونچے" (نسخۂ مولوی عبد الحق) اور کئے ہم نیند کو تمہارا آرام کہ بدن کو آرام پہونچے" (کتب خانہ آصفیہ و سالار جنگ)

[7] دوسرے نسخے "بلکہ" نے کہے ہیں۔ [8] "ڈھانپنے" (دیگر نسخے) [9] "وقت زندگی کا" (دیگر نسخے) [10] "تفسیر نقوی" (ادارہ ادبیات اردو)۔

کی جاچکی ہے کہ "عم یتساءلون" میں خاص معنویت ہے۔ ایک تو یہ کہ لوگ جس بات
کا کھوج لگا رہے ہیں اور جس چیز کی تفتیش میں مشغول ہیں وہ در اصل ہے کیا وہ قرآن مجید
ہے یا نبوت ہے یا قیامت یہاں مفسر نے صرف نبا دین اور قرآن کی طرف اشارہ
کیا ہے البتہ آگے کلا سیعلمون کی تفسیر سے کچھ قدر وضاحت ہوتی ہے لکھا ہے:۔
"تحقیق جلدی جانیں گے جب قیامت آوے گی کہ پیغمبر سچے تھے اور قرآن خدا کا کلام ہے"۔
دوسرے یہ کہ اس قسم کی پوچھ پاچھ سے کیا وہ بات ان کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے
کہ ان میں اس کی استعداد ہی نہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی وضاحت طلب
ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ پوچھ پاچھ کس کے درمیان ہو رہی ہے۔ کفار آپس میں ہی کر رہے
ہیں یا ان کے مخاطب رسول کریم صلعم اور مومنین بھی ہیں۔ مفسر نے صرف "آپس میں
ایک کو ایک پوچھتے ہیں" سے معنویت میں تحدید پیدا کر دی۔ اور نبأ عظیم سے قرآن
مجید مراد لیا ہے۔

مولوی شجاع الدین صاحب[1] مفسر تفسیر زیر نظر اور سید بابا قادری[2] مفسر تفسیر
تنزیل دونوں ہم عصر تھے بلکہ دونوں کی تفسیر کا سنہ تفسیر ایک ہی (سنہ ۱۲۲۴
ہجری) ہے اس لئے موازنہ میں سہولت کی خاطر یہاں سید بابا قادری کی تفسیر سورہ
نبا سے بھی نمونہ عبارت پیش کیا جاتا ہے:۔

"جس وقت کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دعوت
ایمان کے آشکارا کئے اور قرآن شریف خلق پر پڑھی
اور قیامت کے روز سے ڈرائی بلکہ کفار حضرت کے
نبوت میں اور قرآن کے نازل ہونے میں اور
قیامت کے آنے میں اختلاف کئے اور آپس میں
ایک دوسرے سے سوال کرتے تھی یا پیغمبر سے اور

صحابہ سے پوچھتے تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
عم یتساءلون کس چیز سے سوال کرتے ہیں کفار عن النبأ
العظیم خبر عظیم سے یعنے قرآن سے الذی ہم ایسے خبر کہ
وہ کفار فیہ مختلفون اس خبر کے اختلاف کرنے
والے ہیں یعنے قرآن شریف کیتیں سحر اور شعر اور
کہانت کے نسبت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حکایتاں
اول گزری ہوئی ہیں اور یہ قرآن دل سے بنایا ہوا
ہے۔ بعضے مفسر کہتے ہیں کہ نبا عظیم سے مراد نبوت
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کہ کفار بایکدیگر سوال
کرتے ہیں کہ آیا محمد پیغمبر ہے یا نہیں اور محمد ساحر ہے
یا شاعر ہے یا دیوانہ ہے۔ زبدۃ التفاسیر میں آیا
ہے کہ بعضے کفار ازراہ مسخری کے مومنین سے سوال
کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گا۔ بعضے مفسر کہتے
ہیں کہ نبا عظیم سے مراد قیامت ہے کفار اس میں
اختلاف کرتے تھے۔ بعضے کہتے تھے کہ قیامت آنا
حق ہے لاکن بت ہماری شفاعت کریں گے۔
ہؤلاء شفعاءنا عند اللہ وہ بت ہماری شفاعت کرنے
والے ہماری ہیں۔ نزدیک خدائے تعالیٰ کے اور
بعضے کلی مطلق انکار کرنے والے تھے قیامت سے
کہتے تھے ان ہی الا حیاتنا الدنیا نہیں ہے وہ حیات
مگر زندگانی ہماری دنیا ہے اور بعضے کفار قیامت

کے آنے میں شک کرتے تھے۔"

سید بابا قادری نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تفسیر کی ہے اور مولوی شجاع الدین صاحب کی تفسیر مبہم اور تشنہ ہے۔ قطع نظر اس کے سید بابا قادری کی زبان بھی صاف ہے۔ عبارت میں عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً جہاں مولوی صاحب کے پاس "جلدی" "جائیں گے" "نہیں کے" "پھونا" "ٹھہرنا" "دور ہونا" اونچے نیچے "ڈھانپنے" الفاظ ملتے ہیں وہاں سید بابا قادری کی عبارت میں ان کے لئے عربی اور فارسی اسماء، صفات اور افعال مرکب ہیں۔ "قریب" "معلوم کریں گے" "یقین گردانے" "فرش" "قرار پکڑنا" "درنج ہو جانا" "دراز اور کوتاہ" "پوشیدہ کرنا" وغیرہ۔

ذیل میں دونوں مفسروں کی تفسیرے ایسے حصے پیش کئے جاتے ہیں جن سے ترجمہ کے الفاظ کے ساتھ ساتھ جملوں کی ترکیب اور عبارت کی صفائی و شستگی کا بھی موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

مولوی میر شجاع الدین صاحب	سید بابا قادری
کلا سیعلمون تحقیق جلدی جائیں گے جب قیامت آئے گی کہ پیغمبر سچے تھے اور قرآن خدا کا کلام ہے۔	کلا سیعلمون تحقیق قریب ہے کہ معلوم کریں گے (کریں گے) کفار روز قیامت کیتیں وقت سکرات موت کے جس چیز میں کہ اختلاف کرتے تھے وہ حق ہی۔
ثم کلا سیعلمون پھر تحقیق جلدی جائیں گے کہ برا کیا جو ایمان نلاتے انہ لائے ہم۔	ثم کلا سیعلمون پس تحقیق قریب ہے کہ معلوم کریں گی کفار کہ روز قیامت حق ہی (ہے) اور عقیدہ اپنا باطل تھا۔
الم نجعل الارض مھادًا آیا نہیں	الم نجعل الارض مھادًا آیا نہیں

کئے ہم نے زمین کو بچھونا کہ اوس پر سب ٹہریں۔

گردانی ہم زمین کیتیں فرش بچھایا ہوا تا تماری تیں قرار پکڑنے کی جاۓ ہوۓ۔

والجبال اوتادًا اور پہاڑوں کو میخیں۔ جب زمین کو پیدا کیا وہ پانی پر ہلتے تھی پھر پہاڑوں کی میخیں اوس پر دکھا تب زمین ٹھری

والجبال اوتادًا اور نیں گردانی ہم پہاڑوں کیتیں میخاں تا اوس کی زمیں مضبوط ہووی اور حرکت نکری۔

وخلقناکم ازواجًا اور پیدا کئے ہم نے تمیں جوڑے جوڑے کہ تم سے اولاد ہوئے یا بھانت بھانت جیسا کالے گورے اونچے نیچے اچھے برے۔

وخلقناکم ازواجًا اور پیدا کئے ہم تمہاری تیں جوڑی ہر قسم کی نر اور مادہ تا نسل تمہاری باقی رہی یا پیدا کئے ہم تمہاری تیں قسم قسم سیاہ اور سفید دراز اور کوتاہ خوبصورت اور بدصورت

وجعلنا نومکم سباتًا اور کی ہم نے نیند کو تمہاری آرام کے واسطے کہ بدن کو راحت ہوئے اور ماندگی دور ہوئے

اور گردانی ہم نیند کیتیں تمہاری آرام بدن کا یعنی نیند تمہاری حس و حرکت قطع کرتے ہی تا قوت حیوانی آرام پاوی اور ماندگی تمہاری دفع ہووے۔

وجعلنا الیل لباسًا اور کئے ہم نے رات کو لباس کہ سب کو اندھاری ڈھانپتی ہی۔

اور گردانے ہم رات کیتیں پردہ کرنے والی کہ سبب اندھیری کے تمہاری بیبو کو پوشیدہ کرے۔ فتوحات کی میں آیا ہی کہ رات خدا تعالے کی دوستوں کا پردہ ہے کہ اونکیتیں غیروں کی نظر سے پوشیدہ رکھتی ہی (ہے) تا اپنے خلوت میں مشاہدے

سے لذت پاویں موافق اپنے استعداد کی۔

وجعلنا النہار معاشًا اور کئے ہم نے دن کو معاش کا وقت کہ اوس میں روزی پیدا کرو اور پھرو چلو پکاؤ کھاؤ۔۔۔۔۔

وجعلنا النہار معاشًا اور گردانے ہم دن کیتیں وقت طلب معیشت کا تا معاش کے جستجو کرو۔۔۔۔۔۔۔

مولوی شجاع الدین صاحب کی عبارت میں "نے" علامت فاعلی پایا جاتا ہے فعل متعدی کے ساتھ "نے" استعمال ہوتا بھی تھا اور نہیں بھی۔ مولوی صاحب نے علامت مفعول "کو" استعمال کیا ہے جبکہ سید بابا قادری نے "کو" کی جگہ زیادہ تر "تیئں" اور "کیتیں" لکھا ہے اور اسم کی جمع بحالت مفعولی الف نون اضافہ کرکے بنائی ہے مثلاً میخاں نصیحتاں (فیھا کتب قیمة[1] یعنی اوس صحیفوں کی لکھی ہوئی مضبوط ہیں یعنے احکام اور نصیحتاں) برخلاف اس کے مولوی صاحب کے پاس اس کی جمع از روئے قاعدہ "یں" کے ساتھ ملتی ہے مثلاً میخیں"۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بابا قادری نے ہر اسم کی اسی طرح جمع بنائی ہے سید بابا قادری کی طرح مولوی شجاع الدین صاحب کی تحریر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں مثلاً "لکڑیاں کو" یہ مثال سورہ فلق کی تفسیر میں ملتی ہے لکھا ہے۔ "حدیث میں آیا ہی (ہے) کہ حسد نیک عملوں کو ایسا کھا جاتا ہی (ہے)، جیسا کہ آگ خوشک (خشک) لکڑیاں کو کھتی (کھاتی) ہے۔" اس فقرے میں "لکڑیاں کو" تو لکھا ہے لیکن "نیک عملوں کو" کی جگہ "نیک عملاں کو" نہیں لکھا۔ مولوی صاحب کی زبان سے متعلق

---

[1] سورة البینة۔

سے مزید معلومات کی خاطر تفسیر سورہ فلق کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے :۔

"تفسیر میں لائی ہیں کہ ایک لڑکا یہود کا حضرت کی پاس
آیا کرتا تھا۔ عقبہ بن عاصم کو بیٹوں نی بہوت مکر اور
حیلوں سی حضرت کے کنگی کے دندان نے اس کے ہاتھ منگا
کر حضرت کی نام سے جادو کرکے یک تاگی میں باندھ کر
روانگی کوی میں پتھر کی پنچی رکھیا اور جبرئیلؑ نے حضرت
کو خبر کئے۔ حضرت نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ
کو بھیجے وہ جاکر کوی میں سے تاگے لے آئی اوس میں
گیارہ گریں تھیاں حق تعالیٰ نی یہ دونو صورتیں (سورتیں)
بھیجاؔ[1] جبرئیل علیہ السلام پڑتے تھے ہر آیت پر
ایک گرہ کھل جاتے تھے گیارہ آیتوں نے گیارہ گرہیں
کھل گیاں۔[1] عقبہ ابن عامر روایت کرتے ہیں کہ حضرتؐ
نے فرمائے کہ یا عقبہ تعوذوا لتعوذون بمثل المعوذتین
یعنی اون دونو سورتوں سے زیادہ کوئی پناہ لینے کے
چیز نہیں۔"[2]

مندرجہ بالا عبارت کے بعض الفاظ کے املا سے اس دور میں ان کے تلفظ کا
اندازہ ہوتا ہے۔ بہوت (بہت) ہات (ہاتھ) کوی (کنویں) رکھیا (رکھا)
بھیجا (بھیجا) آخرالذکر دو لفظ "رکھیا" اور "بھیجا" سے پتہ چلتا ہے کہ فعل ماضی.

---

[1] تفسیر پارہ عم وتبارک مخطوطہ (۵) کتب خانہ سالارجنگ۔

[2] تفسیر پارہ عم پنتادوی مخطوطہ (۲۹) کتب خانہ آصفیہ۔

بنانے کے لئے مصدر سے علامت مصدر نکال لینے کے بعد "یا" اضافہ کرنے کا طریقہ اس
وقت تک بھی تھا۔ نیز یہ کہ اسم کی طرح فعل ناقص اور امدادی افعال کی بھی جمع آخر
میں الف نون لگا کر بنائی جاتی تھی۔ مثلاً تھیاں (تھیں) کھل گیاں۔ اسم بصیغۂ جمع
ہونے کی صورت میں حرف اضافت کو بھی مولوی صاحب نے بصیغۂ جمع استعمال کیا ہے۔
اس کی مثال سورہ فاتحہ میں "الحمد للہ" کے ترجمے "سب صفتاں خدائی کیاں" میں ملتی
ہے۔ لکھا ہے "جہاں تک صفت ہور سراہنا سزاوار ہیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو سب
صفتاں خدائی کیاں اوسی ثابت ہیں" حرف اضافت کی جمع بنانے کا رجحان بہت
قدیم ہے مولوی صاحب کے زمانے میں بڑی حد تک متروک ہوگیا تھا۔ "ایاک
نعبد وایاک نستعین" کا ترجمہ کیا ہے :۔

"ای پروردگار ہماری ہمیں بندہ تیری ہیں اور بندگی
تیری کرتے ہیں بندگی کرنے کے توفیق رکھتے ہیں اور
مدد بھی تیری سوں مانگتے ہیں جو ہمارا تیں پیدا کیے ہمارا
اور سب کام پر سب مدد کرنہارا تمہیں ہے۔"

اس ترجمے میں پہلا فقرہ "ای پروردگار ہماری ہیں بندہ تیری ہیں" ترجمہ
نہیں بلکہ تفسیر ہے اور بندہ کا لفظ عبادت کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ البتہ اس
کے بعد کا فقرہ "اور بندگی تیری کرتے ہیں" ایاک نعبد کا ترجمہ کیا ہے لیکن اس
جزو آیت میں جو حصر ہے ترجمے میں مفقود ہے۔ حصر کے ساتھ اس کا ترجمہ یہ ہے۔
"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ "وایاک نستعین" کا ترجمہ کیا ہے۔ "اور
مدد بھی تیری سوں مانگتے ہیں" اس ترجمے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے
حرف حصر "ہی" کی جگہ "بھی" استعمال کیا ہے۔ مولوی عبد الحق نے اپنی قواعد
"اردو حرف و نحو" میں "بھی" کو بھی حروف تخصیص میں شامل کیا ہے لیکن اس

کی جو مثال دی ہے ۔ ع ۔

"صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتی بھی نہیں"

میں لفظ "بھی" حصر یا تخصیص کا مفہوم نہیں پیدا کرتا ۔ اگر ہم مولوی عبدالحق کے بیان کے مطابق "بھی" کو حرف حصر تسلیم کریں تو بھی ترجمے میں یہ حرف تخصیص درست مقام پر استعمال نہیں ہوا ہے اس لیے کہ قرآن میں حصر "بلا" پر ہے نہ کہ "عدد" پر ۔ لیکن دکنی ترجمے کی ترکیب نحوی میں "بھی" حرف تخصیص "بتری" کے بعد نہیں آ سکتا تھا اس لیے کہ اس سے بجائے تخصیص کے تعمیم کا مفہوم پیدا ہو جاتا یعنی دوسرے الا کے ساتھ ہم بتری بھی مردانگے ہیں۔

زیر نظر تفسیر میں ترجمہ لفظی ہے ۔ درمیان میں تفسیری الفاظ اور جملے اضافہ کیے گئے ہیں ۔ ترجمہ و تفسیر میں ملا حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ تفسیر کے بعض حصے تو تفسیر حسینی (فارسی) ہی کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ بعض مقامات پر تفسیر حسینی کی تفصیلات کو بخوف طوالت حذف کر دیا گیا ہو ۔

۶۸۶ / ۶۹۲

تفسیر قرآن (مکمل)

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (آندھرا پردیش) کے تذکرہ مخطوطات میں ایک ایسی تفسیر قرآن کا تذکرہ ملتا ہے جس کا سنہ تفسیر ۱۲۰۰ ہجری ظاہر کیا گیا ہے ۔ عنوان "تفسیر قرآن (مکمل)" سے یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے لیکن مرتب فہرست نے اس کو نامکمل بتایا ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے :

"زیر نظر مخطوطہ بھی تفسیر قرآن ہے جو بظاہر مکمل ہے مگر
معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں اوراق غائب ہوں گے
بہت ہی کرم خوردہ ہو گیا ہے ۔ آخری پارے کی تفسیر
سے شروع ہوتا ہے اور اس میں سورہ مزمل اور
دوسرے پاروں کے سوروں کی بھی تفسیر موجود ہے ۔
معلوم نہ ہو سکا کہ مولف نے کیا ترتیب قائم کی تھی ۔
بحالت موجودہ اس کی عبارت یہ ہے" ۔[1]

واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ قرآن شریف کا مکمل ترجمہ و تفسیر نہیں ہے ۔ (۶½ / ۴½) سائز کے نسخے کے ہر صفحے پر شکست آمیز نستعلیق جلی خط سے لکھی ہوئی (۱۲) سطریں ہیں ۔ ایسے (۱۵۰) صفحوں پر پورے قرآن شریف کا ترجمہ و تفسیر ختم قرین قیاس نہیں

۱؎ تذکرہ مخطوطات جلد پنجم ص ۲۲۵ ۔

لطف کی بات یہ ہے کہ "تفسیر قرآن مکمل" کی سرخی کاتب کی لگائی ہوئی نہیں ہے بلکہ خود مرتب فہرست کی ہے۔ خود ہی سرخی لگائی ہے اور خود ہی اس کی تردید بھی کی ہے۔ دراصل اس نسخے میں پارہ عم کے علاوہ خاص خاص سورتوں کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ پارہ عم کی سورتوں کی ترتیب الٹی رکھی گئی ہے۔ یعنی سورہ فاتحہ کے بعد معوذتین اور سورہ اخلاص، لہب، النصر اسی پارہ کی آخری سورۃ "النبا" ہے۔ اور یہ ترتیب غالباً عوام کی سہولت کی خاطر رکھی گئی ہے۔ نماز میں بالعموم پارہ کی آخری چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہیں اس لئے پہلے ان سورتوں کے معنی و مطلب کی تفہیم ضروری سمجھی گئی ہوگی۔ پارہ عم کے بعد سورہ یٰسین، سورہ نوح، سورہ جن، سورہ مزمل، سورہ ملک، سورہ رحمٰن، سورہ جمعہ، طلاق، فتح، اور تبارک وغیرہ ہیں۔ اس نسخے کا اختتام سورہ القلم کی آخری آیت کی تفسیر پر ہوتا ہے اور صفحہ کا باقی ایک چوتھائی حصہ سادہ ہے اور اس کی پشت کا صفحہ بھی سادہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مترجم نے اسی حد تک ترجمہ و تفسیر کا کام انجام دیا ہے۔ اس آخری صفحہ پر مترجم کا یا کاتب کا نام اور سنہ ترجمہ وغیرہ کچھ بھی درج نہیں ہے۔ اس لئے قیاس ہے کہ اس نسخے کے ابتدائی صفحوں میں [illegible] ان امور سے متعلق کچھ نہ کچھ مواد ضرور درج رہا ہوگا۔ لیکن ان صفحوں کے تلف ہو جانے کی وجہ سے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا اور مرتب فہرست نسخے کو نہ جانے کیوں "تفسیر قرآن (مکمل)" کا عنوان دے دیا۔ ان تلف شدہ صفحات پر سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیتوں کا ترجمہ و تفسیر ہوگی لیکن اب بحالت موجودہ سورہ فاتحہ کی آیت "ایاک نعبد وایاک نستعین" سے ترجمہ ملتا ہے۔ قرآنی آیات سرخ روشنائی میں ہیں۔ ترجمہ و تفسیر الگ نہیں ہے۔ ترجمے کی عبارت کے پہلے یا بعد تفسیر کے لئے حسب ضرورت ایک دو فقرے اضافہ کر دیئے گئے ہیں۔

سورہ فاتحہ کا یہ ترجمہ مولوی میر شجاع الدین حسینؒ کا کیا ہوا ہے۔ مخطوطہ

تفسیر پارہ عم و تبارک[1] سے سورہ فاتحہ کے ترجمے و تفسیر کا اس سے مقابلہ کرنے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ زیر بحث "تفسیر قرآن" ساری کی ساری مولوی صاحب ہی کی تفسیر ہے۔ اس لئے کہ اس کی دیگر سورتوں کا ترجمہ و تفسیر مولوی صاحب کے ترجمے و تفسیر سے نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب نے مختلف تفسیروں سے مختلف سورتوں کی تفسیر اکٹھا کی ہے۔ ایسی تالیف کو بھی اس زمانے میں کار خیر اور حصول ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

مولوی میر شجاع الدین حسینؒ نے سنہ ۱۲۲۰ ہجری میں تفسیر لکھی تھی۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر تفسیر کی کتابت مابعد سنہ ۱۲۲۰ ہجری ہوئی ہوگی۔ سورہ فاتحہ کی مندرجہ بالا آیتوں کے ترجمے تفسیر اور زبان و بیان کے تعلق سے "تفسیر تقریح"[2] کے سلسلے میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں مکرر تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

---

[1] مخطوطہ (۵) تفسیر پارہ عم و تبارک۔ کتب خانہ سالار جنگ۔
[2] "تفسیر تقریح" از مولوی میر شجاع الدین حسینؒ۔

۷۸۶
۶۹۲

۷۔ تفسیر سورہ کہف تا سورہ عنکبوت

قدیم اردو[1] میں مولوی عبد الحق نے سورہ کہف سے سورہ عنکبوت تک کی تفسیر کے ایک قلمی نسخے کا تذکرہ کیا ہے۔ نمونے کے طور پر ترجمہ و تفسیر کی جو عبارت سورہ قصص سے مولوی صاحب نے نقل کی ہے وہ ذیل میں پیش ہے:۔

"(آیات[2] الکتاب المبین) آیتاں ہیں کتاب ظاہر کی کہ ظاہر کرنے ہار ہے راہ راست کے تئیں (نتلوا) تلاوت کرتے ہیں ہم (علیک) اوپر تمہارے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (من نبا موسی و فرعون) خبرے موسیٰ اور فرعون کی (بالحق) سات راستی کے (لقوم یومنون[3]) واسطے قوم جو ایمان لاتے ہیں (ان فرعون) تحقیق فرعون (علا فی الارض) تکبر کیا بیچ زمین مصر کے (وجعل) اور گردانا فرعون (اہلہا) لوگوں کے تئیں اوس مصر کے (شیعا) گروہ گروہ اور ہر گروہ کے تئیں ایک کام

---

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۵۶)

[2] غالباً تلک آیات الکتاب المبین۔

[3] "لقوم یومنون" ہونا چاہیئے۔

مقرر کیا (یستضعف[1]) اور ضعیف کرنا تھا یعنی مقہور کیا (طائفۃ منہم) ایک گروہ کے تئیں اون بنی اسرائیل میں سے (یذبح ابناءہم) ذبح کرتا تھا فرعون فرزندوں کے تئیں ان بنی اسرائیلوں کے (ویستحیی نساءہم) اور زندہ رکھتا تھا عورتوں کے تئیں اون کی واسطے خدمت قبطیوں کے (انہ کان) تحقیق وہ فرعون تھا (من المفسدین) فساد کرنے ہاروں سے"۔

مولوی صاحب نے اس کے مفسر کے نام یا سنہ تفسیر و سنہ کتابت وغیرہ کے متعلق سے کچھ بھی نہیں لکھا۔ تفسیر ناقص الاول یا ناقص الآخر ہوتی تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے یہ اور بات ہے کہ انھوں نے درمیان کے ایک اقتباس لے کر نقل کر دیا ہے۔ غالباً اس نسخے میں دیباچہ یا ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے کہ مولوی صاحب نے اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں لکھا۔

تفسیر کی زبان دکنی ہے۔ مولوی صاحب نے بھی اس کو دکنی لکھا ہے۔ ترجمہ لفظی نوعیت کا ہے البتہ تفہیم کے لیے کہیں کہیں چند جملے بھی اضافہ کر دیے گئے ہیں۔ اسم کی جمع "الف نون" اور "واؤ نون" دونوں طرح بنائی ہے۔ آیت کی جمع "آیتاں" اور فرزند اور عورت کی جمع "فرزندوں" اور "عورت" لکھی ہے۔ دونوں طرح سے جمع بنانے کا رجحان بارہویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور تیرہویں صدی کے ختم تک رہتا ہے لیکن زبان اور جملوں کی ترکیب کے پیش نظر اس تفسیر کا عہد وسط تیرہویں صدی ہجری معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] "یستضعف" ہونا چاہیئے۔

۴۸۶
۳۹۲

۸۔ تفسیر سورہ یوسف تا سورہ حج

قدیم اردو میں مولوی عبدالحق نے ایک اور تفسیر کا ذکر کیا ہے یہ سورہ یوسف سے سورہ حج تک کی تفسیر ہے[1]۔ مولوی صاحب کے بیان کے مطابق اس کے "شروع کے دو چار ورق غائب ہیں۔ آخر میں دستہ تفسیر وکتابت ہے۔ اور مصنف کا نام" نمونۂ عبارت کے لئے سورہ یوسف کی دو تین آیتوں کا ترجمہ و تفسیر نقل کیا ہے۔ جو ذیل میں درج ہے :۔

"(قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم[2]) کہا یوسف نے کو میرے تئیں کر حکم کرنے والا زمین کے خزانوں کا یعنی کاربار مالک مصر کا مجھے سونپ کہ تحقیق میں محافظت کرنے والا ہوں تیرے مالکوں اور خبردار ہوں امور ممالک میں (وکذالک مکنا لیوسف فی الارض) جیسا کہ بادشاہ کوں مہربان کیا میں نے یوسف پر ویسا ہی مرتبہ دیا یوسف کوں زمین مصر میں۔ یعنے مقبول خلائق کیا بادشاہ کیاں

---

[1] قدیم اردو ص (۱۵۲)

[2] قدیم اردو میں "علیم" کی بجائے "علیم" لکھا ہے کتابت کی غلطی ہے۔

لائے ہیں کہ یوسف علیہ السلام ستر اوروز بان جانتے تھے بیچ تفاسیر معتبرہ کو رہے کہ بادشاہ نے زر سرخ مرصع سیں اور بھانت بھانت کے جواہر لگے ہوئے واسطے یوسف علیہ السلام کے مقرر کیا۔ تاج ہیکلی اوپر سر اوس کے رکھ کر کلیاں خزانے کیاں سونپ کر اختیار ملک کا بیچ ہاتھ اس کے دیا اور عزیز کے تئیں تغیر کیا اور جو کام اس عزیز کے تھے عہدہ یوسف کے کیا۔ تھوڑے زمانے میں عزیز مرگیا اور بادشاہ التماس تمام سیں زلیخا کوں بیچ عقد یوسف کے دیا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے یوسف کے تئیں دو بیٹے دیا۔ (یتبوأ منہا) کرتا جگا پکڑے زمین سے یعنی زمین ملک مصر کے بیچ چالیس فرسخ کا عرض رکھتی تھی (حیث یشاء) جہاں چاہے زمین مصر میں سے (نصیب برحمتنا من نشاء) پہنچاتے ہیں ہم رحمت سیں جس کو چاہتے ہیں۔ (ولا نضیع اجر المحسنین) اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکوکاروں کا"۔

مندرجہ بالا عبارت میں جملوں کی ترکیب کی نوعیت کے متعلق سے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :

"بظاہر یہ فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ جملوں کی ترکیب سے ظاہر ہے لیکن ابتدا میں عام طور پر اردو زبان کا خاص کر ترجمے میں عبارت کا یہی ڈھنگ تھا۔

چنانچہ جگہ جگہ "لائے ہیں" لکھا ہے جو "آوردہ اند"
کا لفظی ترجمہ ہے۔

تفسیر کی زبان کے بارے میں مولوی صاحب نے اظہار خیال کیا ہے کہ :-

"زبان کسی قدر پرانی ہے مگر سلیس ہے۔ ایسی سلیس
اور صاف کہ اگر دو چار ایسے لفظ جیسے لانڈگا
(یعنی بھیڑیا) اپرال (یعنے اوپر) گیلی (یعنی گئی)
کہیں کہیں نہ آ جائیں تو زمانے کے لحاظ سے اس کی
شناخت مشکل ہو جائے کہ مصنف شمالی ہند کا ہے
یا جنوبی ہند کا۔ ترجمے میں معروف عربی فارسی
الفاظ بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ مولوی صاحب نے صرف مندرجہ بالا نمونہ عبارت ہی پر اپنی رائے
قائم نہیں کی ہو گی۔ اس عبارت سے اوپر "لانڈگا" اور "اپرال" لئے ہوں گے
"گیلی" دے گئے نمونہ عبارت میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ ایک دو باتیں اور ہیں
جو صاحب تفسیر کو دکنی ظاہر کرتی ہیں اور پھر اس کے زمانے کے متعین کرنے میں قیاس کی
مدد کرتی ہیں۔ مولوی صاحب نے ان کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ صاحب تفسیر نے
مضاف بصیغہ جمع کے ساتھ حرف اضافت کو بھی بصیغہ جمع استعمال کیا ہے۔

"کیاں ان خزانے کیاں سونپ کر اختیار ملک کا
ان کے ہاتھ اس کے دیا"۔

یہ دکنی کی خصوصیت ہے قدامت کے اس قسم کے تصرفات تیرہویں صدی کے وسط
تک بھی ملتے ہیں چنانچہ سید بابا قادری حیدرآبادی نے تفسیر تنزیل السنہ (۱۲۴۰ھ)
میں متعلق فعل کو بھی جمع معمول کے تابع جمع ہی استعمال کیا ہے جیسے "کیاں پھرتے

ہیں ہم آیتوں کوں"۔

تفسیر ہذا میں "وسیں" اور "سے" "منے" اور "میں" دونوں طرح لکھا
ہے۔ نمونہ عبارت میں "نے" علامت فاعلی بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال کہیں
تو صحیح ہے اور کہیں غیر صحیح۔ اور اس سے اس زمانے میں زبان کی اصلاح کا رجحان
معلوم ہوتا ہے۔ زبان صاف اور سلیس ہے۔ اس لحاظ سے یہ دسویں یا تیرھویں صدی
ہجری کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

۴۸۶
۲۹۲

۹۔ تفسیر غوثی

تفسیر غوثی[1] پارہ عم کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ اس کی ابتدا سورہ نبا سے ہوتی ہے۔ اور آخر میں سورہ ناس کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ زیر نظر مخطوطے میں نہ تو دیباچہ ہے اور نہ ترقیمہ جس سے صاحب تفسیر کے حالات اور سنہ تفسیر وغیرہ پر روشنی پڑ سکتی۔ البتہ آخر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بعد ایک رباعی لکھی ہے جس میں غوثی تخلص آیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غوثی صاحب تفسیر ہی کا تخلص ہوگا۔

بعزت حضرت سبع المثانی ۔۔۔ کہ قرآن عظیم ہے حسن بیانی
تو کر مقبول غوثی کوں الٰہی ۔۔۔ عتیق اللہ کر ہر دو جہانی

غوثی تخلص سے صاحب تفسیر کا نام محمد غوث، غوث الدین، غوث علی یا اسی قسم کا کوئی نام ہو سکتا ہے۔ غوثی کے تعلق سے مولوی نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں:۔

"تیرھویں صدی میں جنوب میں دو شاعروں کا تخلص غوثی تھا ایک ارکاٹ کے متوطن تھے ان کو غوث جانی کہا جاتا تھا انہوں نے ریاض مسعود کے نام سے قصص انبیا تصنیف کی ہے۔ دوسرے غوثی کو حیدرآباد سے تعلق تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانے میں یہ سخت پریشان تھے اور متفکر رہا کرتے تھے ان کے

[1] تفسیر مخطوطہ (۵۳۱) سائز (۸/۵) صفحہ (۱۳۴) سطر (۱۳) کتب خانہ آصفیہ۔

ایک دوست نے جن کا نام غلام محی الدین تھا اور اہل سیف (فوج) سے تھے ان کو مشورہ دیا کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی کے حالات اور مناقب قلمبند کریں ان کے حسب مشورہ غوثی نے ایک فارسی کتاب سے مواد لے کر ریاض غوثیہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی یہ تفسیر ان کی دوسری تصنیف ہے جو پارہ عم یتساءلون سے متعلق ہے۔ اس میں سورہ عم یتساءلون سے آغاز کر کے سورہ ناس پر ختم کیا ہے۔"[1]

مندرجہ بالا سطور میں ہاشمی صاحب نے "ریاض غوثیہ"[2] کو صاحب تفسیر غوثی سے منسوب کیا ہے۔ چونکہ تفسیر غوثی مفسر کے حالات کے بارے میں بالکل خاموش ہے اس لئے "ریاض غوثیہ" کے مطالعے سے جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں انھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ مثنوی ریاض غوثیہ میں شاعر نے متعدد جگہ اپنا تخلص لکھا ہے مثلاً

نعت شریف میں:۔

غوثیا مانگ اب مدد اس راج سوں ۔۔۔ بولنا منقبت میراں توں

معراج کے بیان میں:۔

بس کر اب غوثی تو اب خاموش ہو ۔۔۔ کیوں ہوا بیہوش یوں ٹک ہوش ہو

[1] رسالہ اردو انجمن ترقی اردو (پاکستان) بابت جنوری تا سنہ ۱۹۵۵ء صفحہ (۳۹)
[2] مناقب مخطوطہ (۱۳۰) کتب خانہ آصفیہ۔

منقبت میں ـ

باگ لی غوثی قلم کے ہاتھ یہاں — بات کو گھوڑیوں توں پھینکا کہاں
منقبت اب توں علی کا بول ۲ — رافضی ہور خارجی سوں کام کیا

الغرض غوثی کوں جان اپنا غلام — کر کرم اسی پر توں شاہا والسلام

مثنوی کا نام رکھنے کے سلسلے میں ـ

ہور رکھیا لکھ یہ بیاض غوثیہ — نام اس کا ہیں ریاض غوثیہ

مثنوی میں غوثی نے اپنے والد کا نام افضل لکھا ہے نیز بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک خوش بیان شاعر تھے اور یہ کہ وہ ہاشم پیر کے نواسے تھے۔

باپ کا اس نام ہے اب اے عزیز — فاتحہ پڑ کر ہی جا ہے جیو کا تمیز
افضل ہے باپ کا ہور میں غلام — جن فضیلت کا تھا دیکھن پیچ نام
طبع کا تھا اس کے اب تک مزہ دنا — روح ہی واں لگ نہ پہنچی کر فروج
شعر اس کا مثل جانگاری ورد — آبرو لیکو یا ہی حسن کی لن گہر
خلق خوش سوں بحر ہور پہلی نیر کا — تھا نواسا او سو ہاشم پیر کا
یاد حق سوں تھا نہ غافل ایک تل — تھی صفت معصوم کے ہور موم دل

یہ ہاشم پیر غالباً محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ تا ۱۰۶۷ھ) کے مرشد شاہ ہاشم بیجاپوری (متوفی ۱۰۵۹ھ م ۱۶۴۹ء) ہیں۔ اس لحاظ سے افضل، علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ – ۱۰۸۳ھ) کے دور کا شاعر ہوتا ہے۔ چنانچہ غوثی نے نصرتی، ہاشمی بیجاپوری اور غواصی گولکنڈوی کو افضل کے ہم عصر بتایا ہے ـ

نصرتی ہور بحر گلشن میانہ ہنگ — گوہر مقصود لایا اپنی چنگ
افضل ہور عندلیب خوش نوا — نو بہار اپنا کھلایا یک توا
پھر غواصی قصہ سیف الملوک — کہہ گیا کر شعر کے فن سوں سلوک
دھر فراقی وصل رب کا اشتیاق — او مرات الحشر بولیا[1] فراق
ہاشمی بولیا زلیخا ذوق سوں — عشق میں یک روکہ کہیا شوق سوں

غوثی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ریاض غوثیہ" افضل کے انتقال کے چار سال بعد لکھی گئی ہے۔ ـ

واقعہ ہوا اس کا گذری چار سال — پن ہوا نیں کم میرا ہرگز ملال
آج بابا کا جب لگ جان تھا — گھر میرا گوہر کا گویا کہاں تھا

ریاض غوثیہ کا مخطوطہ ناقص الآخر ہے اس لئے اس کا سنہ تصنیف و کتابت معلوم نہ ہو سکا۔ ویسے ہاشمی صاحب نے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۹۱ ہجری بتایا ہے۔[2] اس لحاظ سے افضل کا سنہ وفات ۱۱۸۷ ہجری ہونا چاہئے۔ لیکن نصرتی، ہاشمی[3] اور غواصی کے ایک ہم عصر کا ۱۱۸۷ ہجری تک بقید حیات رہنا قرین قیاس نہیں البتہ گیارہویں صدی ہجری تک اس کا زندہ رہنا قابل تسلیم بات ہو سکتی ہے۔

قیاس کیا جا سکتا ہے کہ غوثی نے والد کی وفات کے بعد پریشانی دور کرنے کے لئے اولاً تفسیر پارہ عم ترتیب دی۔ حالات سازگار نہ ہونے پر ایک شخص نے جن کا نام ریاض غوثیہ میں غلام محی الدین بتایا گیا ہے سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی کے حالات

---

[1] نسخہ "نقل"

[2] فہرست اردو مخطوطات جلد اول صفحہ (۳۱۶) کتب خانہ آصفیہ۔

[3] نصرتی متوفی سنہ ۱۰۸۵ھ۔ ہاشمی متوفی قیاساً سنہ ۱۱۰۰ھ۔ غواصی متوفی قبل ۱۰۶۰ھ۔

وصاحب تقلید کرتے کہ انھیں مشورہ دیا۔ ایسی صورت میں پارہ عم کا سنہ تفسیر ریاض
غوثیہ کے ہاشمی صاحب کے بتائے ہوئے سنہ تصنیف (۱۱۹۱) سے پہلے ہوگا۔ اور
اگر کسی وجہ سے مابعد ۱۱۹۱ ہجری کا بھی سمجھا جائے تو قبل ۱۲۰۰ ہجری تو یقیناً ہوگا۔ لیکن
ہاشمی صاحب نے اس (تفسیر غوثی) کو ۱۲۵۰ ہجری کے قریب کی تصنیف بتایا ہے۔
اور یہ بھی غالباً صرف سورہ نبا کی تفسیر کی زبان سے قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن غوثی کی
بعینہ دونوں تصنیفوں خصوصاً تفسیر سورہ نبا اور ریاض غوثیہ کی زبان پر غور کرنے سے
دونوں کا الگ الگ زمانہ معلوم ہوتا ہے یہ بھی عجیب بات ہے کہ تفسیر غوثی اور تفسیر
وہابی کی سورہ نبا کی تفسیر کی عبارت ایک ہی ہے البتہ تفسیر غوثی میں آخر آخر میں
ایک دو لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ دونوں کی عبارت ذیل میں بالمقابل نقل کی جاتی ہے

تفسیر غوثی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم	تفسیر وہابی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
عم یتساءلون اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو قرآن کی حکم ظاہر کرنے لگے اور حشر کے روز سے ڈرانے لگی تب کافران مسلمانوں سے پوچھے کہ یہ بات تحقیق ہے تب یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ای محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کافران کیا	عم یتساءلون اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو قرآن کا حکم ظاہر کرنے لگی اور حشر کے روز سے ڈرانے لگا تب کافران مسلمانوں سے پوچھے کہ یہ بات تحقیق ہے تب یہ آیت نازل ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کافران کیا
سوال کرتی ہیں عن النبأ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون اللہ تعالے فرماتا ہے کہ وہی کافران بڑی چیز پوچھتے ہیں لیکن	سوال کرتے ہیں عن النبأ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وہ کافران بڑے چیز کے خبر پوچھتے ہیں لیکن

اس چیز میں وہ کافران اختلاف کرتی ہیں اور تفسیر والی لکھتی ہیں کہ بعضے تفسیر یہ ہے کہ کافران قرآن میں اختلاف کرتی ہیں اور بعضے کافران حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر بولتی ہیں اور بعضے کافران شاعر بولتی ہیں کہ حشر نہیں ہے اور بعضے کافران بولتی ہیں کہ حشر برحق ہے کہ ہماری بتاں حشر کی روز ہم کو چھوڑا دیں گی۔	اس چیز میں اختلاف کرتے ہیں اور بعضے تفسیر والے لکھتے ہیں[1] اور بعضے تفسیر یہی کہ کافران قرآن میں اختلاف کرتے ہیں یا بعث میں اختلاف کرتے ہیں اور بعضے کافران حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر بولتے ہیں اور بعضے کافران شاعر بولتے ہیں اور بعضے دیوانہ گو بولتے ہیں[2] اور بعضے کافران بولتے ہیں کہ حشر نہیں بولتے ہیں کہ حشر برحق ہے لیکن ہمارے بتاں حشر کے روز ہم کو چھڑائینگی۔
کلا سیعلمون ثم کلا سیعلمون اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تحقیق وہ کافران اس روز کون جلد معلوم کریں گی اور جس روز کو کافران اختلاف کرتی ہیں یعنی حشر کی روز کو ان کافران جلد دیکھینگے تحقیق معلوم کریں گی اور جلد معلوم کرینگی۔	کلا سیعلمون ثم کلا سیعلمون اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تحقیق وہ کافران اس روز کو جلد معلوم کریں گی، اور جس روز کو کہ وہ کافران اختلاف کرتے ہیں یعنی حشر کے روز کو کافران جلد دیکھیں گی
الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً وخلقناکم ازواجاً وجعلنا نومکم سباتاً وجعلنا	الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً وخلقناکم ازواجاً وجعلنا نومکم سباتاً وجعلنا

---

[1] "اور بعضے" "تفسیر والے لکھتے ہیں" اس جملے کو سرخی سے کاٹ دیا گیا ہے)

[2] اس جملے کو بھی سرخی سے قلم زد کر دیا گیا ہے۔

النھار معاشا و بنینا فوقکم سبعًا
شدادًا و جعلنا سراجا وھاجًا
وانزلنا من المعصرات ماء
ثجاجا لنخرج بہ حبًا و نباتًا
وجنات الفافا اللہ تعالی
فرماتا ہے کہ ای کافران کیا میں زمین کو
فرش کے سریکا نہیں پیدا کیا اور
پہاڑاں کو کیا میخوں سریکا نہیں پیدا کیا
اور میں تجاری جوڑی پیدا کیا اور میں
تجاری آرام کی واسطی نیند پیدا کیا اور
میں تجاری پردہ پوشی کو رات پیدا کیا
اور تم معاش پیدا کرتا کر کی دن پیدا
کیا اور تم پر سات طبق آسمان مضبوط
پیدا کیا کہ اسے گرنیکا وسواس نہیں
ہے اور اس آسمان پر روشن چراغاں
پیدا کیا یعنے آفتاب اور مہتاب اور
ستاری پیدا کیا اور میں ابر سے میٹھا
پانی برسایا اور میں اس پانی سے دانی
اور میوی پیدا کیا اور میں اسے پانی
سے بوٹی نکالا ہوں اور میں زمین
سے گھاس نکالا ہوں اور اسی

النھار معاشا و بنینا فوقکم سبعًا
شدادًا و جعلنا سراجا وھاجا
وانزلنا من المعصرات ماء
ثجاجا لنخرج بہ حبا و نباتا
وجنات الفافا اللہ تعالی
فرماتا ہے کہ ای کافران کیا میں زمین کو
فرش کے مانند نہیں پیدا کیا اور
پہاڑوں کو کیا میخوں کے سریکا نہیں پیدا کیا
اور میں تمہارے جوڑے پیدا کیا اور میں
تمہارے آرام کے واسطے نیند پیدا کیا اور میں
تمہارے پردہ پوشی کو رات پیدا کیا
اور تمہارے معاش پیدا کرنے کے واسطے
دن کو پیدا کیا اور میں تم پر سات طبق
آسمان کو مضبوط پیدا کیا کہ اسے گرنیکا
اور سواس نہیں ہے اور اس آسمان پر
چراغ روشن پیدا کیا یعنے آفتاب
اور مہتاب اور ستارے سب پیدا کیا اور
میں ابر سے میٹھا پانی برسایا اور میں اس
پانی سے دانے اور میوے پیدا کیا اور میں
اس پانی سے دریا میں سے موتی نکالا ہوں اور
میں زمین سے گھاس نکالا ہوں اور میں

پانی سے باغوں میں ڈاٹ بجارا پیدا
کیا۔

پانی سے باغوں میں درخت پیدا کیا ہوں۔

تفسیر غوثی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بعض سورتوں کی تفسیر میں اس کی عبارت کا کچھ حصہ تفسیر وہابی سے لیا گیا ہے۔ لیکن باقی حصہ کسی اور تفسیر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں سورہ قارعہ سے تھوڑا نمونۂ عبارت پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر غوثی

سورۃ القارعۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القارعۃ ما القارعۃ اللہ تعالی فرماتا ہے
کہ قارعہ قیامت کے روز کو کہتے ہیں
اور اس روز لوگاں ہول سے کہیں
گے کہ قارعہ کیا ہے۔
وما ادراک ما القارعۃ اور اللہ تعالی
فرماتا ہے کہ اے بندگاں تم قارعہ کو
کیا جانتے ہو۔
یوم یکون الناس کالفراش المبثوث
وتکون الجبال کالعھن المنفوش
اور اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ایک روز
حشر کا ہے اس روز تمام آدمیاں
فرش کی سریکا پھیلا جائیں گی اور
پہاڑاں ٹکری ٹکری ہو کر اڑیں گے۔

تفسیر وہابی

سورۃ القارعۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القارعۃ ما القارعۃ اللہ تعالی فرماتا ہے
کہ قارعہ قیامت کے روز کو کہتے ہیں
اور اس روز لوگاں ہول سے کہیں
گے کہ قارعہ کیا ہے۔
وما ادراک ما القارعۃ اور اللہ تعالی
فرماتا ہے کہ اے بندگاں تم قارعہ
کو کیا جانتے ہیں۔
یوم یکون الناس کالفراش المبثوث
وتکون الجبال کالعھن المنفوش
اور اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ایک روز
حشر کا ہے اس روز تمام آدمیاں پتنگے
کے مانند بکھرے جائیں گے یعنی پریشان
ہوئیں گے اور پہاڑاں روئی کے مانند پھ

جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔

سورہ قارعہ کی دونوں تفسیروں میں جزو آیت "کالفراش المبثوث" کے ترجمے میں عبارت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تفسیر عزیزی میں "فراش" کے ترجمے میں لفظ "فرشش" ہی رکھا ہے۔ "تمام آدمیاں فرشش کی سریکا بچھائی جائیں گی۔" مگر اردو میں "فرشش" یعنی پتنگا نہیں آتا "البعض" کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا۔

تفسیر کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض سورتوں کی تفسیر ایسی ہے جن کی عبارت اور نوعیت دونوں تفسیروں میں بالکل جدا ہے مثلاً سورہ فاتحہ :-

تفسیر عزیزی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ہر ثنا واجب الوجود کو ہے جو پالنے والا ہے۔ تمامی عالما لکات یعنے ستائش وآفرین جو کہ ازل سے ابد تک ہے اور ہوئیگی سو خدا ہی پر حق کو ہی جو ایسا ہے پرورش کونہارا اور پیدا کرنی ہارا اور خاوند تمام دو جہانکا ہے کر کر ایمان لاؤ یا سزاوار حمد کا ہے کر کر حمد کو اس کے لازم کرو۔

سعد بن جبیر سے روایت ہے کہ عالم دنیا یک ہزار ہے چھے سو دریا میں چار سو جنگلیں (جنگلیں) بعضے روایتوں میں

تفسیر وہابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کے تلاوت کے باب میں واذا قرات القرآن فاستعذ باللہ یعنی جو وقت قرآن کی تلاوت کروگے اللہ تعالیٰ سے اس طور سے پناہ چاہو اعوذ باللہ پناہ چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے من الشیطان الرجیم یعنی جس شیطان کو کہ اللہ تعالیٰ مردود کیا اوس سے پناہ چاہتا ہوں کس واسطے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت خلل واقع ہے اس واسطے اعوذ باللہ کے پڑھنے سے شیطان دور ہوتا ہے اور شیطان ایسا ہے کہ خدا کی رحمت سیں دور ہے

ہے اٹھارہ ہزار تک آیا ہے۔

الرحمن الرحیم مہر کرنی ہارا ایسا جو رحم کرنی ہارا ہے یعنی خدا مہربان ہے حیات دینے سے دنیا میں اور بعد فنا کے آخرت میں اور رحمت کرنے ہارا ہے ایمان دینے سیں دنیا میں اور دیدار سے بہشت میں۔

مالک یوم الدین خاوند روز جزا کا ہے یعنی حاکم روز حشر کا ہے ہوگا۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین خاص تیری عبادت کرتے ہیں ہم اور خاص تیرے سے مدد مانگتے ہیں ہم یعنی ہم خداوا خدا تیری ہی پرستش کرتے ہیں ہم کیونکہ

بسم اللہ شروع کرتا ہوں میں اللہ کا نام سیں الرحمن ایسا اللہ کہ پرورش کرنہارا عالم کا بیچ دنیا کے الرحیم بخشنہارا مسلمانوں کو قیامت میں اور نہیں بخشنہارا کافروں کو۔ الحمد للہ اول سیں آخر تک تمام تعریف سزاوار ہے اللہ تعالیٰ کتئیں رب العالمین اور ایسا اللہ کہ پالنے ہارا ہے تمام عالم کا الرحمن اور ایسا اللہ تعالیٰ کہ پالنے ہارا ہے تمام عالم کا الرحیم بخشنہارا قیامت میں مسلمانوں کو اور نہیں بخشنہارا کافروں کو۔

مالک یوم الدین صاحب ہے روز قیامت کا۔

ایاک نعبد خاص تجکو عبادت کرتے ہیں ہم و ایاک نستعین اور خاص تیرے سے مدد چاہتے ہیں ہم۔

سوائے تیری ذات پاک کے کوئی پرستش
کا نہیں ہے اور تیری توفیق کمک چاہتے
ہیں ہم ثبوت ایمان اور دفع وسوسہ
شیطان میں اور جنگ کرنی میں
ساتھ کافران کے اور بر آمد حاجات
میں دو جہان کے۔
اہدنا الصراط المستقیم راہ دکھا ہم
کون راہ استوار حق یعنے ای خدا
بتا ہم کو راہ سیدھی چال اور چلنی میں
یا صفت اور عادت میں بغیر زیادتی
اور نقصان اور تقصیر اور غلو کے یا
ثابت رکھ ہم کون سنت پر پیغمبر کے
یا ارشاد کر طریقت پسندیدہ کو جو
پہنچا دی ہم کون طرف تیری یا راہ
بہشت ذات اپنی کے جو سوائی تیری
بجا نہیں اور نہ دیکھیں ہم یا راہ درگاہ
کے تیری جو ہر موجود کے ساتھ ہے جو
جو بغیر اس کے کوئی موجود نہیں رکھتا
ہے اور نہایت کمال کون نہیں پہنچے
ہے سو تمام وقت مشاہدہ ہی تیری
تمام سے آزاد بنا ہم۔ بیت

اہدنا الصراط المستقیم نیک راہ بتا تو
ہمارے تئیں۔

جو بہشت میں حق کے ہو میں قائم
سزاوار دستار ہی ہی دائم
صراط الذین انعمت علیہم راہ ان کا جو
انعام کیا تو اوپر ان کے بتا ہم کون
راہ وہ لوگوں کی جو انعام کیا تو نے اوپر
نعمت کون نبوت اور ولایت کی راہ
اہل قربت کے جو نوازا ہے تو نے
کون نعمتوں سے ظاہر و باطن کے جو آگاہ
ہے احکام سے شریعت کے اور اسرار
سے حقیقت کے۔
غیر المغضوب علیہم بغیر غضب کیا گیا
اوپر ان کے یعنے مت دکھا راہ ان کے
جو غضب کیا گیا ہے اوپر اون کے بیچ
سبب سے کفر پر دیت ہوائی ہیں یا
مت دکھا راہ یہود اور نصاریٰ کے جو
انبیا کون قتل کیے ہیں اور کتابوں کو
حق کے تبدیل کیے ہیں اور سب تھا تیری
شرک لائے ہیں اسی واسطے ان پر قہر
کیا ہے۔
ولا الضالین اور نہ گمراہان کے
حق جو راہ سنت سے دور پڑے ہیں

صراط الذین انعمت علیہم ایسی راہ چلا کر
جو چلے ہیں اوس راہ میں نعمت دیا ہے
اونکے تئیں یعنے پیغمبروں کو۔

غیر المغضوب علیہم جن لوگوں پر کہ تو
غضب کیا ہے ہم کو ویسی راہ مت
بتا یعنے یہود اور نصاریٰ کی راہ۔

ولا الضالین اور جو لوگ کہ گمراہ
ہوئے ہیں ویسی راہ ہم کو مت بتا۔

اور بدعت کو اگوئے ہیں یا خیال باطل
فلسفہ کی راہ جو لے ہیں یا حرص سے ہوا
کے قناعت کو چھوڑ دیتا ہیں یا غفلت
سے دنیا کے عاقبت کوں بھولے ہیں
یا دیکھنے سے کثرت کے وحدت سے
اعراض کئے ہیں یا زیادتی سے شغلاں
کے ذکر سے حق کے فراموش ہوئی
ہیں سو انکی راہ مت بنا ہم کوں۔
امیں ایسا ہو ہیو تے ہیئے اجابت
دعا کو اور رواں کو حاجات کوں
ہمارے گا۔

امیں یہ دعا ہمارے تو قبول کر۔
ف یہ سورہ اللہ صاحب نے بندوں کی
زبان سے فرمایا ہے کہ اس طرح کہا کریں
یہ فائدہ دوسری کتاب سے ہی۔

تفسیر وہابی میں سورہ فاتحہ کا زیادہ تر ترجمہ ہے اور تفسیر عزوتی میں تفسیری عبارت زیادہ ہے اور اس قسم کی عبارت کے لئے حرف "ت" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ تفسیر وہابی میں لفظ "اس واسطے" استعمال ہوا ہے لیکن انہی معنوں کے لئے تفسیر عزوتی میں "کر کر" ملتا ہے۔ ضمیر جمع غائب "ان" کے لئے زیادہ تر "انو" کا استعمال ہوا ہے اور حالت اضافت میں "وو" اپنی اصلی حالت ہی میں باقی ہے۔ حرف ربط "پر" کے لئے "پو" لکھا ہے۔ چاہئے تاکید و تخصیص کا بھی استعمال ہوا ہے۔
تفسیر عزوتی اور تفسیر وہابی کی سورہ نبا کے ترجمے کی عبارتوں کی اس مکمل

یکسانیت سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ تفسیر وہابی سے سورہ نبا کے ترجمہ و تفسیر کی عبارت کو من و عن تفسیر عزوتی میں نقل کیا گیا ہے۔ عبارت کے آخری حصے میں یہاں وہاں دو چار لفظ بڑھا دیئے ہیں۔ بعض سورتوں کا ترجمہ کچھ تو تفسیر وہابی سے لیا گیا ہے اور بقیہ ترجمہ کسی اور ترجمے سے لیا گیا ہے۔ بعض سورتوں کی پوری عبارت تفسیر وہابی سے بالکل مختلف ہے جو جابجا تو تفسیر وہابی سے بالکل مختلف ہیں ان کی زبان اس قدر قدیم ہے کہ ان کے متعلق یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ یہ صاحب تفسیر عزوتی کے قلم کا نتیجہ ہوگا۔ گمان غالب یہی ہے کہ صاحب تفسیر عزوتی نے تفسیر وہابی کے علاوہ دوسری قدیم تفاسیر سے بھی اپنی پسند کے مطابق عبارتیں نقل کر لی ہیں اس طرح تفسیر عزوتی کی حیثیت ایک تالیف کی سی ہو گئی ہے مولف تفسیر عزوتی نے دوسری جن تفاسیر سے استفادہ کیا ہے ان کا سراغ تو نہیں مل سکا لیکن تفسیر وہابی سے جو عبارتیں نقل کی ہیں اس سے یہی نتیجہ مستخرج ہوتا ہے کہ تفسیر عزوتی تفسیر وہابی کے بعد کا کارنامہ ہے۔ تفسیر وہابی کے زمانے کے متعلق سے اس کی زبان و بیان کے علاوہ کچھ تاریخی شواہد کی بنا پر اس کو تیرہویں صدی کے نصف آخر کی تفسیر قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے تفسیر عزوتی کا زمانہ تالیف قطعی طور پر تفسیر وہابی کے بعد کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔
اس طرح تفسیر عزوتی کی تالیف کا تیرہ سو ہجری کے آس پاس ہو سکتا ہے۔
تفسیر عزوتی کے عہد کی اس تعین کے بعد عزوتی کے متعلق ہاشمی صاحب کے دونوں قیاسات ٹھہرتے ہیں۔ یہ عزوتی نہ اعظمی کا بیٹا مصنف ریاض عزیزیہ ہو سکتا ہے اور نہ ارکاٹ کا عزوتی جانی المخلص یہ عزوتی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس عزوتی کا سنہ وفات ۱۲۲۵ ہجری ہے۔

۱۰۔ تفسیر وہابی

تفسیر وہابی دکنی تفاسیر میں پہلی مکمل تفسیر ہے جو ہم کو دستیاب ہوتی ہے۔[1] خط نستعلیق و نسخ ہے۔ ہر صفحہ پر (۱۳) سطریں ہیں۔ اور (۲۶۲۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز (۶/۳ × ۹) ہے۔ چنانچہ ضخامت کی وجہ سے یہ چار جلدوں میں منقسم ہے۔[2] اس کے مفسر عبدالصمد ہیں جو نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبدالوہاب خان بہادر نصرت جنگ کے فرزند تھے۔ یہ نواب شکوہ الملک امیر الہند والاجاہ محمد علی خان والیٔ ارکاٹ کے برادر حقیقی تھے۔ مفسر نے تفسیر کے خطبے میں سبب تفسیر یہ بیان کیا ہے کہ عربی اور فارسی زبان میں بہت ساری تفسیریں ہیں لیکن دکنی میں شاید کم بلکہ نہیں ہیں اس لئے یہ تفسیر

۱؎ تفسیر وہابی نمبر مخطوطہ (۵۲۸) کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد دکن۔

۲؎ یہ تقسیم مصنف کی طرف سے نہیں معلوم ہوتی۔ بعد میں اپنی سہولت کی خاطر سے چار جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے لیکن اس میں پاروں یا سورتوں کے لحاظ سے تقسیم پیش نظر رہی اور نہ صفحات کے لحاظ سے چنانچہ جلد اول سورہ فاتحہ سے شروع ہو کر سورہ اعراف کی ابتدا ہی پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری جلد سورہ نحل کے بعد سورہ بنی اسرائیل کی چند آیتوں پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد شروع آیات سورہ بنی اسرائیل سے شروع ہو کر سورہ یٰسین پر ختم ہوتی ہے اور چوتھی جلد سورہ یٰسین کی ماقبل سورت سے شروع ہو کر سورہ الناس پر ختم ہوتی ہے۔

لکھی ہے۔ اس خطبے سے تفسیر کی وجہ تسمیہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس حصے کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے۔

"بعد حمد اور نعت کے کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا نام تفسیر وہابی رکھا ہوں اور اس تفسیر کے بنانے ہارے کا نام عبدالصمد بیٹا نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبدالوہاب خان بہادر نصرت جنگ کا فرزند[1] نحیف کی خاطر میں آیا کہ بہت تفسیراں عربی اور فارسی میں ہیں لیکن دکنی تفسیر شاید کہ کم ہیں بلکہ نہیں ہیں۔ اس واسطے سب مرداں اور عورتاں کو قرآن مجید کی معانی معلوم ہو کر عالم کو فائدہ ہونے کے واسطے دکھنی زبان سے بنایا ہوں۔ اگر کوئی عالم اور فاضل اس تفسیر کو پڑھے تو کرم کی راہ سیں اس کے مطلب کی کمی اور زیادتی دریافت کر کے درست کریں اور اس ناقص بندہ پر حرف نہ رکھیں اور بھلائی سے یاد کریں اور مغفرت چاہیں۔ اور یہ کہ التماس سب پڑھنہاروں کی خدمت میں ہے چاہئے کہ اس تفسیر کے پڑھنہارے میری التماس"[2]

۱؎ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے۔ "یہاں فرزند کا لفظ کاتب نے غلطی سے بڑھا دیا ہے"۔ (قدیم اردو صفحہ ۱۵۱)۔ مخطوطہ میں عبارت بغیر خط فاصل وغیرہ کے مسلسل ہے اس لئے لفظ "فرزند" زائد معلوم ہوتا ہے۔ جو اگر "فرزند نحیف کی خاطر میں آیا کہ ....." پڑھا جائے تو فرزند کا لفظ زائد معلوم نہ ہوگا۔ (مقالہ نگار)

قبول کر کر مہربانی کریں"۔

ان تاریخ، مہینہ اور سنہ جلد چہارم کے آخر میں ان الفاظ میں لکھا ہے :-

"فی شہر جمادی الثانی فی یوم السبت من عشرین

ہذا الشہر سنۃ ثمانین و سبع بعد الالف من

ہجرۃ النبویۃ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

لیکن سنہ ۱۰۸۷ ہجری جو اس میں لکھا ہے مولوی عبد الحق نے اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔ ایک تو زبان کے تعلق سے بتایا ہے کہ یہ اتنی پرانی نہیں دوسرے تزک والاجاہی کے حوالے سے امیر الہند والاجاہ کی ولادت کا سنہ ۱۲۳۵ ہجری بتایا ہے اور نواب شکوہ الملک چونکہ امیر الہند والاجاہ کے برادر حقیقی تھے اس لحاظ سے یہ سنہ ۱۰۸۷ ہجری کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ لکھا ہے :-

"تزک والاجاہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک
نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ امیر الہند والاجاہ کے
برادر حقیقی تھے۔ امیر الہند والاجاہ کی ولادت سنہ
۱۲۳۵ ہجری میں واقع ہوئی اس لحاظ سے یہ سنہ
ضرور غلط ہے۔ غالباً ۱۲۸۷ھ ہوگا۔ زبان بھی اس
کی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً
ویسی ہی زبان ہے جیسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے"۔[1]

مولوی نصیر الدین ہاشمی کو والاجاہ کی ولادت کے تعلق سے مولوی عبد الحق کے بتائے ہوئے سنہ سے اختلاف ہے۔ اس لئے کہ تزک والاجاہ کی ولادت

[1] قدیم اردو صفحہ (۱۵۶)

اس لئے کہ

تزک والاجاہی، دفتر والاجاہی وغیرہ کے تمام مورخ والاجاہ کا سنہ انتقال سنہ ۱۲۱۰ ہجری بتاتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے[2]:

"والاجاہ امیر الہند کا سنہ ولادت لکھنے میں مولانا
عبد الحق سے سہو ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو۔
واقعہ یہ ہے کہ والاجاہ محمد علی خان امیر الہند کا انتقال
سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں ہوا جس پر ارکاٹ کے تمام
مورخ مثلاً مصنف تزک والاجاہی، دفتر والاجاہی وغیرہ
متفق ہیں۔ والاجاہ امیر الہند کے انتقال پر ان کے فرزند
عمدۃ الامراء سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں مسند نشین ہوئے اور
سنہ ۱۲۱۶ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد
چونکہ ان کے فرزند تاج الامراء نے انگریز کمپنی کے شرائط
قبول نہیں کئے اس لئے عظیم الدولہ کو والی ارکاٹ
بنایا گیا۔ بہرحال ارکاٹ کی صحیح اور معتبر تاریخوں
سے یہ ثابت ہے کہ والاجاہ کا انتقال ۱۲۱۰ ہجری
میں ہوا اس لئے ان کی ولادت ۱۲۳۵ ہجری میں
صحیح نہیں ہو سکتی"۔

مصنف عبد الصمد کے دادا انور الدین گوپاموی تھے۔ یہ سنہ ۱۱۶۲ ہجری مطابق ۱۷۴۹ء میں مارے گئے۔ ان کے بعد والاجاہ ارکاٹ کے صوبہ دار ہوئے پھر والی ہو گئے"۔[3] ویسے اس تمام بحث و تمحیص کے بعد بھی مصنف عبد الصمد کی ولادت

[2] معلومات کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں۔
مطبوعہ رسالہ اردو بابت جنوری سنہ ۱۹۵۳ء۔

انتقال اور تصنیف تفسیر کے تعلق سے سنین کے تعین میں قطعیت پیدا نہ کی جا سکی۔ مولوی عبدالحق کے بتائے ہوئے سنہ تفسیر ۱۲۸۰ ہجری سے ہاشمی صاحب کو اختلاف ہے اس لیے کہ ان کی رائے میں مفسر ۱۲۸۰ ہجری سے قبل انتقال کر چکا تھا۔ انہوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ سنہ ۱۲۵۰ ہجری کے قریب کی تفسیر ہوگی۔ چنانچہ ہاشمی صاحب لکھتے ہیں[1]۔

"افسوس ہے کہ ہم عبدالصمد کی ولادت اور انتقال کے سنہ سے واقف نہیں ہیں۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ۱۲۸۰ ہجری کے قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی علمی قابلیت عربی اور فارسی کی بڑی اچھی تھی۔ تصنیف و تالیف سے خاص دلچسپی تھی۔ تفسیر وہابی کے علاوہ ان کی ایک اور کتاب قصص الانبیاء بھی ہے جو ۱۲۳۲ ہجری میں تصنیف ہوئی ہے۔ کیونکہ ۱۲۳۲ھ میں لکھا ہوا اصلی نسخہ ہمارے خاندان میں موجود ہے۔ اگر ۱۲۳۲ھ میں عبدالصمد کی عمر چالیس سال بھی قرار دیا جائے تو ۱۲۸۰ھ میں ان کی عمر ۸۸ سال ہوگی اس عمر میں تفسیر وہابی جیسی ضخیم تفسیر کا تصنیف کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال میرے خیال میں تفسیر وہابی ۱۲۵۰ھ کے قریب کی تصنیف ہے۔ ۱۲۸۰ھ کو کتابت کا سنہ قرار دینا مناسب ہوگا۔"

۱۔ مضمون "کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں اردو (آغاز) قرآن کے ترجمے اور تفسیریں" مطبوعہ رسالہ اردو بابت جنوری سنہ ۱۹۵۲ء

"فہرست مشروح بعض کتب خانہ قدیمہ[1]" میں تفسیر وہابی کی کتابت کا سنہ ۱۰۷۷ ہجری لکھا ہے۔ "نسخۂ موجودہ نوشتہ سال یکہزار و ہفتاد و ہفت ہجری است" یہ سنہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ غرض کچھ تاریخی شواہد اور کچھ زبان و بیان کے اسلوب سے اس تفسیر کو تیرھویں صدی ہجری کے آخر نصف کی تفسیر اور سنہ ۱۲۸۰ھ کو اختتام کتابت کا سنہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس تفسیر کے علاوہ انھوں نے فارسی قصص الانبیاء کا اردو نثر میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ تفسیر وہابی کی طرح قصص انبیاء بھی کافی ضخیم ہے۔ ان کی اس خدمت سے ان کے ادبی ذوق اور عربی و فارسی استعداد کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تفسیر کے سلسلے میں کہیں فروگذاشت بھی ہو گئی ہو جس کے تعلق سے مفسر نے خطبے میں پڑھنے والوں سے معذرت کے لیے درخواست کی ہے۔ پورے قرآن مجید کی تفسیر بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس کے سرانجام میں کہیں کہیں بھول چوک تقاضائے بشری پر محمول کی جا سکتی ہے۔ یہاں پر سورہ فاتحہ کی تفسیر کی نقل درج کی جاتی ہے۔ آیتیں سرخی سے لکھی ہیں اور اس کے بعد ترجمہ و تفسیر کی عبارت سیاہی سے لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"حق سبحانہ تعالی فرماتا ہے قرآن کے تلاوت کی باب میں فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ[2] یعنی جو وقت قرآن کی تلاوت کروگے اللہ تعالی سے اسلوب پناہ چاہو

۱۔ فہرست مشروح بعض کتب خانہ قدیمہ جلد اول صفحہ (۱۰۰م) جلد اول کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (۱۳۵۰ھ)

۲۔ صحیح "فاذا ... فاستعذ باللہ" ہے۔ کاتب کی غلطی ہوگی۔

اعوذ باللہ پناہ چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے
من الشیطان الرجیم یعنی جس شیطان کو کہ اللہ
تعالیٰ مردود کیا اوس سے پناہ چاہتا ہوں کس
واسطے کہ قرآن کی تلاوت کی وقت غفلت آتی
ہے اس واسطے اعوذ باللہ کے پڑھنے سے
شیطان دور ہوتا ہے اور اوس شیطان ایسا
ہے کہ خدا کی رحمت سیں دور ہے۔ بسم اللہ
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سیں الرحمٰن
ایسا اللہ کہ پرورش کرنہارا عالم کا بیچ
دنیا کے الرحیم بخشنہارا مسلمانوں کو قیامت
میں اور نہیں بخشنہارا کافروں کو الحمد للہ اول
سیں آخر تک تمام تعریف سزاوار ہے اللہ
تعالیٰ کتیں رب العالمین اور ایسا اللہ کہ پالنے
ہارا ہے تمام عالم کا الرحمٰن اور ایسا اللہ
تعالیٰ کہ پالنے ہارا ہے تمام عالم کا[1] الرحیم بخشنہارا
قیامت میں مسلمانوں کو اور نہیں بخشنہارا کافروں کو
مالک یوم الدین صاحب ہے روز قیامت کا
ایاک نعبد خاص تجکو عبادت کرتے ہیں ہم
و ایاک نستعین اور خاص تیرے سے مدد چاہتے

---

[1] غالباً کاتب کی غلطی ہے۔ یہاں رب العلمین کے ترجمہ کی تکرار ہو گئی ہے۔

ہیں ہم اہدنا الصراط المستقیم نیک راہ چلا تو
ہمارے تئیں صراط الذین انعمت علیہم ایسی
راہ ہے کہ جو چلے ہیں اوس راہ سیں نعمت دیا ہے
اون کے تئیں یعنی پیغمبروں کو غیر المغضوب علیہم
جن لوگوں پر کہ تو غضب کیا ہے ہم کو ویسی
راہ مت بتا یعنی یہود و نصاریٰ کی راہ ولا الضالین
اور جو لوگ کہ گمراہ ہوئے ہیں ویسی راہ ہم کو
مت چلا آمین یہ دعا ہمارے تو قبول کر۔"

" ف۔ یہ سورہ اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمایا ہے کہ اس طرح
کہا کریں۔ یہ فائدہ دوسری کتاب سے ہے۔"

فاستعذ باللہ کے ترجمے میں صحیح حرف ربط کے استعمال نہ ہونے سے الجھاؤ پیدا
ہو گیا ہے۔ "اللہ تعالیٰ سے اس طور سے پناہ چاہو"۔ مترجم نے عربی الفاظ
کے لحاظ سے ترجمہ کر دیا ہے۔ ویسے مقصود تو ہو گا کہ "اللہ تعالیٰ سے اس طور
سے استعاذہ کرو"۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے ترجمے میں بھی اسی
قسم کا سہو ہے۔ "اعوذ باللہ پناہ چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے من الشیطان
الرجیم یعنی جس شیطان کو کہ اللہ تعالیٰ مردود کیا اوس سے پناہ چاہتا ہوں"۔ پناہ
اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے نہ کہ اللہ تعالیٰ سے۔ الرحمٰن اور الرحیم کا ترجمہ نہیں
کیا گیا بلکہ صفت کی ایک طرح تشریح کی گئی ہے۔ "الرحمٰن ایسا اللہ کہ پرورش
کرنہارا عالم کا بیچ دنیا کے الرحیم بخشنہارا مسلمانوں کو قیامت میں اور نہیں بخشنہارا
کافروں کو۔" ایاک نعبد و ایاک نستعین کے ترجمے میں حرف تخصیص "ہی" کی بجائے
عبارت میں "خاص" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "خاص تجکو عبادت کرتے ہیں ہم

اور خاص یترے سے مد رچاہتے ہیں ہم "۔ انعمت علیہم کی تفسیر میں صرف پیغمبروں کو رکھا ہے۔ حالانکہ قرآن میں دوسرے مقام پر اس کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے کہ اس زمرہ خاص میں انبیا، صدیقین، شہدا، اور صالحین ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔ "ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین"۔ "المغضوب علیہم" میں یہود کے ساتھ نصاری کو بھی شامل کر لیا ہے۔ حالانکہ "المغضوب علیہم" سے صرف یہود اور "الضالین" سے نصاری مراد ہیں۔ دیگر آیات و روایات اس پر شاہد ہیں۔ ترجمہ میں "الضالین" کے تحت صرف یہ لکھ دیا ہے۔ "جو لوگ کہ گمراہ ہوئے ہیں۔"

قرآن کے متعلق سے ذرا سی بھی لغزش معمولی او ر غیر اہم تصور نہیں کی جا سکتی۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے اپنے کام پر نظر ثانی نہیں کی یا اسے اس کا موقع نہ مل سکا۔ پورے قرآن کا ترجمہ و تفسیر اور اس پر نظر ثانی یقیناً کافی وقت طلب کام ہے۔ ممکن ہے حالات یا عمر نے اتنے بڑے کام پر نظر ثانی کی مہلت نہ دی ہو ورنہ اس قسم کی فروگذاشتوں کی اصلاح ہو جاتی۔

دکنی ترجموں میں اس کی زبان صاف ہے بقول مولوی عبدالحق اس کی زبان "تقریباً ویسی ہی ہے جیسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے۔" قدیم الفاظ بھی خال خال ہیں مثلاً بہوت، کرنہارا، اسر، لیکا وغیرہ۔ عبارت میں حروف ربط "سے" اور "سیں"، "کو" اور "کیتیں" اور ضمیر واحد غائب "وہ"، "اوہ"، "او" ہر ایک لفظ دونوں طرح مستعمل ہے۔ اس سے پہلے اسم کے آخر الف نون لگا کر جمع بنائی جاتی تھی۔ لیکن زیر نظر مخطوطے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اسم کی جمع الف نون کے علاوہ واؤ نون بھی اضافہ کر کے بنائی جانے لگی تھی۔ جیسے ہم یتا لوگوں کا شان نزول میں لکھا ہے :

"ہم یتا لوگوں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو قرآن کا حکم ظاہر کرنے لگے اور حشر روز سے ڈرانے لگے تب کافراں مسلمانوں سے پوچھے کہ یہ بات تحقیق ہے تب یہ آیت نازل ہوئے ہیں۔"

دیگر دکنی ترجموں نے ترجمے میں "کافر" کے مقابلے میں لفظ "مومن" لکھا ہے لیکن "تفسیر وہابی" کے مترجم عبدالصمد نے مندرجہ بالا عبارت میں "مومن" کی بجائے لفظ "مسلمان" استعمال کیا ہے۔

حالت مفعولی میں اسم کی جمع "یں" لگا کر بنانے کا اصول تراجم و تفاسیر کے دکنی مخطوطات میں سب سے پہلے تفسیر وہابی میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ النبأ کی مندرجہ ذیل آیت کے ترجمے و تفسیر میں الفاظ "چراغیں" اور "درختیں" ہیں:

"وجعلنا سراجاً وہاجاً وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً لنخرج بہ حباً ونباتاً وجنٰت الفافاً اور اسی آسمان پر چراغیں روشنی پیدا کیا یعنے آفتاب اور ماہتاب اور ستارے سب پیدا کیا اور میں ابر سے بہنا پانی برسایا اور میں اوس پانی سے دانے اور میوے پیدا کیا اور میں اوس پانی سے دریا میں سے موتے نکالتا ہوں اور میں زمین سے گھاس نکالتا ہوں اور میں پانی سے باغوں میں درختیں پیدا کیا ہوں۔"

ابھی املا کی صحت وہ ہونے پائی تھی "پڑھنے" کو "پڑنے" ہی لکھا جاتا تھا۔ مثلاً بھی الحماس سب پڑنہار لوں سے ہے۔" [1]

[1] نقل خطبہ مندرجہ ص (۱)

۶۸۶
۲۹۲

ج۔ منظوم تراجم و تفاسیر

۱۔ زاد الآخرۃ (منظوم)

مولوی قاضی عبدالسلام بدایونی نے سنہ ۱۲۴۴ھ م سنہ ۱۸۲۹ء-۱۸۲۸ میں قرآن مجید کا منظوم تفسیر لکھی ہے۔ "زاد الآخرۃ" اس کا تاریخی نام ہے۔ مولوی محمد محمود بخش کی تحریک، امداد اور اعانت سے یہ تفسیر مطبع نول کشور سے سنہ ۱۲۸۵ء میں دو جلدوں (چار حصوں) میں چھپی ہے۔ مولوی محمد محمود بخش اس وقت کانپور کی منصفی درجہ اول کے عہدہ پر فائز تھے۔ فاضل مرتب تذکرہ علمائے ہند صاحب تفسیر کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ :-

"قاضی عبدالسلام بدایونی سنہ ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم اپنے چچا مولوی بہاء الحق سے کی جو ملا عبدالعلی بحر العلوم کے شاگرد تھے۔ حضرت آل احمد عرف اچھے میاں مارہروی کے مرید و خلیفہ تھے۔ قاضی عبدالسلام کی تالیفات سے اخبار الابرار (فارسی تصوف)، شرح دلائل الخیرات (فارسی) رسالہ

۱؎ تذکرہ علمائے ہند ص (۲۹۸ - ۲۹۹)۔

علم الفرائض (فارسی) اور مثنوی طوفان عشق فارسی بھی ہیں۔ مثنوی طوفان عشق کا نسخہ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ تاریخ انتقال خزینۃ الاصفیاء جلد دوم اور حدائق الحنفیہ میں سنہ ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء اور تذکرہ علمائے ہند میں سنہ ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹-۴۰ء غلط ہے۔ قاضی عبدالسلام کا انتقال ۵ رجب سنہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲-۳ء میں ہوا۔"
آخر میں قطعہ تاریخ انتقال بھی تفسیر میں لکھا ہے۔

گفت ہاتف گزشت از سر جان   قاضی عبدالسلام عباسی
۲۹۲ ع سنہ ۱۲۸۹ / ۱۸۷۲-۳

ذیل میں سورہ یوسف سے نمونہ تفسیر پیش کیا جاتا ہے۔ تفسیر کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ پہلے آیت لکھی ہے اور اس کے نیچے تفسیر ہے۔

ولقد همت به وهم بها لولا ان را برهان ربه

اور کیا زن نے قصد یوسف کا   اور یوسف نے قصد زن کا کیا
کرتی زن تھی مخالفت کا عزم   اور یوسف مدافعت کا جزم
جو نہ ہوتا کہ دیکھی اوسنے دلیل   اپنی پروردگار کی بالقبل
پیشتر آتا مخالطہ کے ساتھ   اوس زلیخا پہ ڈالتا وہ ہاتھ
لیک ہم نے دکھایا اوس کو یقین   نور عصمت کا اے رسول امین
یا نبوت کا نور دکھلایا   کہ وہ حجت ہی اوس کی یاد آیا
یا برائی زنا کی دکھلائے   تاکہ مانع وہ اوس کی [illegible]

یا نظر آئی اونکی تیئں جبرئیل　　　یا کہ دکھلائی اون کو اسرائیل

(یعقوب علیہ السلام)

یا کسی کی آئی غیب کی آواز　　　رہ گئی اوس مخالفت سے باز

کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء

اس طریقے سی ایستودہ شعار　　　بھی اوس کو دیا ثبات و قرار

تا کہ پھریں برائی اوس سے ہم　　　اور وہ بیحیائی اوسکے سے ہم

ای بچایا سر دیانت سے　　　اوسکو سید کی اوس خیانت سے

(ای مالک)

اور بھی رکھا ناز سے باز　　　کرنی پایا نہیں وہ دست دراز

انہ من عبادنا المخلصین

کہ وہ بندوں بیچ گیونسی ہے　　　خالصوں اور مخلصوں سی ہے

جب وہ پہونچا کمال کو اصرار　　　کر گئی یوسف اوس جگہ سی فرار

پس بحکم مفتح الابواب　　　پہونچی جس در پہ کھل گیا وہ شتاب

پر زلیخا کو تھا عجب دسکون　　　تھی ہنس دل پہ اپنی تھی مفتون

در عبرت نہیں کھلا اوس پر　　　انکی در پی ہوئی وہ تا لب در

مندرجہ بالا پہلی آیت کے ترجمے کی پہلی بیت:

اور کیا زن نے قصد یوسف کا　　　اور یوسف نے قصد زن کا کیا

کے دوسرے مصرع کا وزن ایک "وتد" سے گر رہا ہے غالباً کاتب کی غلطی ہوگی مصرع یوں ہو تو وزن پورا ہو جاتا ہے۔ ع

"اور یوسف نے قصد زن کا کیا"۔

تیسری بیت کے دوسرے مصرع میں لفظ "ی" زائد ہے اور بے محل ہے۔

اس طرح کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اس قسم کی غلطیاں نثر کے مقابلے میں نظم میں زیادہ معیوب ہوتی ہیں۔

تفسیر میں لفظ "ای" بمعنی "یعنی" بہت آیا ہے۔ گو اس سے تفہیم میں سہولت ہوتی ہے۔ لیکن یہ عربی لفظ اردو میں مروج نہیں ہے۔ اس لیے اس کا استعمال غرابت پیدا کرتا ہے۔

انہ من عبادنا المخلصین کے ترجمے "کہ وہ بندوں بیچ گیونسی ہے" میں "بیچ گیونسی" کی ترکیب بھی نادر ہے۔ اس کو ہم کاتب کی غلطی پر محمول نہیں کر سکتے۔

اسی آیت کی تفسیر کی دوسری بیت میں لفظ "وہ" موزوں نہیں معلوم ہوتا اس کی بجائے "کہ" موزوں ہو سکتا تھا۔ ؎

جب وہ (کہ) پہونچا کمال کو اصرار　　　کر گئی یوسف اوس جگہ سے فرار

"لب در" کا محاورہ بھی نیا معلوم ہوتا ہے۔ ؎

در عبرت نہیں کھلا اوس پر　　　انکی در پی ہوئی وہ تا لب در

مختصر یہ کہ زبان میں اس قسم کے سقم پائے جاتے ہیں جو غالباً آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے سقم نہیں سمجھے جاتے تھے۔

۴۸۲
۴۹۲

۲. تفسیر سورہ یوسف

سورہ یوسف کی منظوم تفسیر حکیم محمد اشرف متوطن قصبہ کاندھلہ نے کی ہے۔ قرآنی قصوں میں یوسف زلیخا کا قصہ ہر زمانے میں بہت مقبول رہا ہے اور بار بار نظم و نثر میں لکھا جاتا رہا ہے۔ زیر نظر منظوم تفسیر سورہ یوسف جس کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں ہے۔ سنہ ۱۲۶۴ ہجری میں چھپا تھا چنانچہ ترقیمے سے اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے :۔

ترقیمہ :۔

"الحمد للہ کہ تفسیر سورہ یوسف علیہ السلام تصنیف حکیم
محمد اشرف صاحب متوطن قصبہ کاندھلہ متصل حرم الحرام
کی پندرہویں کو سنہ ۱۲۶۴ ہجری بارہ سو چونسٹھ میں
بندہ گرد (پر) گناہ محمد عبد اللہ مجید پوری عفی اللہ عنہ
کے اہتمام سے چھپ کر اختتام کو پہنچی"۔

لیکن کتاب کے سرورق پر بخط جلی یہ لکھا ہے :۔

"الحمد للہ کہ کتاب مستطاب تفسیر سورہ یوسف در سنہ
۱۲۰۶ ہجری مقدسہ نبویہ باہتمام محمد عبد اللہ مجید پوری

عفی عنہ در جزیرہ معمورہ بمبئی حلیہ طبع پوشید"
۱۲۰۶ ہجری کا سنہ کتابت کی غلطی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ترقیمے میں مندرج سنہ ۱۲۶۴ ہجری صحیح ہوگا۔ یا یہ کہ سنہ ۱۲۰۶ ہجری میں یہ کتاب پہلی مرتبہ چھپی ہے اور سنہ ۱۲۶۴ ہجری میں دوسری مرتبہ۔ ترقیمے کی عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سنہ ترجمہ بھی ۱۲۶۴ ہجری ہے نیز تفسیر کی زبان سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے کہ سنہ ترجمہ ۱۲۶۴ ہجری ہی ہوگا۔ تفسیر سورہ یوسف دوسری بار سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں مطبع محمدی بمبئی میں چھپی۔ اس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے[1]۔ مولوی عبد الحق نے بھی قدیم اردو میں اس تفسیر کا ذکر کیا ہے[2]۔ مولوی صاحب نے اس کا سنہ تفسیر ۱۲۶۸ ہجری بتایا ہے لیکن یہ سنہ طباعت ہونا چاہیئے۔ مولوی صاحب والے نسخے کی نوعیت ذرا جدا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"طریقہ یہ رکھا ہے عنوان میں قرآن کی آیت ہے اور
نیچے اس کا اردو ترجمہ نثر میں اس کے بعد نظم میں اس
کی تفسیر"

لیکن کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے میں اردو ترجمہ نثر میں لکھا ہی نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قاری کی سہولت کی خاطر بعد کے نسخوں میں نثر بھی اضافہ کر دی گئی مثلاً آیت " وترکنا یوسف عند متاعنا فاکلہ الذئب وما انت بمومن لنا ولوکنا صادقین"۔ کے نیچے ترجمہ پہلے نثر میں لکھا ہے :۔

"اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر
اوس کو کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کرے گا ہمارا
کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں"۔

---

[1] نمبر کتاب ۱۰ (۱۵) دیوان ... ادارہ ادبیات اردو [2] قدیم اردو صفحہ (۱۵۲)۔

ترجمے کی نثری عبارت کے بعد نظم کے ابیات دونوں نسخوں میں برابر ہیں۔

"بتایا ہم نے یوسف کو پرندوں کے پاس   گئے دوڑتے سب کے سب بے حواس

کہ اتنے میں پھر آ اسے کھا گیا   یقیں ہو گا تجھ کو کب ان باتوں کا[1]

اگرچہ ہم آپس میں ہیں راست گو   دے اس کو کب راست جانے ہے تو

یہ آیت کے معنے ہوئے ہیں بیاں   اب آگے سنو اس کا ہے داستاں

سنا جب کہ یعقوب نے یہ کلام   ہوا کام گویا کہ اس کا تمام

گرا کھا کے غش اور گیا دل دھڑک   غشی میں رہا شام سے صبح تک

لگا رونے اولاد اس کی تمام   کہا باپ نے بے جا ہوا ہم سے کام

کیا قتل بھائی اور باپ کو   گنہگار ہم نے کیا آپ کو

قیامت کو کیا دیں گے اس کا جواب   خدا جب کہ لیوے ہم سے حساب

یہ کہہ کر کے روتے تھے چھوٹے بڑے   اور آگے تھے یعقوب اٹھ کے پڑے

جو دیتے تھے جنبش رہتے تھے وہ   کسی طرح سے نہ سنبھلتے تھے وہ

کہا بعض نے ایک بار وہ سے گم   ہوا اس کا بیٹا یہ دیکھو ہو تم

عجب اس کی حالت ہے مرتا ہے یہ   دلیلے ہے نہ سانس بھرتا ہے یہ

وہ جس کی فقط ایک اولاد ہو   وہ مر جائے تو پھر کیوں نہ برباد ہو[2]

اس کے بعد ایک حکایت اسی مضمون کی بیان کی ہے۔"

آغازِ کتاب حمد سے ہوتا ہے۔ نمونۂ چار بیت پیش ہیں:۔

لکھوں پہلے توحید جاں آفریں   قلم کی طرح خاک پر رکھ جبیں

---

[1] "یقین تجھ کو ہو گا کب اس بات کا"۔ نسخۂ کتب خانہ سالار جنگ۔

[2] "وہ مر جا تو پھر کیوں نہ برباد ہو"۔ نسخۂ کتب خانہ سالار جنگ

رکھا جس نے نقش و نگار قدم   بنایا گلگشت لوح و قلم

اسی کی ہے سرسبز باغ ہستی   ہے سیراب و شاداب گلزار کی

عنایات سے اس کی اک خشت خاک   ہوئی معدن گوہر تابناک

نعت شریف کے بعد مصنف نے مدح اصحاب کبار میں شعر موزوں کیے ہیں۔

پیمبر کے جو خاص ہیں چار یار   رہے ان سے راضی سدا کردگار

ابوبکر ہیں یار غار نبی   ہیں گنجینۂ راز دار نبی

عمر شیشۂ برج تمکین ہے   سدا قوت بازوئے دین ہے

ہے عثمان مراد علم و حیا   چراغ شبستان دین پر ضیا

چہارم علی ہے وہ زوج بتول   شہ لافتیٰ ابن عم رسول

ہوئی دین کو ان سے قوت تمام   ہو ان سب پہ رحمت خدا کی مدام

سبب تالیف یہ بتایا ہے کہ یہ قصہ خدا کا پسندیدہ ہے اور یہ کذب و ریا سے مبرا ہے:۔

شگفتہ مرے دل کا غنچہ تھی   کیا جس کی بو سے ہوس اچھی

سخن کو عطا صدق کا کر لباس   کیا قابل سمع اہل شناس

اگرچہ عبارت نہ رنگیں ہے   بھرا راست لیکن مضامین ہے

غرض یہ ہے پسندیدۂ کبریا   کلام معرا ز کذب و ریا

اسی کی طرف رکھ کے چشم نیاز   کیا فکر کو میں نے معنی طراز

حکایت لکھی ہے یہ فرقان سے   جو ثابت ہوئی نص قرآن سے

کہانی ہے یوسف کی یہ دلربا   کہ ہے احسن القصص حق نے کہا

چند ابیات کے بعد مصنف نے بتایا ہے کہ:۔

وہ تصنیف اس ذات عالی کی ہے   امام محمد غزالی سے ہے

روایات سے ابن عباس کی   انھوں نے یہ تفسیر رقم کی

اصل قصے کے آغاز سے قبل مختلف عنوانات کے تحت اشعار موزوں کیے گئے ہیں مثلاً "قرآن کی فضیلت میں"، "قرآن پڑھنے کی فضیلت میں"، "سبب نام نہادن قرآن"، "حال خواب دیدن مرتبہ اول یوسفؑ"۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چار مرتبہ کے خواب دیکھنے کا حال بیان کیا ہے۔ تفسیر کے ضمن میں صاحب حالات بھی منظوم کیے ہیں۔ تفسیر شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ شاعر نے واقعہ نگاری بڑی خوبی سے کی ہے۔ اور اس ضمن میں کرداروں کے نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی ہے۔ آیت "وترکنا یوسف عند متاعنا الخ" کی تفسیر میں برادران یوسف کی طرف سے معافی جرم اور پدر ہجراں دیدہ کا عالم بہت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ خصوصاً آخری دو شعر ــــ

عجب اس کی حالت پہ حیرت ہے یہ   نہ بولے ہے دم سانس بھرتا ہے یہ
وہ جس کی فقط ایک اولاد ہو   وہ مر جائے تو پھر کیوں نہ برباد ہو

لیکن حضرت یوسف کو عام قصوں کے ہیرو کی طرح پیش کر دیا ہے۔ ان کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرنے میں شاعر سے لغزش ہو گئی۔ "ولقد همت به وهم بها" کی تفسیر میں شاعر نے حضرت یوسف کے دامن عصمت کو داغدار بنا دیا ہے ــــ

زلیخا نے یوسف پہ قصد کیا   اور انھوں نے بھی اس پر ارادہ کیا
ارادے کا یوسف کے تھا یہ سبب   بلا انبیا پر اتارے ہے رب
کہ تا یاد کر اس کی طاعت کرے   عبادت میں اللہ کی وہ رہے
یہ یوسف پہ گزری تھی جو واردات   تھی اس کی بتلاؤں میں ساری بات
کہا اپنے دل میں تھا یوسف نے یوں   بھلا بھاگیوں کہاں میں سب اپنے ہوں

کہ وے ہیں گنہ گار اللہ کے   میرے قتل پر سارے تیار تھے
گناہوں سے میں ہوں بہت پاک صاف   نہ مجھ سے ہوا کچھ خدا کا خلاف
خدا نے بلا میں کیا مبتلا   زلیخا نے جو بد ارادہ کیا
چہل مرد کی اس میں شہوت ہوئی   اسے اس گھڑی کا سخت غفلت ہوئی
پچاس عورتوں کی زلیخا میں تھی   سو شہوت بہت اس پہ غالب ہوئی
ہوئے جبکہ تیار وے دونوں ہم   رکھا آکے ابلیس نے وہاں قدم
بدن کو لگا ہاتھ سے روکنے   وہ یوسف کے گرہیں لگا کھولنے
رکھا دوسرا وہ زلیخا پہ ہاتھ   ہوا جمع آکر وہ دونوں کے ساتھ
کیا جمع دونوں کو ایک کام پہ   کیا قصد دونوں نے باہم دگر

لولا ان رأی برهان ربه

نہیں دیکھی گر خدا کی دلیل   تو شیطان کے ہاتھوں سے ہوتا ذلیل
کیا ہوگا برہان میں اختلاف   کہ کیا شے تھی جس سے بچا اب وہ صاف
دیا کعب احبار نے یوں یہ کہ   کہ یوسف نے جو ساتھ دی تھی گرہ
ارادہ کیا تھا کہ کھولے اُسے   جو پہلے گرہ تھی تو کھولے اسے
جو دیکھے تو ہے سامنے ایک کف   وہ تھا صاف شفاف مثل صدف
ہتھیلی ہوئی ایک ظاہر وہاں   کسی ہاتھ کا وہاں نہ تھا کچھ گماں
کسی کا نہیں ہاتھ ظاہر وہاں   فقط اس کف دست کا ہے نشاں
لکھا اس پہ یہ ہے کہ اے نیک ذات   وہ جانے ہے جو کچھ کہ ہے دل میں بات
ہتھیلی تھی جبریل کی جان تو   لکھا اس پہ یہ تھا اسے مان تو
نہ یوسف نے اس پر کیا التفات   دیا کھول اس کو وہ بھی یہ بات
اسی طور سے ہاتھ ظاہر ہوا   لکھا تھا یہ اس پر سو اس نے پڑھا

کہ جو صورت تھیں میں ہو چھپی | تو جو تھا اسے جانتا ہے خدا
اگر پانچ میں مل کے ہو صورت | چھٹا ہو خدا اس کو تو بھول مت
پڑھا اور نہ اس پر کیا التفات | گرہ کھول دی دوسری سن یہ بات
گرہ تیسری بھی وہ دی اسنے کھول | نہ بھی نکلا وہ چنچلی کا بول
اسی طرح کف پر یہ دیکھا لکھا | کہ یوسف اگر تو تی کا یہ خلف
ترا نام نبیوں سے کٹ جائیگا | نبوت کا فرماں پھٹ جائے گا
پھر اس پر بھی اسنے نکی کچھ نظر | وہ دی کھول چوتھی گرہ بے خطر

اسی طرح مصنف نے بتایا کہ حضرت یوسفؑ نے پانچویں اور چھٹی گرہ بھی کھول دی اس کے بعد لکھا ہے :۔

اسی کف پہ دیکھا لکھا پھر تمام | کہ یوسف نکر یہ وقوفی کا کام
تو اولاد ہے انبیا کی سمجھ | نصیحت ہے تجکو خدا کی بجھ
اسے بھی وہ سمجھا گماں لم یکن | گرہ ساتویں کھول دی اسکو سن

اسی طرح بیان کرتے ہوئے شاعر قصے کو ایسے موڑ پر لاتا ہے جو حقیقت سے بعید اور منشائے قرآن کے خلاف ہے۔

پھر اس پر بھی بیٹھا وہ مردوں کے طور
زلیخا پہ اور کچھ نہ کی اسنے غور

حضرت یوسف کی نفسیات کا عام انسانوں کی طرح تجزیہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی نفسیات موقوف ہیں اعتقادات پر اور اعتقادات بھی نبی کے۔ زلیخا کی طرف سے دلکشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان مہیا ہونا۔ حضرت یوسف کی جوانی عمری، بے گھر کی زندگی، تنہائی کے وقت خود زلیخا کی طرف سے ایک خواہش کا بے باکانہ اظہار (وقالت ھیت لک) ان سب دواعی و اسباب کے باوجود

حضرت یوسف نے خدا کی پناہ لی "قال معاذ اللہ" علاوہ بریں اپنے مربی و محسن (زلیخا کے شوہر) کی ناموس میں خلل اندازی گوارا نہ کی "انہ ربی احسن مثوای" اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ "انہ لا یفلح الظلمون" یہی وہ آیت ہے جو اس قصے کے ارتقا کا باعث ہوتی ہے۔ اور یہی وہ آیت ہے جس کا حاصل انجام اس قصے کا نکتہ عروج ہے۔ حضرت یوسف کے کردار میں بھول یا کسی قسم کی کمزوری قصہ کے پلاٹ میں نقص پیدا کر دے گی۔ اسی لئے تو حق تعالی نے "انہ من عبادنا المخلصین" سے حضرت یوسف نے برگزیدہ بندوں میں ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ اور صاحب تفسیر کہتے ہیں کہ :۔

"پھر اس پر بھی بیٹھا[1] وہ مردوں کے طور
زلیخا پہ اور کچھ نہ کی اس نے غور

اب یہاں آخری "برہان" کا ذکر ہوتا ہے گویا خدا نے متعدد "برہان" ظاہر کئے یا متعدد مرتبہ ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لکھا ہے:

خدا کا ہوا حکم جبریل کو | کہ یہ بندۂ خاص فاسق نہ ہو
پلک کے جھپکتے ہی روح الامین | کھڑے مثل یعقوب تھے بس وہیں

چند اشعار کے بعد آگے لکھا ہے :۔

اسے دیکھ کر اس کو آئی حیا | کہا دل میں ظالم تو کرتا ہے کیا

اس کے بعد وہ روایت بیان کی ہے جس میں زلیخا نے اپنے بت پر پردہ ڈال دیا تھا۔

---

[1] یہ لفظ "بیٹھا" ہوگا۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

اسلام کے مشہور فرقے عصمت انبیاء کے مسئلہ میں متفق ہیں۔ عصمت کے لغوی معنی ہیں "بچانا" یا کسی چیز سے محفوظ رکھنا۔ اصطلاح میں حق تعالیٰ کا اپنے کسی بندے کو گناہ سے محفوظ رکھنا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیاء سے اگر کوئی گناہ سرزد ہوتا تو ان کی اطاعت حرام ہوتی اس لئے کہ ایسے اشخاص "اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم" اور "کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون" کا مصداق بن جائے۔ حالانکہ قرآن نے تو ان کی اطاعت کرنا واجب قرار دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسرائیلیات میں ایسے قصے اور روایات ملتے ہیں جن سے انبیاء کی عصمت پر حرف آتا ہے۔ ان کے تقویٰ اور طہارت پر الزام آتا ہے اس لئے محققین نے ایسی روایات کے متعلق یہ طریقہ کار رکھا ہے کہ قرآن اور حدیث سے جن کی تائید ہوتی ہے انہیں قبول کر لیا جائے اور معارض کو رد کر دیا جائے۔ "ولقد همت به وهم بها" کی مندرجہ بالا تفسیر میں اسرائیلیات کی بجائے پایا جاتا ہے۔ جسے شاعر نے افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے۔ حضرت یوسف اس برے کام کے ارتکاب سے مسلسل روکے جانے کے باوجود گرہ پر گرہ کھولتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ ؎

پھر اسپر بھی بیٹھا وہ مردوں کے طور
زلیخا پہ اور کچھ نہ کی اس نے غور

"ولقد همت به وهم بها" کے ترجمے کا بیت

زلیخا نے یوسف پہ قصد آ کیا ؎ اور اس نے بھی اس پر ارادہ کیا

میں "اس پر" کی بجائے اگر "اس سے" ہو تو معنی و مفہوم قرآن سے قریب ہو جاتے ہیں ؎

زلیخا نے یوسف پہ قصد آ کیا ؎ اور اس نے بھی اس سے ارادہ کیا

یعنی حضرت یوسف نے اس (زلیخا) سے (بچنے کا) ارادہ (فکر) کیا یا زلیخا کے برے قصد سے بچنے کا ارادہ کیا۔ مولانا محمود حسن نے ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا"

ترجمے کی تشریح حاشیے میں "فائدہ" کے تحت ان الفاظ میں کی گئی ہے :۔

"یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور اس نے فکر کی کہ عورت کا داؤ چلنے نہ پائے"

بعض مفسرین نے "وهم بها" کو "ولقد همت به" سے علحدہ کر کے "لولا ان رای برهان ربه" سے متعلق کیا ہے۔ اس سے حضرت یوسف کا "ہم" ثابت کرنا نہیں بلکہ نفی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اب ترجمہ یوں ہو گا :۔

"اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کا ارادہ کیا
اور وہ (یوسف) بھی اس (عورت) کا ارادہ کرتا اگر
اپنے پروردگار کی قدرت و دلیل نہ دیکھ لیتا"۔

چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ کیا ہے :۔

"اور وہ (عورت) تو یوسف کے ساتھ ارادہ (بد)
کر ہی چکی تھی اور یوسف کو اپنے پروردگار کی (طرف کی)
دلیل (کہ وہ میرا آقا ہے اور اس وقت) نہ سوجھ
گئی ہوتی وہ بھی اس (عورت) کے ساتھ ارادہ
(بد) کر بیٹھے ہوتے"۔

لیکن اصل شعر سے یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ "ولقد همت به وهم بها" کے ترجمے کے اس قسم کے اشعار سے "لولا ان

ساای برھان ربہ" کے ترجمے تک پہنچتے پہنچتے قاری کی نظر میں حضرت یوسف کی پاک نفسی آلودہ ہو چکی ہوتی ہے۔

ـہ زلیخا نے یوسف پہ قصد آکیا اور اسنے بھی اسپر ارادہ کیا

یہ شعر اپنی موجودہ صورت میں اسی وقت صحیح مفہوم کا حامل ہوتا جبکہ بعض دیگر مفسرین کی طرح "وھم" میں لفظ "ھم" کو محض میلان و رغبت کے لیا جاتا یعنی یوسف کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا جیسے گرمی میں روزہ دار کو ٹھنڈے پانی کی طرف رغبت و میلان ہوتا ہے۔ لیکن نہ وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے اور نہ یہ بے اختیاری رغبت معتبر ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمے میں ایسا ہی مفہوم پایا جاتا ہے :۔

ترجمہ : "اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال
(عزم کے درجے میں) جم ہی رہا تھا اور ان کو
بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال سا ہو چلا تھا کہ
اگر اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھتے تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا۔"

شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن کے حاشیے میں لکھا ہے کہ :۔

"بعض علماء نے کہا ہے کہ مراد "ہم" سے اس
جگہ خطرات حدیث نفس ہیں اور وہ قصد اختیاری
سے نہیں ہوتے ایسے خیال سے آدمی ماخوذ نہیں
بلکہ لائق مدح اور ثواب کا ہوتا ہے اور بعض
نے کہا کہ وہ قصد کرتے اگر دلیل رب کی نہ دیکھتے
یعنی انھوں نے قصد نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی

اسی کو اختیار کیا ہے۔"

زیر بحث شعر کا مطلب "خطرات حدیث نفس" کے تحت لیا جائے تو مابعد اشعار اس مطلب پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

سر سید احمد خاں نے اس آیت کی بڑی اچھی تفسیر کی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"پہلی آیت میں خدا نے فرمایا تھا کہ اس عورت نے
مکان کے دروازے بند کر دیئے اور یوسف سے کہا
کہ آ میں تیرے لئے ہوں یعنی حضرت یوسف سے
فحش کی خواہش کی۔ حضرت یوسف نے کہا خدا کی
پناہ یعنی انکار کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ جس نے
مجھ کو گھر میں رکھا ہے یعنی اس عورت کے شوہر وہ
میرا رب یعنی مربی ہے اور مجھ کو عزت سے رکھا ہے
اور ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔"

"اب دوسری آیت میں جو لفظ "وھم بھا" کا ہے
اس کے یہ معنی کہ حضرت یوسف نے اس عورت سے
فحش کا قصد کیا یا ان کے دل میں اس کا ارادہ آیا
کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ پہلی آیت میں صاف
اس کام سے انکار بطور نص قطعی بیان ہو چکا ہے
اور اس لئے ضرور ہے کہ "ھم بھا" کے معنی
عدم وقوع "ھم" کے ہوں پس "ھم بھا"
"لولا" کی جزا ہے اور جزا بسبب اہم اور
مقصود بالذات ہونے کے شرط پر مقدم ہو گئی ہے

اس لیے دوسری آیت کے صاف معنی نص قرآنی
سے پائے جاتے ہیں کہ "اگر یوسف نے دلیل اپنے
رب کی نہ دیکھی ہوتی یعنی نہ دیکھی ہوتی تو یوسف نے
اس کے ساتھ قصد کیا ہوتا۔ پس قرآن مجید سے
فحش کا قصد کرنا یا اس کا ارادہ دل میں آنا حضرت
یوسف کی نسبت بیان نہیں ہوا ہے۔"[1]

مفسر حکیم محمد اشرف صاحب نے خاتمۃ التفسیر کے ایک شعر میں اپنی طرف سے
صفائی پیش کی ہے ؎

نہ کچھ شاعری کا کیا میں خیال — کہا اس میں جو کچھ لکھا تھا وہ حال

خاتمۃ التفسیر کے باقی اشعار ذیل میں نقل ہیں:۔

یہ تفسیر یوسف ہوئی جب تمام — کیا میں نے بھی اس کو اب اختتام
نہ کچھ شاعری کا کیا میں خیال — کہا اس میں جو کچھ لکھا تھا وہ حال
الٰہی مرا رنج سب دور کر — مجھے نور سے اپنے معمور کر
سر دست میں نے لکھی جب کتاب — نہ کچھ فکر اور غور کا تھا حساب
خدا اور محمد کا لیتا ہوں نام — علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

حکیم محمد اشرف صاحب نے جس زمانے میں سورہ یوسف کی منظوم تفسیر لکھی ہے
وہ اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ مثنوی گلزار نسیم کے اشعار ابھی تک فضا
میں گونج رہے۔ دنیائے شاعری آتش اور نسیم کی زبان کا لطف لے رہی تھی کہ ذوق
اور غالب نے قدم رکھا۔ ذوق کی زبان اور محاورات نے سننے والوں کے دل کو موہ لیا

[1] تفسیر القرآن جلد اول ۔ سورہ یوسف صفحہ (۹۱۱)

غالب نے جدت بیان اور ندرت خیال کے گلشنوں سے اردو شاعری کو سنوار دیا۔
اس دور میں عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب اردو شاعری میں زیادہ جگہ
پانے لگے تھے۔ چنانچہ حکیم محمد اشرف صاحب کی زیر نظر مثنوی اپنے دور کے
تقاضے کو پورا کرتی ہے۔ ان کے کلام کی یہ خصوصیت "سبب تالیف" کے تحت
کے ابیات میں نیز حمد، نعت شریف اور مدح اصحاب کبار کے اشعار میں نمایاں
طور پر ملتی ہے۔ کہیں کہیں محاورے بھی موزونیت سے باندھے گئے ہیں مثلاً:۔

سنا جب کہ یعقوب نے یہ کلام — ہوا الہام گویا اس کا تمام

سیاسی انقلابات سے دلوں میں قنوطیت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔
ایسے میں مذہب کا سہارا لاکھوں انسانوں کے اطمینان قلب کا باعث ہوا کرتا ہے۔ مفسر
کا اپنی صلاحیتوں سے مجبور ہو کر سورہ یوسف کے ترجمے و تفسیر پر دھیان دینا بعلم
زمانے کے تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب"۔

۳۔ شرح سورۂ یٰسین (منظوم)

قرآن شریف کی الگ الگ سورتوں کی منظوم تفاسیر میں ایک مخطوطہ "شرح سورۂ یٰسین" کے نام سے بھی ملتا ہے[1]۔ صاحب تفسیر نے اسے "شرح" سے موسوم کیا ہے۔ بشاید "شرح" میں بمقابل لفظ "تفسیر" کے وہ بہت کچھ آزاد خیال کرتے ہیں لیکن اصطلاحاً تو اس کو تفسیر ہی کہیں گے۔ اول و آخر کہیں نہ صاحب تفسیر کا نام ہے اور نہ سنہ تفسیر۔ تفسیر کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ پہلے آیت لکھی ہے اور اس کے نیچے اشعار۔ کہیں تو صرف ترجمہ پر اکتفا کی ہے اور کہیں ترجمے کے ساتھ کسی قدر تفصیل سے بھی کام لیا ہے۔ مخطوطے کا آغاز حسب ذیل اشعار سے ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"سورۂ یٰسین ہے یکسر جان — متفق ہیں اس پر جملہ راویان
آیتیں ہیں اس میں تیراسی بیاں — اور بیاسی ہیں نزد کوفیاں
ایک ایک آیت میں اس کے مرخلاف — کرتے ہیں راوی و قاریاں اختلاف
ہفتصد و ہشت کلمہ آشکار — بار کو پانچ و حروف سہ ہزار"

---

[1] تفسیر مخطوطہ (۱۰۱) سائز ۸ / ۵ (۱/۸) ورق ۲۳ سطر ۱۲۔ خط نستعلیق کا نمونہ دیکھیے، کتب خانہ سالار جنگ۔

اس کے بعد "یٰسین" عنوان کے تحت اشعار ہیں:-

"میں نے یہ نکتہ کیا ہے انتخاب — یعنے ہر حرف مقطع از کتاب
گنج سربستہ ہے از اسرار غیب — عالم اوسکا ہے خدا بیشک وریب
ہے پر از سر خدا ہر ایک حرف — ہے نہاں قطرہ میں دریا کی شگرف
عالم ان کا پہلی حضرت کو دیا — سورتوں کے ساتھ پھر نازل کیا
انکی معنے سے بجز اللہ و رسول — نہیں ہیں آگہ عالمان ذی عقول
کہتے ہیں چند عالمان مستقیم — کہ ہے یٰسین اسم قرآن عظیم
صاحب اتفاق نے یوں ہے لکھا — یعنے ہے یٰسین یک اسم خدا
بعضے کہتے ہیں ہے اس سورہ کا نام — ہے خبر یا کہتے ہیں خیر الانام"

اس سلسلے میں اور بھی اشعار ہیں اور درمیان میں سورۂ یٰسین سے متعلق احادیث شریف کی منظوم شرح (۱۲) اشعار میں لکھی ہے۔ دو شعر نمونۃً ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:-

"ان اللہ تعالیٰ قرأ سورہ طٰہٰ و یٰسین ان
خلق السموات والارض بالف عام"

"بیگمان تحقیق ایزد نے پڑھا — سورۂ طٰہٰ و یٰسین برملا
پیش از خلق زمین و آسمان — مدت یک الف عام المومنان"

اس کے بعد سورۂ یٰسین کے قلب قرآن ہونے کے تعلق سے حدیث شریف پیش کی ہے پھر (۱۰) اشعار میں اس کی تشریح کی ہے۔ صرف دو شعر نمونۃً ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

"قال رسول اللہ صلعم لکل شئ
قلب و قلب القرآن سورۃ الیاسین"

یعنی ہے قلب از برائے جملہ شئے　　قلب قرآں کا سورہ یٰسین ہے

جسنے تجکو شکر قرآن دیا　　قلب شکر سورہ یٰسین کیا

اس کے بعد سورہ کی تفسیر کا آغاز ہوتا ہے. چند آیتوں کی تفسیر کا نمونہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :-

"یٰسین والقرآن الحکیم"

"یعنے سن ای سید جملہ اُمم　　ہم کو اس قرآن محکم کی قسم

یاکہ ہے حاکم بجا یا ہے حکیم　　یعنے پُر حکمت ہے قرآن عظیم"

"انک لمن المرسلین"

"ہے تو تحقیق ای محمدؐ نامبر　　اون رسولوں سے کہ آئے پیشتر"

"علی صراط المستقیم"

"بر طریق راست و براہ درست　　وہ رہ توحید ہے رہو اس پر چُست

یاکہ تو بھیجا گیا ہے ای کریم　　بر طریق استقامت رہو مستقیم"

"تنزیل العزیز"

"یعنے قرآں ہے فرستادہ شدہ　　ایزد خالق سے بر خلق آمدہ

اور پڑھتا ہے حفص بالنصب لام　　پس یہ ہے مفعول مطلق لاکلام

بھیجا قرآں کو ہے اوسکا بھیجاں　　ہے قوی سلطان ملک جاوداں"

"الرحیم"

"مہرباں ہے خلق پر اپنی مدام　　روز و شب رحم و کرم ہے اسکا کام"

"لتنذر قوما"

"تو یہاں بھیجا گیا یا مصطفٰے　　تا ڈرادے اونکو از قہر خدا"

"ما انذر اباءھم"

"تھی نہ منذر جنکی آبائی قریب　　ہے وہی انذار رسل سے بے نصیب

کوئی نبی اون پر نہ آیا حکم رواں　　ہو گئے گمراہ از طول زماں

یا ڈرادے سب کو از قہر شدید　　جیسے منذر انکی آبائی بعید

جد اسماعیل ہیں کہ تھی نبی　　انکی منذر تھی جدو آبا سبھی"

"فہم غافلون"

"یعنی یہ سب ہیں بخبر از راہ دیں　　ڈرتی نہیں از شرک رب العالمین"

"لقد حق القول علی اکثرہم"

"ہے گیا ثابت ہوا قول عذاب　　خود باکثر کافراں دین خراب"

"لاملات جہنم من الجنۃ والناس اجمعین" [1]

"قول یہ تھا کہ بھر دیگا ہم جحیم　　قوم جن وانس سے جو ہیں لئیم"

"فہم لا یومنون"

"یعنی نہ ایمان لاویگی یہ قوم زشت　　اومرینگی کفر پہ یہ بدسرشت

ہم کو تھا معلوم از علم قدیم　　کہ رہینگے کفر پہ یہ مستقیم

جیسے ولید زشت بوجہل لعین　　اور فوج انکی رقوم [2] مشرکین"

انتہا' سورۃ کے آخری کلمات " والیہ ترجعون" کی تفسیر پر ہوتا ہے.

" والیہ ترجعون".

---

[1] یہ آیت بطور تفسیر کے دوسری سورۃ سے لی گئی ہے۔ " لاملان" کی کتابت میں غلطی ہے۔
" لاملئن " ہونا چاہیے۔

[2] " وقوم مشرکین" ہونا چاہیے۔

"اور طرف خالق کی پھرے جاؤ کے — تا جزا تم ہر عمل کے پاؤ کے
اور پھری جاؤ کی حق تے طرف — تا جزا پاوے عمل کے کف بکف
یہ سخن ہے وعدہ بہر دوستاں — اور وعیدہ دشمناں ہے بیگماں
اونکو غم ہے اوا شد ہو کا عذاب — او اونہیں طوبے ہی او حسن مآب"

مخطوطے کے صفحہ اندازی غلط ہوئی ہے۔ غالباً یہ کام جلد بندی کے وقت انجام پایا ہے۔ ورق نمبر ۷۵ کے بعد تسلسل مضمون کے لحاظ سے موجودہ ورق نمبر (۳۲) ہونا چاہئے تھا۔ بعض اشعار الفاظ کے غلط اضافے کی وجہ سے وزن سے گر گئے ہیں مثلاً :۔

"آیتیں ہیں اسمیں تیرا کہے عیاں — اور بیاں سے ہیں بہ نزد کو نیاں"

اس شعر میں "ہے" کا غلط اضافہ کیا ہے۔

؎ "بر طریق راست و براہ درست — وہ رہ توحید ہے رہو اسی پہ چست"

یہ شعر دو طرح درست ہو سکتا ہے۔

بر طریق راست و راہ درست — وہ رہ توحید ہے رہ اسپہ چست

یا

بر طریق راہ ست براہ درست — وہ رہ توحید ہے رہ اسپہ چست

؎ یا کر تو بھیجا گیا ہے اے کریم — بر طریق استقامت رہو مستقیم

اس میں لفظ "رہو" زائد ہے۔

؎ "مہرباں ہے خلق پر اپنی مدام — روز و شب رحم و کرم ہے اس کا کام"

اس میں "رحم و کرم" ہونا چاہئے اور "نام" کی بجائے "کام" موزوں لفظ تھا۔ بعض اشعار میں صحیح اور موزوں لفظ استعمال نہ ہونے سے معنی خبط ہو گئے ہیں مثلاً :۔

عالم اسکا پہلی حضرت کو دیا — سورۃ نکلی ساتھ پھر نازل کیا

اس میں "عالم" کی بجائے "علم" ہونا چاہیے۔

اس قسم کی غلطیاں ہو سکتا ہے کہ کاتب سے ہو گئی ہوں لیکن بعض وقت کاتب کی اس قسم کی غفلت سے لفظ کی ایسی صرفی شکل بن جاتی ہے کہ مفسر کے دکنی یا شمالی ہند کے ہونے کے تعلق سے کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ شعر ؎

"بھیجا قرآں کو ہے اوسکا بھجاں — ہے تو کی سلطان ملک جاوداں"

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ شعر موجودہ صورت میں وزن سے گر رہا ہے۔ بجائے "بھیجا" کے "بھیجیا" پڑھنا پڑے گا اور یہ ماضی مطلق کی دکنی شکل ہے۔ دوسرے یہ کہ وزن کے لئے لفظ پہچان جو بمعنی معرفت ہے ہائے مخلوط بتقلیب ہونا چاہئے یعنی "پچھان"۔ اگر شعر اپنی اصلیت میں اسی طرح ہو تو اس کی روشنی میں صاحب تفسیر کو دکنی ہونا چاہیئے۔ لیکن مفسر نے دوسرے مقامات پر لفظ بھیجا ہی لکھا ہے۔ صرف اس شعر میں وزن "بھیجیا" کا متقاضی ہے اس لئے مفسر کو اس ایک لفظ کی بناء پر دکنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مخطوطے میں قطع نظر وزن کے بھیجا ہی لکھا ہے۔ دوسرا لفظ "پہچان" میں ہا کی تقلیب دکن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یہ صوتی رجحان شمالی ہند کی کرخنداری زبان میں بھی ملتا ہے۔ اس لئے اس تفسیری نظم کی زبان کی بناء پر مفسر کو شمالی ہند ہی کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ تفسیر کا یہ وصف قابل تعریف ہے کہ نظم کے فنی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھی مفسر قرآن کے معنی و مفہوم سے کافی قریب رہتا ہے اور زبان صاف اور سریع الفہم استعمال کی ہے۔ ایسی نظموں میں ادبیت کی تلاش بے معنی ہوتی ہے۔ اس کی

بجائے مفہوم کی کمی حذف اور اتی ہی کو ایسی نظموں کا بڑا وصف سمجھنا چاہیے۔ اس
نقطۂ نظر سے مفسر کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب ہے۔ زبان کے اعتبار سے اس
کو تیرھویں صدی کے نصف آخر کی منظوم تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔

باب پنجم

تراجم و تفاسیر سنہ ١٢٧٤ھ / ١٨٥٧-١٨٥٨ء تا سنہ ١٣٣٢ھ / ١٩١٤ء

الف: پس منظر

انگریز ہندوستان میں پرتگالیوں، ولندیزیوں اور فرانسیسیوں کے بعد آئے لیکن اپنی حکمت عملی سے دوسری یورپی اقوام کو میدان سے ہٹا دیا اور خود ہندوستان میں سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ مغل سلاطین لال قلعہ کے بادشاہ اور کمپنی کے وظیفہ خوار رہتے۔ عملاً ہندوستان کی زمام حکومت کمپنی ہی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بدیسی تاجر، اردو کے قبول عام کو دیکھ کر اس کی ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ویسے پرتگالیوں اور ولندیزیوں نے بھی انگریزوں سے پہلے اردو کی قواعد پر کتابیں لکھی تھیں۔ انگریزوں نے بھی ان کے بعد اردو زبان کی صرف و نحو پر کتابیں لکھیں۔ اردو اخبار اور رسالے جاری کئے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں اردو کو ہندوستان کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ قانون کی کتابیں اردو میں ترجمہ ہونے لگیں۔ بعض انگریزوں نے اردو میں شعر بھی کہنا شروع کیا۔ اس دوران میں یہاں انگریزی ذریعہ تعلیم کے مدارس قائم ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ اس کے بعد ہندوستان میں یکے بعد دیگرے کئی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ ان یونیورسٹیوں کی وجہ سے اہل ہند انگریزی ادب کے رجحانات سے واقف ہوئے، جس کا بڑا اثر اردو ادب پر پڑا

جو ایک ادبی انقلاب کی صورت میں رونما ہوا۔ شاعری کے موضوعات بدلے، زبان بدلی، اسالیب بدلے اس طرح فکر و بیان کے تمام سانچے بدل گئے۔ سادہ نثر نگاری کا رجحان فورٹ ولیم کالج ہی سے شروع ہوا۔ غالبؔ نے اپنے سادہ و پرکار اسلوب سے فورٹ ولیم کالج کی سادہ نثر نگاری کے رجحان کو تقویت پہنچائی۔ سرسید نے مذہبی، علمی، قومی اور سیاسی موضوعات پر سادہ نثر میں اتنا کچھ لکھا کہ اردو نثر میں ہر علم اور ہر موضوع پر اظہار خیال کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اسی وجہ سے سرسید کی نثر کو جدید اردو نثر کا نقطۂ آغاز کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سرسید کے رسالہ تہذیب الاخلاق کی بڑی اہمیت ہے جس نے اردو صحافت اور اردو انشائیہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ سرسید نے سیاست، تعلیم، مذہب اور ادب کے میدانوں میں خود بھی کام کیا اور کام کرنے والوں کا ایک گروہ پیدا کر لیا۔ حالی، شبلی، محسن الملک، وقار الملک اور مولوی چراغ علی جیسے کتنے ہی بلند پایہ اہل قلم سرسید کے صحبت یافتہ ہیں۔ محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد دہلوی، مولوی ذکاء اللہ کا راست تعلق سرسید سے نہیں تھا لیکن بدلے ہوئے حالات کے جن اقتضاءات نے سرسید کو سرسید بنایا تھا اقتضاءات کا بھرپور شعور چونکہ ان حضرات کو بھی تھا اس لئے ان حضرات نے بھی وقت کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کی اپنے طور پر کوشش کی اور اردو زبان و ادب کا رخ بدلنے میں قابل قدر حصہ ادا کیا۔ اس ادبی انقلاب کے اثر سے اردو کے سرمایۂ زبان اور اسالیب بیان ہی میں وسعت نہیں آئی بلکہ اردو نثر کئی اصناف سے روشناس ہوئی۔ خصوصاً انشائیہ، سوانح، ناول اور تنقید کو ترقی ہوئی۔ ڈرامہ اور مختصر افسانہ کی طرف ذرا دیر میں توجہ ہوئی۔ اگرچہ اردو کے ادبی انقلاب کی روح ادب برائے زندگی کا تصور تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انقلاب کے ابتدائی دور ہی میں

شبلی نے بالواسطہ طور پر ادب برائے ادب کا رجحان پیش کیا جس کی بعد میں مہدی افادی اور سجاد حیدر یلدرم نے بڑی زور سے اشاعت کی۔

اگرچہ ادبی انقلاب کا مقصد اردو نظم و نثر کو نئے اسالیب اور نئے موضوعات اور بالخصوص نئے طرزِ فکر سے روشناس کرنا تھا اس کے باوجود اہلِ قلم کی توجہ مذہبی موضوعات سے نہیں ہٹی بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس دور میں مذہبی موضوعات پر معقول، مدلل، مربوط اور واضح انداز میں لکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی طرف اہلِ علم کی یہ توجہ بھی انگریزی اقتدار کا نتیجہ تھی۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تحفظ کی زیادہ فکر دامنگیر ہوئی۔ عیسائی مشنریوں کی فتنہ پردازیوں نے انہیں اور بھی چوکنا کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد تاریخ، سیرت، کلام، حدیث اور ترجمہ و تفسیر پر جس قدر کام ہوا ہے شاید اس سے پہلے کسی دور میں اتنا نہیں ہوا۔ ادبی انقلاب کے بعد اردو نثر میں جو سادگی اور برجستگی آئی اس سے سب سے زیادہ فائدہ قرآن کے ترجمے کے کام کو پہونچا۔ اسی وجہ سے اس دور میں اور اس دور کے بعد ایک سے ایک اچھا ترجمہ کیا جاتا رہا۔

ب: تراجم و تفاسیر

(۱) شمالی ہند کی مساعی

(۲) دکن کی مساعی

(۱)

۱۔ تفسیر القرآن

از

سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہندوستان نے سر سید احمد خاں کو جنم دیا۔ یہ اپنے زمانے کی ایسی شخصیت تھے جن کے کارناموں سے اردو ادب مالا مال ہو گیا۔ ان کے دل میں قوم کا درد تھا مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے لیے قلم و زبان سے جو بھی کام لیا وہ اردو ادب کا قیمتی سرمایہ بن گیا۔ غدر (۱۸۵۷ء) کے بعد مسلمانوں کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے سر سید احمد خاں مسلمانوں اور انگریزوں میں باہمی میل جول اور اتحاد پیدا کرنا چاہتے تھے اس کے لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے دل میں انگریزوں سے وفاداری کا جذبہ پیدا ہو۔ سر سید سمجھتے تھے کہ اسی سے مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی مسائل حل ہو سکیں گے۔ ملک کی بھلائی کے لیے وہ امن کو ضروری سمجھتے تھے اور قیام امن کے بارے میں وہ اپنے ایک لکچر میں بڑے وثوق سے اظہار خیال کرتے ہیں کہ

"ہندوستان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ہندو یا مسلمانوں میں سے کوئی حاکم ہو اور امن قائم رکھ سکے پھر بھی

یہی ہوتا ہے کہ کوئی دوسری قوم ہم پر حکمراں ہو۔"[1]

دوسری طرف سر سید نے انگریزوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ مذہب کی رو سے مسلمان انگریزوں یا انگریزی حکومت کے دشمن یا بد خواہ نہیں ہو سکتے۔ اس غرض سے سر سید نے بائبل کی تفسیر "تبیین الکلام"[2] لکھی اور بتایا کہ "دنیا میں اگر کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے اور بس۔"[3]

دوسری بات یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں سائنس اور مذہب کی کشمکش ہو رہی تھی۔ سر سید کے پیش نظر سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کا انگلستان تھا جہاں سائنس اور مذہب کی جنگ میں مذہب کو آخرکار عقل اور سائنس سے ہاتھ ملانا پڑا۔ ہندوستان میں بھی سر سید نے اسی طریق کار کو اپنایا چاہا۔ انگلستان کے مذہبی حلقوں کی طرح انھوں نے بھی مذہب کی ترجمانی عقل و تجربے کے مطابق کی اور اسی نظریہ کے تحت انھوں نے قرآن مجید کی جدید تفسیر لکھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "قرآن میں کوئی بات قانون فطرت کے خلاف نہیں ہے۔"[4] اس تفسیر کا نام "تفسیر القرآن" رکھا۔ اس کی چھ جلدیں چھپ چکی تھیں اور ساتویں جلد جس میں سورہ انبیاء تک تفسیر لکھی جا چکی تھی چھپ نہ سکی اور سر سید کا انتقال (سنہ ۱۸۹۸ء) ہو گیا۔ تفسیر کی پہلی

---

[1] مجموعہ ہائے لکچر ص ۱۶۸ [2] تبیین الکلام سنہ ۱۸۶۰ء

[3] حیات جاوید حصہ اول ص ۹۹۔

[4] مقالات حالی حصہ اول ص ۲۲۹۔ مضمون "سر سید کی مذہبی خدمات" محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ بابت ماہ مئی سنہ ۱۸۹۸ء۔

جلد سنہ ۱۲۹۷ھ م سنہ ۱۸۸۰ء میں شائع ہو گئی تھی۔ اس تفسیر کی خصوصیت
رام بابو سکسینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

"اس میں بہت سی باتوں پر جن کا حوالہ قرآن شریف
میں ہے بائبل کے قصص سے روشنی ڈالی گئی ہے"۔ ۱؎

ذیل میں اس تفسیر کے بارے میں مولانا حالی کی رائے پیش کی جاتی ہے:

"اگرچہ ان (سرسید) کو اس تفسیر کے اکثر مقامات
میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے جس سے ایک
عجیب و غریب تھیالوجیکل (مذہبی) قابلیت ان کے
دماغ میں ثابت ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ بہت سے
مقامات ان کی تفسیر میں ایسے بھی موجود ہیں جن کو
دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ایسے عالی دماغ شخص کو کیونکر
ایسی تاویلات بارد پر اطمینان ہو گیا اور کیونکر ایسی
فاحش غلطیاں ان کے قلم سے سرزد ہوئی ہیں لیکن
درحقیقت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جن لوگوں
نے تقلید کی بندشوں کو توڑ کر تحقیق کے میدان میں قدم
رکھا ہے اور زید و عمر کا سہارا چھوڑ کر اپنی خداداد
عقل سے کام لینا اور قدما کے علم میں کچھ اضافہ کرنا چاہا
ہے ان سب کی رایوں میں اس قسم کی غلطیاں اکثر پائی گئی
پائی گئی ہے کہ ان کی بعض باتوں پر الہامی ہونے کا

۱؎ تاریخ ادب اردو ص ۴۱۔ حصہ نثر۔ مترجمہ مرزا محمد عسکری۔ نول کشور پریس سنہ ۱۹۲۹ء

گمان ہوتا ہے اور بعض انتہا درجہ کی رکیک
اور ضعیف معلوم ہوتی ہیں یہاں تک کہ ایک
کو دوسری کے ساتھ کچھ نسبت نہیں معلوم ہوتی۔
مگر یہی وہ لوگ ہیں جو علوم دینیہ میں اپنے اپنے
فن کے امام مانے گئے ہیں۔ ان کی غلطیوں سے
دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا کیونکہ وہ لغو سمجھ کر
آخر کار مردود ٹھیر گئیں مگر ان کی فتوحات
جدیدہ سے اسلام کو بے انتہا تقویت پہنچی
ہے۔ سرسید کو اپنی اس نئی طرز کی تفسیر
کے جن جن مقامات میں پوری کامیابی ہوئی
ہے (اور ایسے مقامات کی تعداد کچھ کم نہیں
ہے) ان سے فی الواقع بمقابلہ علوم جدیدہ
کے اسلام میں ایک نئے علم کلام کی بنیاد
پڑ گئی اور احباب کی امید بندھ گئی ہے کہ
جب اس قدر مشکلات صرف ایک شخص کی
کوشش سے حل ہو گئی ہیں تو باقی بھی ضرور کبھی
نہ کبھی حل ہو جائیں گی"۔ ۱؎

مولانا حالی کی یہ رائے سرسید کی وفات ۲؎ کے ایک دو مہینے بعد کی ہے۔

۱؎ مقالات حالی حصہ اول ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ ۲؎ وفات ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۹۸ء۔ ایک مضمون "سرسید احمد خاں" ص ۲۰۔ ادبائے اردو فیروز سنز پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور سنہ ۱۹۴۱ء

سرسید کو ان کی زندگی ہی میں قوم کی طرف سے کافر، ملحد، نیچری کے خطابات مل چکے تھے مگر وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ مولانا حالی کا ایک مضمون سرسید کی وفات کے سال ڈیڑھ سال بعد رسالہ معارف علی گڑھ میں شائع ہوا۔[1] اس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"جو لوگ سرسید کی تفسیر کی نسبت کہتے ہیں کہ "جو معنی قرآن کے انھوں نے لکھے ہیں نہ وہ خدا کو سوجھے نہ رسول کو"۔ سو شاید سرسید کی بعض تاویلات کی نسبت یہ کہنا صحیح ہو مگر ان کی تمام تفسیر کی نسبت ایسا کہنا محض ستم ظریفی ہے"۔[2]

مولانا حالی نے سرسید کی سوانح حیات "حیات جاوید" لکھی اور یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ "حیات جاوید" کی وجہ سے حالی نے حیات ابدی پایا تھا۔ رام بابو سکسینہ اس سوانح حیات کے متعلق سے لکھتے ہیں کہ :-

"اس کو زبان اردو میں وہی مرتبہ حاصل ہو گیا ہے جو باسویل کی مشہور کتاب "ڈاکٹر جانسن کی لائف"[3] کو انگریزی میں ہوا ہے۔"[4]

---

[1] رسالہ معارف علی گڑھ بابت دسمبر سنہ ۱۸۹۹ء۔ مضمون "کیا اب بھی تفسیر کی نکتہ چینی باقی ہے یا نہیں"۔ [2] مقالات حالی حصہ اول ص ۲۳۶۔ حیات جاوید پہلی بار سنہ ۱۹۰۱ میں چھپی۔ [3] "BOSWELL'S LIFE OF JOHNSON" [4] تاریخ ادب اردو ص ۵۰۵ نول کشور پریس۔

مطلب یہ ہے کہ حالی جیسے معتقدِ سرسید کی بھی رائے میں جابجا تبدیلی ہوتی رہی اور بالآخر حیات جاوید میں تو صاف کہہ دیا کہ

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر ان سے رکیک لغزشیں ہوئی ہیں"۔[1]

ان "ٹھوکروں" اور "لغزشوں" کی وجہ محض ان کا "نیچریہ عقیدہ" ہے۔ چنانچہ "تیغ البیان" میں مولوی سید ناصر الدین محمد ابو المنصور نے اسی نیچریہ عقیدہ کی اصلیت "تہذیب الاخلاق" کے حوالے سے بیان کی ہے کہ:

"تہذیب الاخلاق مطبوعہ سنہ ابتدائے ماہ جمادی الاول لغایت ماہ رمضان سنہ ۱۸۷۹ء مطابق سنہ ۱۲۹۶ ہجری صفحہ ۵۰ میں نیچریہ عقیدہ کی اصل اس طرح صاف صاف بتا دی گئی ہے کہ 'ہر مذہب کی تخصیصات اور خصوصیات کو دور کیا تو باقی چند اصول رہے جو سب مذہبوں میں ایک ہی تھے اور سب میں مشترک اور متفق ہیں۔ ان اصول مشترک اور متفق کا نام مذہب نیچریہ ہے الٰہی اصول کو نیچریہ مذہب کی اصول کہتے ہیں۔' پھر اوسی صفحہ تہذیب الاخلاق میں لکھا ہے کہ '[illegible] سے وہ باتیں جو خلاف فطرت ہیں مثلاً معجزات اور اور خلاف عقل باتیں نکال ڈالی جائیں تو پھر بھی ایک مذہب کا ڈھانچ باقی رہے گا بس اوس کو نیچریہ مذہب

---

[1] حیات جاوید حصہ اول ص ۱۸۰ مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

یا عقلی مذہب کہیں گے' یہی کام سید احمد خاں صاحب
نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔" [1]

نیز مولوی سید ناصر الدین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ مضمون تہذیب الاخلاق میں خان بہادر صاحب نے اپنے کسی دوست کی طرف سے چھاپا ہے۔

تیغ البیان حصہ دوم سر سید احمد خاں کی تفسیر القرآن حصہ دوم کے جواب میں مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے۔ یہ مطبع نصرت المطابع دہلی میں سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں چھپی ہے۔ حافظ انعام اللہ صاحب دہلوی نے اس کی تاریخ بھی نکالی ہے جو ذیل میں پیش ہے۔

"قدم جو رکھو سنبھل کے رکھنا کتاب ایسی بغل میں رکھنا
کہ جلد اول تو چھپ چکی ہے جو چھپ رہی یہ دوسری ہے
خیال تاریخ کا جو آیا تو ہاتف غیب نے بتایا
کہ سوچتا کیا ہے لکھ یہ دیگر جواب تفسیر نیچری ہے"
۱۲ - ۹۹

ان اشعار سے بھی اس زمانے میں سر سید کی تفسیر کی مخالفت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سر سید کو اس دار فانی سے گزرے کوئی ستر سال ہوتے ہیں۔ اب تک نہ جانے کتنے مولویوں نے اپنے مکتب میں سر سید کی تفسیر پر تبرا کیا کتنے واعظوں نے بھری مجلسوں میں انہیں للکارا اور پھر تھک کر خاموش ہو رہے۔

---

[1] "تیغ البیان" حصہ دوم ص ۱۲۔ "تیغ البیان در جواب نیچری تفسیر القرآن" از مولوی سید ناصر الدین محمد ابو المنصور" مطبع نصرت المطابع دہلی۔

سر سید کا زمانہ مسلمانوں کے تعلق سے بڑا پر آشوب تھا۔ مسلمانوں پر ہر حیثیت سے زندگی تنگ کر دی گئی تھی۔ ان کی بقا کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں سر سید نے مسلمانوں کے لیے جو خدمات انجام دیے ہیں تاریخ انہیں بھلا نہیں سکتی۔ "اسباب بغاوت ہند" [1] لکھ کر مسلمانوں کو بغاوت کے الزام سے بری کرنے کی کوشش کی۔ "وفادار مسلمانان ہند" [2] رسالے کے ذریعے مسلمانوں پر لگائے گئے' الزام کی تردید کی کہ انگریزوں سے جہاد کرنا واجب ہے نیز اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی وفاداری اور جاں نثاری کے ان کارناموں پر روشنی ڈالی گئی جو غدر کے موقع پر انھوں نے انگریزوں کے ساتھ انجام دیے تھے۔ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب (سنہ ۱۸۷۱ء) نے مسلمانوں کی طرف سے انگریزوں کی بدگمانی کو اور بڑھا دیا تھا۔ باوجود سخت مصروفیت کے سر سید "پایونیر" کے متعدد پرچوں میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے رہے اور بتایا کہ:۔

"گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جرم ہے جو
شخص اس جرم کا مرتکب ہوگا خواہ وہ وہابی ہو
یا عیسائی' ہندو ہو یا مسلمان یا اور کوئی مذہب
والا بلا خیال مذہب کے مجرم قرار پائے گا' انھوں
نے جہاد کے مسئلے کی حقیقت اور جو غلط فہمیاں اس کی
نسبت تھیں ان کو اچھی طرح ظاہر کیا اور بتایا کہ جو
مسلمان انگریزی گورنمنٹ کی پناہ میں ہیں اور اپنے
فرائض مذہبی بلا مزاحمت ادا کرتے ہیں ان کو انگریزی

---

[1] "اسباب بغاوت ہند" مشہور پمفلٹ سنہ ۱۸۵۸ء میں لکھا اور سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع کیا۔ [2] "لائل محمڈنز آف انڈیا"

"گورنمنٹ کے زیرِ حکومت اس کی اطاعت و فرمانبرداری
سے رہنا از روئے اسلام واجب ہے جیسا کہ
ہجرتِ اولیٰ میں مسلمان حبش میں جا کر عیسائی بادشاہ
نجاشی کے زیرِ حکومت رہے تھے۔" [1]

مولانا حالی لکھتے ہیں کہ:

"اس ریویو کے شائع ہونے سے ہندوستان میں لوگوں
کی طبیعتوں کا یہ حال ہوا جیسے کہ جلتی اور بھڑکتی
آگ پر کوئی پانی ڈالے۔" [2]

"سائنٹفک سوسائٹی" کے قیام (سنہ ۱۸۶۴ء) کا بڑا مقصد بھی یہی تھا کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں میل جول اور ربط و اتحاد پیدا ہو۔ اہلِ کتاب کے ساتھ کھانے پینے کے جواز پر جو رسالہ [3] لکھا تھا اس کا بھی مقصد انگریزوں اور مسلمانوں میں یگانگت پیدا کرنا تھا۔ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کا جواب (سنہ ۱۸۶۹ء) میں لکھا۔ جس میں سر ولیم نے اسلام اور بانیٔ اسلام پر نکتہ چینی کی تھی اس کا جواب "خطباتِ احمدیہ" سے دیا۔ سر سید کا سب سے بڑا کارنامہ "علی گڑھ کالج" ہے۔ سر سید کے قومی خدمات کے احاطے کی یہاں گنجائش نہیں مختصر یہ کہ ان کے دل میں قوم کا درد تھا۔ سراپا مسلمانوں کی بھلائی کا سودا سمایا تھا۔ جب سوچا اور جو سوچا تو وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے جب کہا تو ان کی اصلاح کے لئے اور جب لکھا

---

[1] مقالاتِ حالی حصہ دوم۔ "سر سید مرحوم" ص ۱۰۰ [2] مقالاتِ حالی حصہ دوم ص ۱۰۱۔ "سر سید مرحوم" [3] رسالہ "احکام طعام اہلِ کتاب" سنہ ۱۸۶۶ میں لکھا۔

تو ان کی بقا کے لیے۔ موقعی طور پر بائبل کی تفسیر کی تو اسلام کو عیسائی مذہب کا دوست بنایا۔ اہلِ یورپ نے اس کی بڑی قدر کی [1] اور ادھر قرآن مجید سے "اولی الامر منکم" سے مسلمانوں کا انگریزوں کا وفادار ہونا ثابت کیا۔ قرآن مجید کی تفسیر بھی انھیں حالات کا نتیجہ تھی۔
مولانا حالی لکھتے ہیں کہ:

"میں ایسے متعدد نوجوانوں سے واقف ہوں
جنھوں نے انگریزی تعلیم پانے کے زمانے میں
مذہب کو بالکل خیرباد کہہ دی تھی اور بعضوں
نے عیسائی ہونے کا ارادہ ٹھان لیا تھا اور
ایسے تو بے شمار تھے جن کا ایک قدم لامذہبی
کی طرف اٹھتا تھا تو دوسرا قدم مذہب کی
طرف سے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ مگر جب سے
سر سید مرحوم کی مذکورہ بالا تحریریں شائع
ہونی شروع ہوئیں اس وقت سے جہاں
تک کہ ہم کو معلوم ہے یہ رخنہ تقریباً بالکل
بند ہو گیا ہے۔ بعض مسلمان نوجوانوں نے
اخباروں میں بذریعہ تحریر کے اور بعضوں نے
پبلک لیکچروں میں اور بعض نے اپنے دوستوں
سے زبانی بیان کیا ہے کہ۔"

---

[1] رام بابو سکسینہ تاریخِ ادب اردو ص ۲۹۔

"اگر سید صاحب کی تحریری ہماری نظر
سے نہ گزرتیں تو ہم اسلام سے منحرف ہو جاتے"۔
اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہی مقصد سر سید کا
تفسیر القرآن لکھنے سے تھا"۔ [1]

اس تفسیر کے نتیجے میں علمائے وقت کے جو اندیشے تھے انہیں سر سید نے قرین قیاس پایا اور جانا کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں ممکن ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دوسرے مسلمانوں سے مذہبی خیالات میں مختلف ہو لیکن سر سید ان کے اس طرز عمل سے متفق تھے چنانچہ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ " وہ کہا کرتے تھے کہ

"ایسا نیا اسلامی فرقہ بہ نسبت اس کے کہ وہ
اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کریں
یا کسی مذہب کے پابند نہ رہیں ہزار درجہ بہتر
ہے۔" [2]

ساتھ ساتھ اس کے سر سید کو اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے علمائے ان کی صحت کے متوقع بھی تھے۔ چنانچہ حالی لاہور میں " اسلام" پر سر سید کے لیکچر کے دوران لکھے ہوئے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ :

" میں معصوم نہیں ہوں اور نہ معصوم ہونے کا

---

[1] مقالات حالی حصہ اول ص ۲۲۶ و ۲۲۷۔ " سر سید کی مذہبی خدمات"۔

[2] سر سید کی مذہبی خدمات ص ۲۲۷۔ مقالات حالی حصہ اول۔

دعویٰ کرتا ہوں۔ میں ایک جاہل آدمی ہوں
اسلام کی محبت سے میں نے یہ کام کیا ہے
جس کے میں لائق نہیں ہوں ممکن ہے کہ اس
میں غلطی ہو مگر آئندہ علماء اس کی صحت کریں
گے اور اسلام کو مدد دیں گے۔ میرے
خیال میں مخالفین اور متشککین فی الاسلام
کے مقابلے میں اسلام کی تائید اسی طریقہ
پر ہو سکتی ہے اور کسی طریقہ پر نہیں ہو سکتی"۔ [1]

اب علمائے وقت ان غلطیوں کی صحت کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اگر اپنی ساری صلاحیتیں تبرا بازی پر صرف کریں تو اس کا الزام سر سید کے سر نہیں۔ سر سید نے جو بھی سوچا اور جو بھی کیا اپنے انداز فکر سے سوچا اور کیا۔ آنے والی نسل کے علماء ان کے زاویہ ہائے فکر کو موقع ثابت کر کے ان کی صحت کریں یہ کر سکیں تو سر سید پر الزام بھی نہ دھریں۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے پرستار، سر سید کے شیدائی، رشید احمد صدیقی نے سر سید کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے وہ بڑے نپے تلے انداز کا ہے۔ کہتے ہیں :

" میرا ذاتی خیال کچھ ایسا ہے کہ سر سید نہ تو
مذہب کے ایسے کوئی جید عالم تھے نہ سیاست
کے ماہر یا شعر و ادب کے شیدائی۔ لیکن

---

[1] سر سید کی مذہبی خدمات ص ۲۲۶۔ مقالات حالی حصہ اول۔

بقول ایک فاضل کے ایک غیر معمولی صفت ان
میں یہ بھی کہ وہ جس موضوع پر جو کچھ لکھنا یا
کہنا چاہتے تھے اس کے لئے تمام ضروری معلومات
فراہم کرنے کی انتہائی کوشش کرتے جو
مستند کام کرنے والوں کا امتیاز ہے۔ وہ بڑے
مخلص، ہمدرد، ذہین، دلیر، عالی حوصلہ،
دور اندیش، انتھک اور ناقابل تسخیر تھے۔
ان میں جانداری اور جان یعنی دونوں کی
جھلک ملتی ہے جو کبھی ہمارے اسلاف کی
صفات تھیں۔"[ے]

ایسا لگتا ہے کہ مذہبی عقائد کو سر سید کے وقت کے سیاسی حالات سے مطابقت کرنے کے نتیجے میں "نیچری عقیدہ" برآمد ہوا ہے۔ اب سر سید کے نیچری عقیدہ کی اصلیت سے واقف ہونے کے بعد ان کی تفسیر پر کسی بھی قسم کا تبصرہ غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اب رہی زبان تو اس بارے میں ان کے کئی نقاد یہ صاف بتا رہے ہیں کہ ان سے پہلے کی رنگین مقفیٰ اور مسجع عبارت کو انھوں نے پسند نہیں کیا اس لئے کہ وہ ایسی زبان چاہتے تھے جو سلیس اور عام فہم ہو اور جس کے ذریعہ اپنی بات کو سننے والوں کے دل میں اتار دے۔ مقفیٰ اور مسجع عبارت سر سید کے مقصد کو پورا نہ کر سکتی تھی کہ اس میں خیالات کا اظہار آسانی سے نہیں ہو سکتا۔

ے "آشفتہ بیانی میری" ص ۴۳ و ۴۴۔ اشاعت دوم ستمبر سنہ ۱۹۵۰ء۔

اور پھر سننے والے بھی بات کی تہ تک پہنچنے کی بجائے اس کی ظاہری اور سطحی خوبیوں میں کھو جاتے ہیں۔ تحریر میں سادگی کے ساتھ ساتھ روانی بھی ہے اور روانی بھی ایسی کہ اس میں قواعد کی غلطیوں کا خیال ہی نہیں رہتا اور لفظ وہی استعمال کرتے ہیں جن سے مفہوم پوری طرح ادا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی عام تحریروں کی یہی خصوصیات ان کے ترجمے اور تفسیر میں بھی پائی جاتی ہیں البتہ بعض بعض مقامات پر الفاظ کے انتخاب میں تساہل سے کام لیا گیا ہے۔ نمونہ عبارت ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ طریقہ یہ رکھا ہے کہ پہلے سورہ کا متن پورا لکھا ہے اور اس کے نیچے ترجمہ پھر تفسیر۔ یہاں سورہ فاتحہ کا صرف ترجمہ اور تفسیر (بغیر متن کے) نقل کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان"
سب بڑائیاں خدا ہی کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے
والا ہے (۱) بڑا مہربان ہے اور بڑا رحم والا (۲)
حاکم ہے انصاف کے دن کا (۳) تیری ہی عبادت
کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں (۴) ہم کو
سیدھی راہ پر چلا (۵) ان لوگوں کی راہ پر جن پر
تو نے بخشش کی ہے۔ (۶) نہ ان کی راہ پر جن پر تیرا
غصہ ہوا ہے اور نہ بہکنے والوں کی راہ پر۔)

" اس سورہ میں کچھ تو خدا کی تعریف ہے اور کچھ اپنی
عاجزی اور کچھ دعا پس گویا بندوں کی زبان سے
کہی گئی ہے اور بلاشبہ بندوں کو خدا سے اسی طرح

التجا کرنی زیبا ہے"۔

"دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جاوے گا اور استجابت کے معنی اس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے مگر دعا نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے رنج و مصیبت اور اضطرار میں جو مطلب نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطری قوا کو متوجہ کرکے کی جاتی ہے اور خدا کی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک میں آتی ہے اور ان تمام قوتوں پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اس مصیبت کا رنج برانگیختہ

ہوا ہے ان سب پر غالب ہو جاتی ہے اور انسان کو صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا مستجاب ہوتا ہے"۔

"اسی امر کا اشارہ آنحضرت صلعم نے ان لفظوں میں فرمایا ہے کہ "الدعاء مخ العبادۃ" یعنی دعا خالص عبادت ہے اور اس سے بھی واضح کرکے فرمایا کہ "الدعاء ھو العبادۃ" یعنی دعا عبادت ہی ہے پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ "ادعونی استجب لکم" یعنی مجھ کو پکارو یعنی میری عبادت کرو میں تمہارے لئے اس عبادت کو قبول کروں گا۔ (مشکوٰۃ)"

"پس دعا سے مطلب کا حاصل ہونا موعود نہیں بلکہ عبادت کا جو نتیجہ ہے وہ موعود ہے دعا کے ساتھ کبھی مطلب حاصل ہو جانا اتفاقیہ بات ہے جو اس کے اسباب جمع ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے"۔

انعمت علیھم اور غیرالمغضوب کی تفسیر سرسید نے اپنے ڈھب پر کی ہے۔ انعمت علیھم کی تفسیر میں "من النبیین

والصدیقین والشہداء والصالحین " والی آیت پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ لکھا ہے۔

" (انعمت علیھم) جن پر انعام ہوا وہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں میں غور کیا ہے اور جو نور فطرت خدا نے ان میں رکھا ہے اس کو کام میں لائے ہیں اور قوائے عقلی وتمدنی وآبائی امور کی الفت وموانست اور خلقی امور کی قوت پر اس کو غالب کیا ہے یا غالب کرنے کی کوشش کی ہے اور سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ راہ اختیار کی ہے جو خدا نے بتائی ہے "۔

" غیرالمغضوب " لکھ کر اس کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے۔

" جن پر غضب ہوا وہ لوگ ہیں جو اس نور فطرت کو کام میں نہیں لائے، اور نہ کام میں لانے کی کوشش کی اور آبائی اور عقلی وتمدنی امور کے بوجھ میں دبے اور خلقی امور کی قوت میں مغلوب رہے اور جو راہ خدا نے بتائی تھی اس کو اختیار نہیں کیا۔ "

تفسیر میں یہود اور نصاریٰ کی تخصیص نہیں کی بلکہ معنی میں عمومیت پیدا کر دی ہے یہ ایسا ہی مقام ہے جہاں حقیقت اسلام کے عقیدے پر نیچریت کی چھاپ لگی ہو۔

سورہ بقرہ کی آیت " ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین کی پڑھائی رموز اوقاف قرآن کے لحاظ سے دو طرح ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ " ذلک الکتاب لاریب فیہ " تک پڑھ کر وقف کرے اور پھر " ھدی للمتقین " سے شروع کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ذلک الکتاب لاریب فیہ " پر وقف کرے اور آگے " فیہ " سے شروع کرے۔ " فیہ ھدی للمتقین " آیت کی اسی ترکیب کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔ اور اسی ترکیب کے لحاظ سے ترجمہ کیا جاتا رہا ہے۔ عام طور پر پہلی پڑھائی کے موافق ترجمے ہوئے ہیں۔ سرسید کا ترجمہ کسی بھی پڑھائی کا محتاج نہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

" وہ کتاب ہے پرہیزگاروں کے لئے اس کے رہنما ہونے میں کچھ شک نہیں۔"

شک " پرہیزگاروں کے لئے قرآن کے رہنما ہونے میں نہیں بلکہ " قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کچھ شک نہیں ہونا چاہیئے۔

ترجمہ با محاورہ ہے۔ سورہ فاتحہ کے ترجمہ میں بعض الفاظ مناسب حال اور موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً " حمد " کے لئے " بڑائیاں " اور " مالک " کے لئے حاکم۔ " بڑائی " میں شیخی اور لاف زنی کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔ " حمد " کا ترجمہ " تعریف " موزوں ہے۔ لفظ " حاکم " گو صحیح ہے کہ اس دن اسی کی شہنشاہی ہوگی لیکن " لمن الملک الیوم الواحد القہار " کو پیش نظر رکھیں تو بجائے " حاکم " کے لفظ " مالک " ہی موزوں معلوم ہوگا۔ لفظ " کرکر " دکنی ہے۔

اور یہ سرسید کی زبان میں بھی داخل ہو گیا۔ "...... اور اس سے بھی داغ کر کر فرمایا"۔ " اور جگہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطری قوا کو متوجہ کر کر کی جاتی ہے"۔

۲۔ تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان

از

نواب صدیق حسن خان

مولوی سید صدیق حسن خان ابن مولوی آل حسن قنوجی نے ترجمان القرآن بلطائف البیان" کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ یہ بانس بریلی (روہیل کھنڈ) میں سنہ ۱۲۴۸ھ مطابق سنہ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ درسی علوم مروجہ مفتی صدرالدین خان دہلوی سے حاصل کئے۔ تفسیر، حدیث وغیرہ علوم ہندوپاک کے چند علماء قاضی حسین بن محسن انصاری، شیخ عبدالحق بن فضل اللہ ہندی اور شیخ محمد یعقوب دہلوی سے حاصل کئے۔ بھوپال کی وزارت ونیابت پر مامور ہوئے اور سنہ ۱۲۸۸ ہجری میں رئیسۂ بھوپال ان کی زوجیت میں آئیں اور وہ نواب اور خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ سلطان عبدالحمید خان عثمانی سے نشان مجیدی درجہ ثانیہ حاصل ہوا۔ سنہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ عیسوی میں وفات پائی اور بھوپال ہی میں مدفون ہیں۔ نواب علی حسن خان نے

نے اپنے والد نواب صدیق حسن خاں کی مکمل و مفصل سوانح عمری مآثر صدیقی
معروف بہ سیرت والاجاہی کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کی ہے۔
یہ مطبع نول کشور لکھنؤ سے سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں طبع و شائع ہوچکی ہے
نواب صدیق حسن خاں کثیر التصانیف تھے۔ متعدد کتابیں ہندی فارسی
اور عربی زبانوں میں بھوپال، مصر، قسطنطنیہ وغیرہ میں طبع ہوئی ہیں۔
صاحب تذکرہ علمائے ہند نے ایسی ۵۵ پچپن کتابوں کے نام بتائے ہیں۔[1]
نواب صدیق حسن خاں نے ترجمان القرآن میں ترجمہ اور فوائد
شاہ عبد القادر ہی کے رکھے ہیں البتہ مطالب تفسیر حافظ ابن کثیر، تفسیر
قاضی محمد بن علی شوکانی اور تفسیر فتح البیان سے لے کر بیان کئے ہیں۔ غرہ
رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۲ ہجری سے تفسیر کے کام کا آغاز ہوا اور
سنہ انتقال ۱۳۰۷ ہجری تک تقریباً نصف قرآن مجید کی تفسیر ہو سکی۔
یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ مابقی پاروں کی تفسیر ان کے ایک
شاگرد مولوی ذو الفقار احمد نے آٹھ جلدوں میں ۱۳۱۵ء تک تکمیل کی۔
پہلی جلد میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورہ بقرہ سے سورہ نساء تک کی تفسیر
ہے اور یہ دوسری جمادی الآخری سنہ ۱۳۰۲ ہجری تک مکمل ہو گئی۔
دیباچے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ نساء کی تفسیر کا کام ۱۲
جمادی الآخری سنہ ۱۳۰۲ ہجری سہ شنبہ سے پچیس دن میں ختم ہو گیا۔
یعنی ۷ ہر جمادی الآخری سنہ ۱۳۰۲ ہجری روز شنبہ کو سورہ نساء کی
تفسیر اختتام پا چکی تھی۔ اس لحاظ سے تفسیر کا نام "ترجمان القرآن
بلطائف البیان" تاریخی ہے۔ جس کے عدد بشمول "قرآن" کے دو

---

[1] حالات ماخوذ از تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۰، ۲۵۱۔

الف ۱۳۰۳ اور صرف ایک الف کے ساتھ ۱۳۰۲ ہوتے ہیں۔ سبب
تفسیر اور زبان وغیرہ کے بارے میں معلومات دیباچے ہی سے ہوتی ہیں۔
دیباچے کی حسب ضرورت عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ آغاز حمد و صلوٰۃ
سے ہوا ہے اور پھر سبب تفسیر بیان کیا گیا ہے۔

"مدت سے ایک جماعت اہل دین کی مجھ سے یہ
بات کہہ رہی تھی کہ تم اردو زبان میں ایک ایسی
تفسیر لکھو جو نہ بہت لمبی چوڑی ہو نہ مختصر بلکہ
متوسط اوسط ہو قرآن پاک کا مطلب سمجھا دے
کم علموں کو ہدایت کا رستہ بتا دے مجھ کو
اتنی فرصت کہاں کہ میں اس کام کا ارادہ کرتا
لیکن جب تقاضا زیادہ ہوا تو چار ناچار غرہ
رمضان سنہ ۱۳۰۲ ہجری روز دوشنبہ سے
میں نے لکھنا اس تفسیر کا شروع کیا۔ موضح القرآن
کو اس کے مولف نے سنہ ۱۲۰۵ ہجری میں لکھا
تھا جس کو تیس برس کم سو برس ہوئے، وہ
ترجمہ تھا اب یہ تفسیر ہے۔ اس کو شہر
رمضان میں اس لئے شروع کیا کہ سب
سے پہلے نزول قرآن پاک کا آسمان دنیا
سے بیت العزت پر اسی مبارک مہینہ میں
ہوا تھا کما قال تعالیٰ شہر رمضان الذی
انزل فیہ القرآن اس تفسیر میں ترجمہ آیتوں

کا مع فوائد کے موضح القرآن سے لیا ہے باقی
مطالب تفسیر حافظ ابن کثیر، تفسیر قاضی محمد
بن علی شوکانی (تفسیر فتح البیان) سے لے کر
لکھے ہیں۔ عبارت موضح القرآن کو مطابق روزمرہ
حال کے کر دیا ہے بالکل موافق اصل کے نہیں
رکھا اس لئے کہ تخمیناً سو برس کی مدت میں
بعض محاورے اردو زبان کے بدل گئے ہیں۔
اس تفسیر سے یہ غرض ہے کہ عامۂ اہل اسلام
اپنی بولی میں اللہ کا کلام سمجھ لیں قرآن شریف
کا مطلب بوجھ لیں اسی سبب سے جو باتیں
علمی تھیں جن کو عام لوگ سمجھ نہیں سکتے ہیں
جیسے مسئلے علم صرف و نحو معانی بیان قرات
وغیرہا کے وہ اس تفسیر میں نہیں لکھے فقط
مقصود کتاب اللہ پر اکتفا کیا گیا جو تفسیر
قرآن شریف کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے یا صحابہ یا تابعین تبع تابعین
یا لغت عرب سے ثابت ہوئی ہے وہی اس
تفسیر میں لکھی گئی ہے کیونکہ جیسا مطلب اللہ
کے کلام پاک کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
اہل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سمجھتے تھے ویسا
مطلب ہر کوئی عالم بیان نہیں کر سکتا ہے۔ علاوہ

اس کے قرآن کے معنی اپنی رائے یا غیر کی رائے
سے بیان کرنا یا علم معقول کا اس میں ملانا بڑا
گناہ ہے۔ بھروسے کی تفسیر تو وہی ہے جو سلف
سے نقل ہو کر ہم تک پہونچی ہے۔۔۔۔"

نواب صدیق حسن نے ترجمے کے متعلق سے بتا دیا ہے کہ یہ شاہ عبدالقادر کا ہے۔ نیز یہ کہ بعض محاورے جو مرور زمانہ سے بدل گئے ہیں انھیں بدل دیا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے ترجمہ پر زیادہ دھیان نہیں دیا اور ساری توجہ تفسیر پر صرف کر دی اور یہ غور کیا کہ قرآن کے کسی لفظ کے لئے اردو میں کون لفظ موزوں ہو سکتا ہے اور شاہ صاحب نے کون لفظ استعمال کیا ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ یک نظر جو بات کھٹکتی تھی اس کو درست کر دیا۔ آیت "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے۔

"تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں"۔

نواب صدیق حسن خاں نے شاہ صاحب کے ترجمے کے فعل مضارع کو اپنے ترجمے میں فعل حال مطلق سے تو بدل دیا لیکن "تجھ کو بندگی کرنا" اور "تیری بندگی کرنا" کے فرق کو محسوس نہ کیا اور شاہ صاحب ہی کا ترجمہ رکھ دیا

"تجھ ہی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں"۔

ترجمان القرآن میں نواب صاحب نے اس آیت کی تفسیر شاہ عبدالقادر کی نسبت زیادہ شرح کے ساتھ کی ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم یعنی کوئی سوائے
تیرے مستحق عبادت کا نہیں ہے اور تجھی سے مدد

چاہتی ہیں ہم زیج عبادت کی اور تو ہی سرانجام
عبادت کرنی والا احتیاج اور مشکلات ہمارے
کار۔" ؎

اور ترجمان القرآن بلطائف البیان میں آیت کے مندرجہ بالا ترجمے کے بعد اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔

"اس آیت میں ابطال ہے جبر و قدر دونوں کا، جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ گویا اس جملے کا کہنے والا سارے عباد و موحدین کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ اس سے یہ نکلا کہ جماعت کو پکڑا ہے مراد جماعت سے اہل سنت ہیں سنت کہتے ہیں حدیث کو، عبادت وسیلہ ہے استعانت کا اس لئے پہلے ذکر عبادت کا کیا پھر استعانت کا، لفظ ایاک کو لفظ نعبد و نستعین پر مقدم کیا اس سے حصر و قصر و اختصاص عبادت کا و استعانت کا ساتھ اللہ کے سمجھا گیا۔ معلوم ہوا کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی لائق عبادت کے ہے نہ لائق وہ چاہئے کہ جب پوجے اللہ ہی کو پوجے، جب کسی کام میں مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگے۔"

؎ ترجمہ قرآن شریف مخطوطہ (۲۵۷) ادارہ ادبیات اردو۔

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

عبادت کہتے ہیں پلے سرے کی خواری و ذلت اختیار کرنے کو۔ یہ ذلت و خواری سوا خدا کے کسی کے لئے نہ چاہئے۔ عبودیت ایک ادنیٰ مرتبہ ہے عبادت کا، استعانت یہ ہے کہ کسی سے کہے تم ہماری مدد کرو ہمارا کام نکالو سو سارے دین کی چکا ایہیں دو امر پر پھراتی ہے اس لئے بعض سلف نے کہا ہے کہ سورہ فاتحہ بھید ہے سارے قرآن کا، بھید یہی دو کلمے ہیں کیونکہ پہلے کلمے میں بیزاری ہے شرک سے دوسرے کلمے میں علاگ ہے اپنے حول و قوت سے سونپنا ہے اپنے ہر کام کا اللہ عز و جل کو۔۔۔

اس آیت کے ترجمے میں تو نواب صاحب نے "نعبد" اور "نستعین" کے فعل کو بدل دیا لیکن "الحمد للہ رب العلمین" کے ترجمے میں "رب" کے لئے شاہ صاحب کا لفظ "صاحب" ہی موزوں سمجھا۔ حالانکہ پروردگار، پالنے والا، پرورش کرنے والا، موزوں اور روزمرہ الفاظ موجود تھے۔ ؎

الحمد للہ رب العلمین "سب تعریف اللہ کو جو صاحب ہے سارے جہان کا۔ جب کوئی شخص کوئی اچھا کام اپنے اختیار سے کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کی بزرگی کے ارادے سے اس کام کی ثنا و صفت اپنی زبان سے بجا لاتا ہے تو اس کو حمد کہتے ہیں یہ حمد خاص اللہ ہی کی ذات پاک کو لائق ہے دوسرے کو زیبا نہیں۔ حدیث میں آیا ہے

؎ شاہ عبدالقادرؒ کے تذکرے میں یہ امور زیر بحث آچکے ہیں۔ مقالۂ زیر نظر ص ۱۲۹ تا ۱۵۱

اللھم لک الحمد کلمہ ابن عباس کہتے ہیں الحمد للہ شکر کا کلمہ ہے بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا . . . "

قاعدے کے تحت عبارت کے پہلے اور دوسرے جملے میں معنوی تضاد پایا جاتا ہے۔ پہلے جملے سے تو یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے ایک شخص دوسرے شخص کی تعریف کرے تو اس کو مدح کہتے ہیں۔ اور دوسرے جملے میں حمد کو خاص خدائے تعالیٰ سے متعلق کیا گیا ہے۔ نواب صاحب نے مثال کے ذریعہ اس کی توضیح کرنی چاہی لیکن اس کے سارے جملے میں کسی قدر تبدیلی کی ضرورت تھی۔ انھیں کے الفاظ میں جملہ یوں ہوتا تو مطلب واضح اور درست ہوتا۔

" جب کوئی شخص کوئی اچھا کام اپنے اختیار سے
کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کی بزرگی کے ارادے
سے اس کام کی ستائش اپنی زبان سے کرتا
ہے تو اس کو مدح اور ثنا بھی کہتے ہیں اور جب
یہ تعریف و ستائش حق تعالیٰ سے متعلق ہو تو
اس کو حمد کہتے ہیں "۔

حمد اور ثنا میں یہی فرق ہے کہ ثنا بندے کی بھی ہو سکتی ہے اور حمد فقط حق تعالیٰ کے لئے۔ شاہ عبد القادر کے ترجمے کی ترکیب نحوی و صرفی بعض جگہ مفہوم میں پیچیدگی پیدا کرتے اور بعض وقت مفہوم قرآن کے مغائر ہو جانے کے باوجود بعض مفسروں نے انھیں کے ترجمے کی خوشہ چینی کی ہے اور بعض صورتوں میں تو من و عن انھیں کا ترجمہ اپنی تفسیر میں رکھ دیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے سورہ احزاب کی آیت میں " ودع

اذاھم [1] کا ترجمہ شاہ صاحب ہی کے الفاظ میں " چھوڑ دے ان کو ستانا " لکھا ہے۔ اس سے یہ ہوا کہ ترجمے اور تفسیر کے معنوں میں مغائرت پیدا ہو گئی۔ نواب صدیق حسن خان چاہتے تو ترجمہ کو درست مفہوم میں لکھ سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا البتہ تفسیر میں مفہوم قرآن کی وضاحت کر دی۔

آیت :- ولا تطع الکفرین والمنفقین ودع اذاھم وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا

ترجمہ شاہ عبد القادر و نواب صدیق حسن خان :-

" اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا اور
چھوڑ دے ان کو ستانا اور بھروسہ کر اللہ
پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا "۔

عبارت تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان :-

" یعنی منافقوں کی اطاعت نہ کرو اور ان کی
کوئی بات نہ سنو اور ان سے اعراض اور
درگزر کرو اور ان کے کام کو اللہ عزوجل کے
سپرد کر دو کیونکہ اسی میں ان کی کفایت ہے اور
اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے "۔

تفسیر زیر نظر کی زبان صاف ہے۔ کسی قدر قدیم انداز کی ترکیب لفظی اور متروک محاورے مثلاً " رستہ بتا دے " " سمجھا دے " وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔ تا حد مطالعہ کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے تاہم عبارت میں وہ

---

[1] پ ۲۲۔ سورۂ احزاب رکوع ۶۔

روانی اور شستہ بیانی نہیں ہے جو چودھویں صدی ہجری کے ابتدائی دمانے میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عربی اور فارسی کتابوں کی زیادہ مزاولت سے اردو نثر متاثر ہو گئی ہے تاہم عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کی اتنی کثرت بھی نہیں ہے کہ جس سے عبارت بوجھل ہو گئی ہو۔

۲۔ تفسیر فتح المنان

مشہور بہ

تفسیر حقانی

۱۳۰۵ - ۱۳۱۸ھ

تفسیر حقانی مولوی ابو محمد عبدالحق دہلوی کی مشہور اور مستند تفسیر ہے۔ اس میں ترکیب نحوی و ربط آیات، حل لغات و بیان نکات، اظہار خلاصہ مرعو و شان نزول سبھی چیزیں بیان کی گئی ہیں نیز مخالفین دین اسلام کے الزامات اور دہریوں اور نیچریوں کے اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا گیا ہے۔ جلد اول کے خاتمے میں معتبر تفاسیر کی فہرست کے ضمن میں فاضل مفسر نے تفسیر زیر نظر (حقانی) کے متعلق سے تحریر کیا ہے کہ:

"فتح المنان بتفسیر القرآن مشہور بہ تفسیر حقانی الیہ بے وقف کم استعداد ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر بن شمس الدین بن نور الدین بن خواجہ جعفر خواجہ بن خواجہ سلیم بن مظفر الدین احمد

بن شاہ محمد تبریزی کی تصنیف۔ اس کتاب میں
روایت کو کتب حدیث سے اور درایت کو
اس فن کے علماء محققین سے نہایت احتیاط
کے طور پر لے کر جمع کیا ہے اور چونکہ مقصود کلام
زبانی کا لوگوں کو سمجھانا تھا۔ اس لئے اس میں
ان چند امور کی رعایت کی (۱) اردو میں اصل مطلب
قرآن کو واضح کیا (۲) شان نزول بروایات
صحیح لکھا (۳) آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ
کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے
دلائل کو بیان کیا۔ (۴) بغرض ضروری سمجھ کر
فقط ایک ہی قرات کے موافق وجہ اعراب کو
بیان کیا (۵) وجوہ مختلفہ میں سے ایک کو بسبب
قوی سمجھ کر ذکر کیا۔ (۶) معانی اور بلاغت کے
متعلق نکات قرآنیہ کو ظاہر کیا (۷) کوئی حدیث
بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہا کے نہ لایا۔
(۸) قصص جو کچھ بروایت صحیحہ یا کتب سابقہ
سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کئی جگہ بیان
وارد ہے وہاں سے ملخص کر کے بیان کر دیا۔
(۹) آیات میں ربط دیا (۱۰) مخالفین کے شکوک
وشبہات جس قدر تاریخی واقعات یا عبدہ و معاد
کے بابت وارد تھے سب کا جواب الزامی اور

تحقیقی دیا۔ اور لفظی ترجمہ میں تفسیر کو دو قوسوں
کے بیچ میں لایا اور مکرر تفاسیر کی عبارت کے
ترجمہ کرنے اور رطب و یابس قصے بھرنے
اور کسی خاص مذہب کی تائید کرنے سے کہ حق و
ناحق اس کی تائید کی جاوے اجتناب کیا۔ یہ
تفسیر علاوہ زمانہ حال کے متعلق باتوں کی سلف
کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عجیب وغریب
کتاب ہے خدا مقبول کر کے اس سے اپنے
بندوں کو اور مجھ کو اور میرے آل واصحاب
کو دنیا و آخرت میں بہرہ مند و خورسند فرمائے
آمین اے میرے خالق و قدوس گو تیری
نذر کرنے کے قابل میرا یہ کام اور یہ کلام
نہیں مگر تیری رحمت جو کہ واسع ہے اور
اوراق لیل و نہار پر بقلم جلی لکھی ہوئی ہے
اس کا یہی مقتضی ہے کہ اس کو بھی مقبول کرے۔
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

تفسیر جلد آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ پہلی جلد میں تین باب ہیں۔
ان ابواب کے تحت بموجب مضامین مختلف فصلیں قائم کی گئی ہیں مثلاً
باب اول، فصل اول "وجود خدا اور ثبوت انبیاء کے ثبوت میں"
فصل دوم "معجزات کے بیان میں" فصل سوم "ملائکہ کے بیان میں"
وغیرہ دوسری جلد میں سورہ فاتحہ اور پارہ آلم کی تفسیر ہے۔ تفسیر داخل

دوسری جلد سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی جلد جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے
سنہ ۱۳۰۵ ہجری میں چھپی تھی[1] اور دوسری جلد سنہ ۱۳۰۶ ہجری میں[2]۔
اس طرح دوسری جلد سے نویں جلد تک کی طباعت سنہ ۱۳۰۶ ہجری
سے سنہ ۱۳۱۳ ہجری تک ہوتی رہی ہے۔ اور آٹھویں جلد جو پارہ عم کی تفسیر
ہے سنہ ۱۳۱۸ ہجری میں چھپی[1]۔

جلد دوم میں آغاز خطبہ سے ہوا ہے۔ جس میں پہلے حمد و صلوٰۃ کی حسب
ذیل عبارت ہے:-

"الحمد لله الذي اسبغ نعمه على العباد
فارسل الانبياء الهداة الى سبيل الرشاد
بالحجج البينات والبرهان :
وآتاهم الآيات الباهرات وانزل
عليهم الصحف والقرآن : حتى محقت
دجية الضلال واشرقت الارض
بنورها وانارت الجبال ۔ فيا واجب
الوجود ويا غاية كل مقصود صل وسلم
على جميع انبياءك وعلى جملة اصفيائك
خصوصا على سيد المرسلين وتاج النبيين
الذي ترشح من لسانه ماء الحيات :

---

[1] مطبع ضیاء الاسلام دہلی [illegible]
[2] مطبع مجتبائی دہلی۔

وسالت من بيانه انهار النجات :
الذي نور الارض بعد ما ملاءت
من الظلمات : وافشا التوحيد
بعد ما عبدت المخلوقات سيد
نا ومولانا محمد خاتم فص الرسالة
نقش خاتم العدالة : الذي افحم
مصاقع الخطباء من العرب العرباء
باقصر سور القرآن واعجز بكلمة
من الكلم الحكمية حكماء الزمان :
صاحب مفاتيح الناسوت والملكوت :
ناظور ديوان الجبروت واللاهوت :
لا يدرك الواصف المطري خصائصه :
وان يك سابقا في كل ما وصف :
وعلى آله الابرار واصحابه الاخيار
الذي حركاتهم وسكناتهم وافعالهم
وكلماتهم مبان لتهذيب الاخلاق :
والذين هدوا العالم ودعوا الناس
الى دين الاسلام بالكرامات التي مثل
معجزات انبياء بني اسحاق : حتى
وضحت الطرق وانكشف المحجة
ولم يبق للمنكرين حجة ؛"

اس کے بعد تفسیر کی ضرورت اور اس کی اہمیت اردو میں بیان کی گئی ہے :-

"اما بعد حقیر فقیر ابو محمد عبد الحق بن محمد امیریہ کہتا
ہے کہ اہل اسلام کی خیر خواہی اور دین و دنیا
کی بھلائی ہر زمانہ اور ہر ملک میں جدا جدا ہے؛
کبھی زبان تلوار کا کام دیتی ہے اور جہاں کہیں دیگر
ہم تقریر سے نہیں سمجھتے [illegible] جس طرح شفقت
پدری بیٹے کو امور مصلحت پر مجبور و مقہور کرتی
ہے اسی طرح ارحمت الٰہی و عنایت غیر متناہی
بوسیلہ خاصان درگاہ سیاست سے کام لیتی
ہے جب بنی العباس کے عہد میں حکمت یونانیہ
و فلسفہ روم و رومانیہ نے اسلام پر حملہ کیا تو
علم کلام کے اعلام نے نیزوں کا کام دیا جب
صحابہ اور عرب العرباء کہ جو رموز قرآن سے
واقف تھے اٹھ چلے تو مفسرین نے مطالب
قرآنیہ کی حفاظت پر کمر ہمت باندھی۔ یہاں
تک کہ جس طرح مدرسہ اندلس میں صدہا
علوم دینویہ کا اپنے اور بیگانوں کو درس
دیا گیا اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بیشمار
علوم کو مدون کیا گیا کہ جن کا دسواں حصہ
بھی عہد آدم سے لے کر اب تک کسی قوم نے
اپنی کتاب الہامی کے لئے ایجاد نہیں کیا

اس لئے زمانہ نزول سے اب تک جس طرح
قرآن مجید محفوظ ہے کوئی کتاب نہیں۔ اور
جس طرح اسلام کا شجر طوبیٰ آخر زمین پر
ابر رحمت کی طرح پھیلتا گیا ہر ملک اور ہر شہر
کو اوسنے اپنے حیات بخش پھلوں اور پھولوں
سے بہرہ ور کیا اور اپنے ظل عاطفت سے
بہرہ یاب فرمایا تو وہیں خدا تعالے نے اہل
سیف و قلم کو اس کا حامی بنایا۔ جنھوں نے
بوم منش اور موش طبع لوگوں سے اس کو
ہر طرح سے بچایا۔ چنانچہ جب ہندوستان کو
اس آفتاب جہانتاب نے تاریکی جہالت
و بت پرستی سے چھڑایا اور اپنے قدرتی
نور سے منور فرمایا تو یہاں بھی اس کے حامی
اور مددگار پیدا کر دئے جس قدر مفسد
گر آتش فتنہ سلگاتے رہے اتنا ہی خاصان
خدا اس کو نسیم لطف اور ابر رحمت سے
بجھاتے رہے پس جس طرح آمد بہار سے
پہلے درختوں پر خزاں آتی اور باغ میں
ہوا مرمر چل جاتی ہے اسی طرح (بہار
آئندہ کے لئے) چند عرصہ سے اس
شجر اسلام پر بھی یہی خزاں کے جھونکے چل

رہے ہیں جس سے دشمن خوش اور دردمند
کف افسوس مل رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ اس کے انصار و مددگار شراب غفلت
دنیا طلبی سے بے ہوش اور مست بخواب خرگوش
ہوئے تو غیر قوموں نے میدان خالی پاکر اپنا
کام کیا۔ اس کی دولت اور اس کی شوکت
اور اس کی سلطنت و حکومت اور اس کے
علوم و فنون کا کام تمام کیا۔ تخمیناً سو برس
کے عرصے سے بڑی دھوم دھام سے ایک قوم
عیسائیوں کی تشنہ آزادی پسند دنیاوی
کاموں اور صنعتوں میں ہوشیار کا یار
خلقت میں پرستی وید اور ہندوستان میں
آئی اور اپنے ساتھ ہی صدہا جہاز اور
آلکوحل اور شراب خوری و زنا وغیرہ
کے لائی۔ اول قومی ہی مسلمانوں کی
حالت خراب تھی اور اس پر اس آزادی اور
الحاد کی بر اندازی نے تو وہ آفت دکھائی کہ۔

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

جس سے غفلت اور بابی خواہی اور بے دینی نے
ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی ترقیوں

سے محروم کردیا اور غیر قوموں کا دل خوش
کرنے کو ایک قوم نے تو وہ طرز اختیار کیا کہ
گویا اہل یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا۔
جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی ہیں
اور درحقیقت سخت ملحد، نہ خدا کے قائل
نہ ملائکہ و حشر و نشر ثواب و عذاب و
حلال و حرام، ظاہر و نجس کے معتقد کون
ایک ریفارمر (نیچر) الہام اور کلام ملائکہ
کیا مجنونوں کی فیانی بڑا ہی طرح یہ لوگ
نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبریل اور
خرق عادت انبیاء علیہم السلام کے
معجزات نظام جنت اور جہنم کے وہ معتوبات
کہ جو منصوص قرآن سے ثابت ہیں ان
سب باتوں کے منکر اور حلال و حرام و
طہارت و نجاست وغیرہ جملہ احکام
اسلام سے نافرمان ہیں اس پر تمام کے
مسلمان پھر ان کفریات اور بیہودیوں
اور ملحدان یورپ کے معتقدات کا نام
تحقیق اور ترقی اسلام رکھ کر عہدہ
دولت مندوں آزادی پسندوں کو
تفسیر کے پیرایہ میں ملحد و گمراہ بلکہ حقیقی اسلام

کا یہ خواہ جا دیا، حیف، صدہا کو روحانی زہر
کا پیالہ پلا دیا لہٰذا اس فقیر کو بھی غیرت
ایمانی اور اہل اسلام کو نفع رسانی نے
مجبور اور الہام الٰہی نے مجھ بے لیاقت کو
اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔ اے
الٰہ العٰلمین تو قادر مطلق اور تیرا کلام مقدس
اور تیرے سب انبیاء برحق ہیں۔ تیرے
وعدہ میں کوئی شک و شبہ نہیں مجھ کو
وہ بات اس کتاب میں تلقین فرما کر
جو تیرے نزدیک حق اور بیج ہو اور لغزش
و خطا سے بچا۔ انک علی کل شیٔ
قدیر و بالاجابۃ جدیر انت
حسبی و نعم الوکیل۔"

اس خطبے کی طول طویل عبارت میں نہ صرف یہ کہ تفسیر کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ اس زمانے کے عام مسلمانوں کے اعتقادات میں بگاڑ کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ اور نیز اسلامیات و مذہبیات کے متعلق اس دور میں جس چیز کا نام تحقیق تھا اور جس بات کو ترقیٔ اسلام سمجھا جاتا تھا ان سب امور کے متعلق معلومات درج ہیں۔ علاوہ بریں یہ خطبہ مفسر کی آزاد طبع تحریر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ فاضل مفسر نے جہاں شجر اسلام کا تذکرہ کیا ہے وہاں صنعت مراعاۃ النظیر اس (مفسر) کی اختراع مرصع کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ عبارت میں

سجع و قافیہ کی بھی رعایت ہے مگر اس سے روانی میں کوئی فرق آنے نہیں پایا۔ موقع محل سے محاورے بھی ملتے ہیں، تشبیہ اور استعارے سے بھی عبارت میں دلآویزی پیدا ہو گئی ہے خوبی تو یہ ہے کہ ان سب میں بیساختگی ہے۔

ذیل میں ترجمے کے نمونے کے لئے سورہ فاتحہ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحمت کرنے والا ہے
الحمد للہ رب العٰلمین
سب طرح کی خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو کل مخلوقات کا پرورش کرنے والا ہے
الرحمٰن الرحیم
جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا
مالک یوم الدین
حشر کے دن کا مالک
ایاک نعبد و ایاک نستعین
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں۔
اھدنا الصراط المستقیم
ہم کو سیدھے راستے پر چلا
صراط الذین انعمت علیھم
ان لوگوں کے راستہ پر چلا کہ جن پر تو نے بخشش کی (انبیاء)
غیر المغضوب
نہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو خفا ہوا۔

ولا الضآلین

(اور نہ ان کی راہ پر کہ جو گمراہ ہیں (کفار و مشرکین)

سادہ زبان میں درست سلیس اور رواں ترجمہ کیا ہے۔ الفاظ کے
انتخاب میں موزونیت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ صراط الذین انعمت
علیہم کے ترجمے "ان لوگوں کے رستہ پر چلا جن پر تو نے بخشش کی" کے
بعد حاشیہ میں لفظ "انبیاء" لکھا ہے جس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ فضل
و بخشش صرف انبیاء کی حد تک محدود ہوگی لیکن آگے تفسیر میں اس کی وضاحت
مدلل تاویل کی گئی ہے جو ذیل میں نقل ہے۔

"واضح ہو کہ جن کو خدا تعالیٰ نے اخروی نعمتیں
عطا فرمائی ہیں وہ چار گروہ ہیں جیسا کہ خود ایک
جگہ فرماتا ہے ومن یطع الرسول فاولئک
مع الذین انعم اللہ علیہم من
النبیین و الصدیقین والشہداء
والصالحین وحسن اولئک رفیقا
کہ جس نے رسول کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں
کے ساتھ رہے گا کہ جن پر خدا نے انعام کیا
اور وہ انبیاء و صدیقین اور شہداء اور
صالحین ہیں اور یہ اچھے رفیق ہیں۔ آپ کو
یہ تو معلوم ہوگا کہ عالم غیب سے یہ صراط مستقیم
اول انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور
پھر ان کا پرتو صدیقین پر پڑتا ہے اور ان کا

شہیدوں پر اور ان کا صالحین پر"

مزید تفسیر تقریباً تین صفحوں تک جاری رکھی گئی ہے اس فقرہ پر کہ "حضرت
کی امت میں قیامت تک صدیق اور شہید اور صالح پیدا ہوتے رہیں گے"
اس کو ختم کیا گیا ہے۔ اسی طرح "غضب" اور "ضلالت" کی تعریف اور
تشریح بڑی تفصیل سے کرتے ہوئے بندوں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ مومن
کافر اور منافق۔ آخر میں لکھا ہے کہ "منافق کو بلفظ المغضوب علیہم
تعبیر کیا ہے۔ اور کفار کو بلفظ الضالین تعبیر کیا خواہ یہود ہوں خواہ
نصاریٰ"۔

یہاں اس امر کا اظہار بے جا نہ ہوگا کہ جلد اول کی اشاعت کے سال
(سنہ ۱۳۰۵ ہجری) ہی میں تفسیر حقانی کے خلاف آواز بلند ہوئی۔ رسالہ
"تیغ کج" کے ذریعے مولوی محمد صالح نے اور مولوی محمد صادق نے
"جواب تفسیر حقانی" میں کچھ اعتراضات کئے تھے۔ "ریویو تفسیر حقانی"
مولوی سید محمد نصرت علی مالک مطبع نصرت المطابع دہلی نے شائع کیا۔
ان سب میں تقریباً ایک سے اعتراضات ہیں۔ اس سلسلے میں ان میں
مختلف مولویوں کے خطوط بھی شائع کئے گئے تھے۔ مختصر یہ کہ ایک خاص گروہ
کی طرف سے اس تفسیر کی خوب مخالفت کی گئی۔ بظاہر اس مخالفت کی وجہ
یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولوی عبدالحق نے اپنی تفسیر کا جواب لکھنے والے کسی
بھی صاحب کو ایک لاکھ روپے انعام دینے کا وعدہ تفسیر کی پہلی جلد میں کیا تھا۔
نیز مولوی عبدالحق نے کچھ اور بھی باتیں ایسی لکھی تھیں جن پر اعتراضات وارد
ہوئے۔ ریویو تفسیر حقانی سے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں جن میں مفسر کے
دعوی کے حوالے سے اعتراضات کئے گئے ہیں مثلاً "اور یہ بھی لکھا

ہے کہ الہام الٰہی نے اس تفسیر کے لکھنے پر مجھے مامور کیا ہے"۔ اور یہ بھی
لکھا کہ اگر افلاطون اور ارسطو ہوتے تو میرے ہاتھ چوم لیتے پھر یہ کہ اولیاء
میں اپنا شمار کیا ہے پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ و مجوس و ہنود
و نیچریوں اور یورپ کے فلاسفروں وغیرہ سب کا رد کر دیا ہے۔[1]" اس
قسم کی باتیں معترضین کو بڑے چوٹے دعوے معلوم ہوئے۔ خصوصاً ان
افراد کو یہ بہت ناپسند ہوئیں جن کی طرف فاضل مفسر نے تفسیر حقانی حصہ
دوم کے خطبے میں اشارہ کیا ہے کہ یہ نیچری اور پادریوں کے پیچھے ہیں بعض معترضین
کی تحریر سے مخاصمت کی بو آتی ہے۔ کسی نے تو رسالہ "ابطال الاعلان"
میں لکھ دیا کہ "مفسر تفسیر حقانی جو عبدالحق اور اس کے بعد ابو محمد عبدالحق بنا
ہے دراصل مسمی غفور ولد گولا بیرا۔ نومسلم ـــ باشندہ گھگھل۔ ساکن
پیشہ ـــ قوم رانگھڑ ہے"۔ بالفرض کوئی ایسا ہو بھی تو کیا اسے
قرآن اور اسلام کی خدمت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ایسے ہمارے لئے
تو ایسی بات باعث فخر بن جاتی ہے۔ ویسے غلطی کس سے نہیں ہوتی۔
تصحیح تو ایک اعتراف ہے۔ چنانچہ مخالفین کے رسالوں میں تفسیر کے
متعلق سے جو باتیں قابل اعتراض بتائی گئیں بعض بار دوم کے مطبوعہ نسخہ
میں غالباً محذوف کر دی گئی ہیں۔ "الہام" والا جملہ تو خطبہ میں موجود ہے
اور خطبہ سارے کا سارا پہلے اوراق میں درج ہے۔ کوئی قابل اعتراض
بات معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر مفسر نے
تصحیح کر لی یا الفاظ بدل دیے ہیں۔ چنانچہ رسالہ "بینج گنج" میں ایک امر

[1] ریویو تفسیر حقانی۔

غلطی یہ بتائی گئی ہے کہ مفسر نے ایک جگہ یوں لکھا ہے کہ "جبرئیل علیہ السلام
کو آنحضرت علیہ السلام نے افق کے کناروں پر دیکھا الخ" اس پر معترض
نے یہ فقرہ کس دیا ہے "افق کے کناروں پر قابل داد ہے"۔ تفسیر کے بار
دوم کے مطبوعہ نسخہ میں یہ جملہ اس طرح لکھا پایا گیا "اور اس نے جبرئیل کو
(اس صورت اصلیہ پر) کنارہ آسمان پر دیکھا ہے۔[2]" ریویو تفسیر حقانی
میں ایک عنوان "مصنف تفسیر حقانی کی حضرت عیسیٰ سے مخالفت و قرآن
مجید کا ابطال" کے تحت معترض نے لکھا ہے:۔

"اور جب پیغمبر اولوالعزم یعنی حضرت عیسیٰ کے قرآن
مجید میں یہ فضائل مرقوم ہیں وآتینا عیسی
ابن مریم البینات وایدناہ بروح
القدس (سورہ بقرہ) تو اسی تفسیر حقانی کی جلد
اصفحہ ۹۲ میں زنا کا ارتکاب کیا ہے نعوذ باللہ یہ
قرآن کی عزت اور انبیاء علیہم السلام کی عظمت
بھی گئی۔"

تفسیر حقانی جلد اول بار دوم کی طباعت کے نسخے میں صفحہ ۹۲ کی عبارت
سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں
کے خیالات بیان کئے ہیں۔ اور آخر میں "یوحنا۔ ا باب" کا حوالہ بھی
دیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"تم (عیسائیوں) کو البتہ یہود سے مخالفت اور

[2] تفسیر حقانی جلد اول ص ۱،۲۲۔

تعجب ہو تو بجا ہے کیونکہ وہ لوگ حضرت
مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے
کو بری بات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
ان کی کسی کتاب آسمانی میں نہ کوئی بشارت
ہے نہ کوئی جز ان کے مرید شخص بے لاگ عہد
عتیق کی آیات کو کھینچ کھانچ کر لاتے ہیں حالانکہ
ملک نہیں ملتی نہ ان کے پاس کوئی معجزہ تھا نہ
کوئی کرامت گھر سے آوارگی میں بھاگ کر
مصر چلے گئے وہاں بعض کاہنوں سے چند ادویہ
تجربہ اور چند نقوش و عمل وید و جن کے عجب
سیکھ آئے تھے اور یروشلم میں آکر اپنے
کرتب دکھا کر نبی بنا بلکہ خدا کا بیٹا بن بیٹھے۔
بہت سے احمق ان کے شعبدوں میں آگئے
بہت کو سلطنت کا لالچ دیا اور چال چلن کے
بھی اچھے نہ تھے چند عورتیں ساتھ رہا کرتی تھیں
پہلے انبیاء کو چور اور بٹ مار کہتے تھے (دیکھا
باب)۔"

مقالہ نگار کو پارہ اول کا مجلد تفسیر حقانی دستیاب نہ ہو سکی جس کی
وجہ سے پہلے اور دوسرے ایڈیشنوں کا مقابلہ نہ کیا جا سکا۔ ہو سکتا ہے کہ
پہلے ایڈیشن کے نسخے میں معترض "یوحنا . . باب" کا حوالہ دینے نہ پائے
ہوں دوسرے اعتراضات کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق

معترض نے دوسرے ایڈیشن کے نسخے کے آخر میں "اطلاع" کے عنوان کے
تحت تالیفی کے جواب کے لیے چند اصول اور شرائط پیش کیے ہیں اور لکھا
ہے کہ:

"اگر ان شرائط سے جواب ہوگا تو مجیب لائق
خطاب نہ ہوگا چونکہ:

آوارہ جہاں ہوں میرے پاس زر کہاں
میں مرد کا ر نت ہوں مجھ میں شر کہاں
انعام میں مجیب کو لاکھ روپے نہیں دے سکتا لیکن
مجیب لاکھ روپے کا اشتہار تصور فرما کر قلم اٹھائے
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا تغلوا
لا ابالی۔"

فاضل معترض نے کتاب کے ۲۴ ورق "اعلان لابطال الادیان" کے عنوان کے
تحت ابو المنصور صاحب محمد صادق صاحب و محمد صالح صاحب وغیرہ مخالفین
کے عقائد کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا ہے۔

مولوی عبدالحق نے ترجمہ و تفسیر دونوں میں بڑی دقت نظر کا ثبوت
دیا ہے۔ ان کی زبان بہت شستہ و رفتہ ہے اور بہت بے تکلف لکھتے چلے
جاتے ہیں۔ ان کے اسلوب بیان میں جگہ جگہ واعظیت کی جھلک بھی آگئی
ہے۔ اس سے ادبیت تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن علمی عبارت میں جو جزم و
احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اور جو اسلوب سے زور دار اظہار کو
نقصان پہنچتا ہے۔ اسلوب کی اس خامی کوتاہی کے باوجود معترض کی قدرت
بیان قابل تعریف ہے۔ اس علمی کارنامے کا تعلق اس زمانے سے ہے

جبکہ سر سید کے ہاتھوں جدید اردو نثر کا آغاز ہوا تھا۔ خود سر سید نے بھی
تفسیر قلمبند کی ہے لیکن ان دونوں تفاسیر کے تقابلی مطالعے سے اندازہ
ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے کیا بجا کہا زبان اور بیان اور انداز و اسلوب
سر سید کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ سر سید خود صاحب طرز نثر نگار تھے
اور جدید اردو نثر کا آغاز اس کا مرہون منت ہے۔

۴۔ ترجمۃ القرآن

از

ڈپٹی نذیر احمد

(۱۸۳۱ء - ۱۹۱۲ء)

ڈپٹی نذیر احمد کو دنیائے ادب میں اردو ناول نگار کی حیثیت سے
شہرت حاصل ہے۔ یہ کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ ساتھ سریع التصانیف
بھی تھے۔ ڈپٹی صاحب نے مختلف علوم و فنون پر قلم اٹھایا متعدد ناول لکھے
اخلاق و مذہب اور قواعد پر تصانیف یادگار چھوڑیں۔ تراجم کئے۔ ان
کا تعلق ایک ذی علم گھرانے سے تھا۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں ضلع بجنور کے موضع
ریڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی صاحب
سے حاصل کی۔ مولوی نصر اللہ ڈپٹی کلکٹر سے بھی پڑھا۔ مولوی عبدالخالق
پروفیسر دلی کالج سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا بالآخر انھیں کی پوتی سے عقد کیا
دلی کالج میں عربی فلسفہ اور ریاضی کی تکمیل کی۔ آدمی ذہین تھے دوران ملازمت
الہ آباد میں تھوڑی بہت انگریزی بھی سیکھ لی۔ دل میں قوم کا درد تھا معاشرے
کی اصلاح چاہتے تھے لیکن جانتے تھے کہ پند و نصائح کا راست طریقہ اصلاح
کے لیے موثر نہیں ہو سکتا۔ ایک ماہر نفسیات کی طرح اپنے مقصد کے
لئے قصے کہانیوں کو ذریعہ بنایا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے مراۃ العروس

بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت، محصنات، ایاما وغیرہ ناول لکھے۔ مولوی صاحب نے اپنے مقصد کے لئے اس کام کو کافی نہ سمجھا۔ مذہب واخلاق سے متعلق بھی کتابیں لکھیں۔ مثلاً امہات الامۃ، الحقوق والفرائض، موعظۂ حسنہ، اور حمایۃ القرآن وغیرہ۔ بے دینی روز افزوں تھی۔ مسلمانوں اور عیسائی پیشواؤں میں مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ بعضوں نے تو اسلام سے منحرف ہو کر عیسائیت اختیار کر لی۔ مولوی نذیر احمد جانتے تھے کہ یہ خرابی مسلمانوں سے قرآن چھوٹنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ویسے تو سید احمد خاں بھی موجود رہتے مگر ان کی عمر کا آخری دور تھا۔ علی گڑھ کالج کی خدمت میں مصروف تھے۔ ان کی تفسیر موجود تھی مگر علمائے ان کی "تفسیر القرآن" کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی تھی۔ اس لئے ان کی تفسیر مقبول ہونے نہ پائی۔ دوسرے ترجمے پرانی اردو میں تھے۔ تحت اللفظ ترجمے عوام کے پسند خاطر نہ تھے۔ اس لئے بھی کہ تفہیم القرآن میں دقت ہوتی تھی۔

مولوی نذیر احمد نے ہمت کی اور قرآن شریف کا آسان اور بامحاورہ زبان میں کر ہی دیا۔ اور اس طرح وقت کے تقاضے کو پورا کیا۔ قرآن مجید کا اردو ترجمہ[۵۶] مولوی نذیر احمد کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔

---

۵۶ ڈپٹی صاحب کا یہ ترجمہ مع اپنے حواشی کے پہلی مرتبہ غالباً سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں اور دوسری مرتبہ سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں مطبع انصاری دہلی میں کتابت وطباعت کے اعلیٰ محاسن کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ "مختصر قرآن پاک کے اردو تراجم" از مولوی سید محبوب رضوی رسالہ دار العلوم بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء۔

ترجمۃ القرآن کے ساتھ انھوں نے ایک مبسوط دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں ترجمے کی ضرورت اور اپنے ترجمے کی اہمیت بیان کی ہے۔ یہ ترجمہ نہایت سلیس رواں اور دیبانہ ہے مگر پھر بھی عیوب سے خالی نہیں ہے۔ جا بجا مشکل اور غریب الفاظ مثلاً تو تومیں، بھنڈ، ابردار، چکوہ وغیرہ کا استعمال کسی فرہنگ یا استاد کا محتاج بنا دیا ہے۔ یہ ترجمہ اس شان کا تو نہیں ہے کہ اس کا ہر لفظ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کی طرح بیٹھا ہو۔ اس میں بے ضرورت الفاظ بھی پائے جاتے ہیں اور بے ضرورت الفاظ کی افزونی کی قرآن اجازت نہیں دیتا۔ مثلاً "لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ"[۵۷] کا ترجمہ کیا گیا ہے:-

"ہاں وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے
پرہیزگاری پر رکھی گئی اس کا البتہ حق ہے
کہ تم اس میں کھڑے ہو کر (امامت کیا کرو)"

متن میں تو "امامت کرنے" کا مفہوم نہیں ہے اور نہ قیام سے مراد امامت ہے۔ اس لئے "ان تقوم فیہ" کا ترجمہ "تم اس میں کھڑے ہوا کر نماز پڑھا کرو" کیا جاتا تو مضائقہ نہ تھا ویسے موزوں ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "تم اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہو"۔

سورہ یوسف میں "انا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عند متاعنا" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

"ہم تو جا کر (ایک طرح کی) کبڈی کھیلنے لگے اور

---

۵۷ سورہ توبہ رکوع ۱۳۔

یوسف کو ہم نے اپنے اسباب پاس چھوڑ دیا۔"

اور حاشیے میں اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے:۔

"نستبق نکلا ہے استباق سے جس کے لغوی
معنی ہیں کئی آدمیوں کا اس طرح پر دوڑنا کہ
دیکھیں کون آگے نکلے۔ چونکہ ایک طرح
کا استباق کبڈی میں بھی ہوتا ہے اس لئے
ہم نے اپنے محاورے کے مطابق کبڈی
ترجمہ کر دیا ہے۔"

متن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کو ایک جگہ بٹھا کر سب بھائی دوڑیں لگ گئے کہ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ چنانچہ استباق کے اسی مفہوم کو حاشیے کی عبارت میں پیش کیا گیا ہے کہ "کئی آدمیوں کا اس طرح پر دوڑنا کہ دیکھیں کون آگے نکلے"۔ اس طرح دوڑتے دوڑتے سب بھائی حضرت یوسف سے دور نکل جاتے ہیں تو گویا بھیڑیا آ کر پھاڑ کھاتا ہے۔ مگر کبڈی کھیل کی نوعیت ایسی نہیں ہوتی۔ یہ ہندوستان کا مشہور کھیل ہے یہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے اور دونوں طرف کے کھلاڑی اپنے درمیان کھینچی گئی لکیر کے پاس رہتے ہیں۔ دوڑ کر اتنی دور نکل جانے کا اس میں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا کہ برادران یوسف نظروں سے اوجھل ہو جائیں یا اتنی دور ہو جائیں کہ بھیڑیا آ جائے تو حضرت یوسف کو نہ بچا سکیں۔ اس لئے اس کا موزوں ترجمہ "ہم سب دوڑنے میں لگ گئے" موزوں ہو سکتا ہے۔

علمائے کرام نے ترجمۃ القرآن کے بعض مقامات کے ترجمے اور حواشی کے بعض مسائل سے اختلاف کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی

نے تو "اصلاح ترجمہ دہلویہ"[۲] کے نام سے ایک رسالہ ہی لکھ دیا۔ جس میں ترجمے کی خرابیاں واضح کی ہیں۔ چنانچہ بعض الفاظ کے ترجمے صحت مفہوم کے ساتھ نہیں کئے گئے۔ مثلاً فاما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذكرون[۱] میں لفظ خلف کا ترجمہ موزوں نہیں ہے۔

ترجمہ:۔ "تو اگر تم ان کو لڑائی میں (موجود) پاؤ تو
(اپنا) ایسا ڈر ڈالو کہ جو لوگ ان کی
پشتی پر ہیں ان کو بھاگتے دیکھ کر ان کو بھی
بھاگنا ہی پڑے"۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ "پشتی ہمارے محاورے میں بمعنی مددگار مستعمل ہے اور لفظ خلف کا اس معنی میں استعمال نہیں پایا گیا گو واقع میں ان کے مددگار ہوں مگر اس سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں"[۲]۔

ڈپٹی صاحب کے ترجمے میں محاوروں کی بہتات ہے اور اس شوق محاورہ بندی میں بعض وقت اس کا خیال نہیں رکھا گیا کہ وہ سیاق متن کے حسب حال بھی ہے یا نہیں۔ يوم يرون الملائكة لا بشرى يومئذ للمجرمين ويقولون حجرا محجورا۔ (ترجمہ) "جس دن لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کو کوئی خوشی (غیب) نہ ہوگی (وہ فرشتوں کو دیکھ کر) کہیں گے کہ دور دفان"۔

---

۱ سورہ انفال رکوع ۷۔

۲ اصلاح ترجمہ دہلویہ۔

مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ[1] "لفظ درود فان وہاں بولا جاتا ہے جہاں قائل معقول لہ کو حقیر سمجھتا ہو اور یہاں تو کفار فرشتوں سے بہت گھبرا کر مجبوراً کہیں گے اس لئے باعتبار قاعدے کے اس مقام پر یہ ترجمہ صحیح نہیں اور نہ اس ترجمے کو معنی لغوی سے کوئی مناسبت ہے اس سے اچھا ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب کا ہے۔"[2]

عبارت کی روانی اور تسلسل میں بعض وقت الفاظ کی موزوں نشست کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ آیت "ما کان محمد ابا احد من رجالکم الخ" کے تحت لکھا ہے کہ:۔

"بے شک پیغمبر صاحب بہ تقاضائے بشری اس وقت بہت متردد ہوئے ہوں گے مگر آخر کار اصلاح کا پہلو غالب رہا اور آپ نے خود زینب سے نکاح کر لیا۔۔۔ الخ"

اس عبارت میں لفظ "خود" کی نشست غلط ہے۔ اس بارے میں مولانا تھانوی کا استدلال ہے کہ

"ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تردد میں خود پیغمبر صاحب نے ایک پہلو کو اپنے لئے خود اپنی رائے سے ترجیح دے کر نکاح

---

[1] اصلاح ترجمہ دہلویہ۔ ص ۳۰

[2] شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ کیا ہے: جس دن دیکھیں گے فرشتے کچھ خوشخبری نہیں اس دن گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روکی جاوے کوئی اوٹ۔

کر لیا۔ وحی کو اس میں کوئی دخل نہ تھا حالانکہ نادو جنگھا میں نص قطعی اس کے خلاف موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ آپ اپنی رائے کے خلاف حکم وحی کی تعمیل فرمائی۔"[1]

نہ جانے ڈپٹی صاحب نے "الا تکلم الناس ثلث لیال"[2] میں "لا تکلم" کو صیغہ نہی کیوں اور کس طرح سمجھ لیا جبکہ از روئے قواعد نہی مجزوم ہوتی ہے۔ اور یہاں یہ لفظ منصوب ہے۔ ترجمہ تو مضارع منفی بہ لن سے کیا ہے لیکن حاشیے میں لکھا ہے کہ:۔

"ہم نے لا تکلم کو صیغہ نہی سمجھ کر پارہ تلک الرسل ع ۲ میں ایک فائدہ لکھا ہے اس کو بھی دیکھ لینا چاہیئے۔"

بعض حاشیوں کی عبارت میں مسائل کے اعتبار سے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت "ان اللہ بما تعملون بصیر"[3] کے فائدے کے تحت حاشیے میں لکھا ہے کہ:۔

"معلوم ہوا کہ نکاح بے مہر ٹھہرائے بھی ہو جاتا ہے۔ نکاح ہونے کے پیچھے آپس میں راضی ہو کر ٹھہرا لیں گے حاکم مہر مثل ٹھہرا دے گا۔"

---

[1] سورہ مریم رکوع ۱

[2] سورہ بقرہ رکوع ۲۱

[3] اصلاح ترجمہ دہلویہ۔

مولانا اشرف علی تھانوی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مطلقاً ہر حال میں حاکم کو مہر مثل ٹھیرانے کا
اختیار ہونا جیسا حاشیہ مذکور کی عبارت
سے معلوم ہوتا ہے دلیل شرعی کا محتاج ہے
اور بلا دلیل احکام شرعیہ دست اندازی
ہے خود آیت میں منصوص ہے کہ اگر مہر نہ
ٹھیرانے کی صورت میں مس نہ ہوا تو صرف
متع کا حکم ہے مہر مثل واجب نہیں"۔[1]

ترجمے کی یہ اور اس قسم کی اور بھی کمزوریوں کے باوجود بعض مقامات پر ڈپٹی صاحب نے ترجمے میں ایسا محتاط مفہوم ادا کیا ہے۔ جو دوسروں سے بن نہ پڑ سکا تھا۔ مثلاً :۔

آیت:۔ ولا تطع الکٰفرین والمنٰفقین ودع اذٰىهم وتوکل علی اللّٰہ وکفٰی باللّٰہ وکیلا"[2]

ترجمہ:۔ اور (اے پیغمبر) کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانو اور ان کی ایذا دہی کی (کچھ) پروا نہ کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور
خدا کارساز بس ہے"۔

ڈپٹی صاحب سے پہلے شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اسی آیت کے جزو "ودع اذٰىهم" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

---

[1] اصلاح ترجمۂ دہلویہ
[2] سورۃ الاحزاب پ ۲۲ رکوع ۶۔

شاہ عبدالقادر: "چھوڑ دے ان کو ستانا"
شاہ رفیع الدین: "چھوڑ دے ایذا دینا ان کا"۔

ڈپٹی صاحب کے بعد کے زمانے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اس طرح ترجمہ کیا ہے:۔

"چھوڑ دے ان کا ستانا"۔

سورہ فتح کی جزو آیت "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق" کا جو ترجمہ شاہ عبدالقادر اور ڈپٹی نذیر احمد دونوں نے کیا ہے وہ ذیل میں پیش ہے۔

شاہ عبدالقادر:۔ "وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ پر اور سچے دین پر ... "

ڈپٹی نذیر احمد:۔ "وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
ہے ..."

آخر میں ڈپٹی نذیر احمد کی باقاعدہ مسلسل عبارت کے نمونے کے لئے سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

"ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا الخ"

"اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں
یا چوک جائیں تو ہم کو (اس کے وبال میں)
نہ پکڑ اور اے ہمارے پروردگار جو لوگ
ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں جس طرح ان پر
تو نے (ان کے گناہوں کی پاداش میں احکام سخت کا)

بار ڈالا تھا ویسا بار ہم پر نہ ڈال۔
اور اے ہمارے پروردگار اتنا بوجھ جس
(کے اٹھانے) کی ہم کو طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا
اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر اور ہمارے
گناہوں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا (حامی و)
مددگار ہے، تو ان لوگوں کے مقابلے میں جو کافر
ہیں ہماری مدد کر۔"

ڈپٹی نذیر احمد کی آزاد طبع تحریر کی ممتاز خصوصیت اس کی بے تکلفی اور بے ساختہ پن ہے اور یہ ان کا کمال ہے کہ اس خصوصیت کو ترجمہ میں بھی باقی رکھنے کی کوشش کی ہے اگرچہ ایسا کرنے میں کہیں کہیں ان کے قلم سے متانت اور سنجیدگی کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے مزاج میں لطیف ظرافت کا بھی رنگ ہے۔ ڈپٹی صاحب نے مختلف عنوانات پر کتابیں لکھی ہیں۔ عربی اور فارسی کے الفاظ بکثرت استعمال کئے ہیں۔ کہیں کہیں مروجہ انگریزی الفاظ بھی لکھ گئے ہیں۔ محاوروں اور کہاوتوں کا انھیں اتنا شوق تھا کہ ان کی کثرت، حسن کی بجائے عیب بن گئی ہے۔ محاورہ بندی کا یہ شوق ان کے ترجمے میں بھی کارفرما ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے ترجمے میں کہیں کہیں نقص پیدا ہو گیا ہے۔ مختلف مصنفوں نے ان کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کوتاہیوں کو نمایاں کیا ہے۔

۷۸۶
۴۹۲

تفسیر بیان القرآن

(۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۵ھ)

مولوی اشرف علی تھانوی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ دنیائے علم و دین میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ ان کی اکثر و بیشتر تصانیف سے مذہب کا رنگ نمایاں ہے۔ تفہیم کا انداز بڑا اچھا ہے۔ سادہ با محاورہ زبان میں مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ عبارت مربوط اور تحریر رواں ہوتی ہے جس کی وجہ سے بات مخاطب کے بہت جلد ذہن نشیں ہو جاتی ہے۔ بہشتی زیور کی حسبِ ذیل عبارت سے اس کا اندازہ ہو گا۔

"تبرکات کی زیارت کے وقت اکٹھا ہونا کہیں کہیں
جبہ شریف یا موئے شریف پیغمبر صلی اللہ علیہ و
سلم یا کسی اور بزرگ کا مشہور ہے اس کی زیارت
کے لئے یا تو اسی جگہ جمع ہوتے ہیں یا ان لوگوں
کو گھروں میں بلا کر زیارت کرتے ہیں اور زیارت
کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اول تو
ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں اور اگر سند
بھی ہو تب بھی جمع ہونے میں بہت خرابیاں ہیں

بعض خرابیاں وہاں بیان کر دی ہیں جہاں
شادی میں عورتوں کے جمع ہونے کا ذکر
لکھا ہے پھر شور و غل اور بے پردگی اور
کہیں کہیں زیارت والوں کا گانا جس کو سب
عورتیں سنتی ہیں یہ سب ہر شخص جانتا ہے
کہ بری باتیں ہیں ہاں اگر اکیلے میں زیارت
کرے اور زیارت کے وقت کوئی خلاف
شرع بات نہ کرے تو درست ہے اور
رسموں کا پورا حال اصلاح الرسوم ایک
کتاب ہے اس میں لکھا ہے ہم اس جگہ
صرف تم کو ایک گر بتلائے دیتے ہیں اس
کا خیال رکھو گی تو سب رسموں کا حال معلوم
ہو جائے گا اور کبھی دھوکا نہ ہوگا وہ گر یہ
ہے کہ جس بات کو شرع نے ناجائز کہا ہو
اس کو جائز سمجھنا گناہ ہے اور جس کو جائز
بتلایا ہو مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری
سمجھ کر پابندی کرنا یا نام کمانے کو کرنا یہ
بھی گناہ ہے اسی طرح جس کام کو شرع
نے ثواب نہیں بتلایا اس کو ثواب سمجھنا
گناہ ہے اور جس کو ثواب نہ بتلایا ہو
مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری سمجھنا

گناہ ہے اور جو ضروری نہ سمجھے مگر ملامت کے
طعن کے خوف سے اس کے چھوڑنے کو برا
سمجھے یہ بھی گناہ ہے اسی طرح کسی چیز کو منحوس
جاننا گناہ ہے اسی طرح بدون شرع کی سند
کے کوئی بات تراشنا اور اس کا یقین کر لینا
گناہ ہے اسی طرح خدا کے سوا کسی سے دعا
مانگنا یا اس کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا
یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب
سے بچاویں۔"

قرآن مجید کی تفسیر بھی صاحب موصوف کے عقائد کی توسیع و اشاعت
کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس تفسیر کا نام "تفسیر بیان القرآن" رکھا ہے۔
اس کے خطبے میں فاضل مفسر نے تفسیر لکھنے کی غرض و غایت نہایت واضح
الفاظ میں یوں بیان کی ہے کہ:۔

"بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے
نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے
شائع کرنے شروع کر دیئے جن میں
بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیئے
جس سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہونچی
ہر چند کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان
کے مفاسد پر اطلاع دے کر ان مضرتوں
کا روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ

کثرت سے ترجمہ بینی کا مذاق پھیل گیا ہے وہ
رسالے اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی ثابت
نہ ہوئے تاوقتیکہ ابنائے زمانہ کو کوئی ترجمہ بھی
نہ بتلایا جاوے جس میں مشغول ہو کر ان تمام
تراجم مبتدعہ مخترعہ سے بے التفات ہو جاویں۔"

ویسے تو شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے تراجم و تفاسیر قرآن مجید موجود تھے مگر تھانوی صاحب کے خیال میں وہ اس دور کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکتے تھے۔ عوام کے عربی و فارسی سے دور ہونے کی وجہ سے وہ تفاسیر و تراجم ان کے لئے چیستاں بن گئے۔ دقتاً فوقتاً اردو زبان کی ترقی سے عوام کو اردو تراجم میں بھی دلچسپی نہ رہی تھی چنانچہ خطبے میں لکھا ہے:۔

"ہر چند کہ تراجم و تفاسیر محققین سابقین
کے بالخصوص خاندان عزیزیہ کے ہر طرح
کافی و وافی ہیں مگر ناظرین کی حالت و طبیعت
کو کیا کیا جاوے کہ بعض تفاسیر میں عربی یا
فارسی نہ جاننے کی مجبوری بعض تراجم میں
اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر مانع
دلچسپی ہوا۔"

اس لئے مولوی صاحب موصوف نے عزم کیا کہ:۔

"ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جاوے جس
کی زبان و بیان و تقریر مضامین میں ان کے
مذاق و ضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ

رہے اور ساتھ ہی اس کے کوئی ضروری
مضمون خواہ جزو قرآن ہو یا اس کے متعلق
ہو رہ نہ جاوے۔" (خطبہ)

عربی، فارسی اور اردو میں بہت سارے ترجموں اور تفسیروں کے باوجود ایک نئے ترجمے و تفسیر کی ضرورت کے تعلق سے خطبے میں ایک بڑا اہم بات یہ بھی بتائی گئی ہے کہ مولوی صاحب کم سے کم ایسی زبان میں ترجمہ کرنا چاہتے ہیں جس کو ہندوستان کے تقریباً تمام حصوں میں سمجھا جا سکتا ہو۔ اس غرض کے لئے انھوں نے کتابی زبان اختیار کی کہ جس میں فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی ہے۔ تفسیر میں جن امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے خطبے میں ان کو اختصار کے ساتھ بایں الفاظ درج کیا گیا ہے:۔

"اول قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے
جس میں قابل فہم ہونے کے ساتھ تحت لفظی
کی بھی رعایت ہے۔ دوم ترجمے میں خالص
محاورات استعمال نہیں کئے گئے دو وجہ
سے اول تو میں قصباتی ہوں محاورات پر
عبور نہیں۔ دوسرے یہ کہ محاورے ہر مقام
کے جدا جدا ہوتے ہیں اگر دہلی کے محاورات
لئے جاتے اہل لکھنؤ نہ سمجھتے یہاں کے محاورات
وہاں نہ سمجھتے ان دونوں کے محاورے حیدرآباد
اور مدراس والے نہ سمجھتے غرض ایسے محاورات
عام فہم نہیں ہوتے اور اردو ترجمہ کم از کم ایسا ہو

کہ قریب قریب ہندوستان کے سب حصے
تو اس کو سمجھ جاویں اس لئے کتابی زبان ای
ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں بلاغت
بھی ہے۔ سوم نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون
کو بہت ضروری دیکھا کہ اس پر توضیح ترجمہ کی
موقوف ہے یا کوئی شبہ خود قرآن کے
مضمون سے ظاہراً پیدا ہوتا تھا اس کا جواب
یا مضمون قرآنی کسی مشہور تحقیقات کے خلاف
معلوم ہوتا تھا اس کی تحقیق یا اسی قسم کی کوئی
ضروری بات ہوئی اس کو ف بنا کر بڑھا دیا
باقی لطائف و نکات یا طویل عریض حکایات
یا فضائل یا بہت سے مسائل وغیرہا سے تفسیر کو
طویل نہیں کیا گیا غرض یہ کہ مضامین کا جمع کرنا
مقصود نہیں بلکہ محض قرآن و رفع ضرورت لیکن
باوجود اتنی رعایت کے بھی غیر علماء و طلبہ کے لئے
بہت سے مقامات میں علماء سے استغناء نہیں
ہو سکتا لہٰذا مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے
حضرات اپنے مطالعہ و فہم پر اعتماد نہ فرماویں
بلکہ حسب ضرورت علماء یا منتہی طلبہ سے اس کو سبقاً
سبقاً سمجھ کر پڑھ لیں ورنہ اقل درجہ اتنا تو ضرور
ہے کہ مطالعہ کے وقت جہاں ذرہ برابر بھی اشتباہ

رہے وہاں خود غور کرکے نہ نکالیں بلکہ
پنسل سے نشان کرکے علماء سے وہ عبارت
دکھلا کر حل کریں اور بدون اس کے احتمال
بلکہ یقین غلط فہمی کا ہے۔ چہارم جس آیت کی
تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں ان
میں سے جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس
کو لے لیا بقیہ سے تعرض نہیں کیا۔ پنجم مطلب
قرآنی کی تقریر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ
مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جاوے اور
کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی
تقریر کر دی گئی ہے۔ ششم اختلافیات کی
تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا گیا ہے اور
دوسرے مذاہب بشرط ضرورت حاشیہ
میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ ہفتم چونکہ نفع عوام
کے ساتھ افادہ خواص کا بھی خیال آ گیا اس
لئے ان کے فائدہ کے واسطے ایک حاشیہ
بڑھا دیا ہے جس میں مکیت و مدنیت سور و آیات
وغیرہ مشہور لغات و ضروری وجوہ بلاغت
و متعلق ترکیب و خفی الاستنباط فقہیات و
کلامیات و اسباب نزول و روایات و
اختلاف قرآت مغیرہ ترکیب یا حکم و توجیہ

ترجمہ و تفسیر ایک ادب کے ساتھ مذکور ہیں
جس کو متوسط درجہ کا طالب علم بے تکلف
سمجھ سکتا ہے.... "

آغاز تفسیر کا سنہ خطبے کی عبارت میں ۱۳۲۰ ہجری لکھا ہے۔ درمیان میں کچھ وقفہ ہو گیا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ:

"آخر بنام خدا محض توکلاً علی اللہ پھر اس
اطمینان پر کہ اگر میں کسی قابل نہیں ہوں
تو کیا ہوا بزرگان عصر اصلاح فرما کر اس
کو دیکھنے کے قابل کر دیں گے آخر
ربیع الاول سنہ ۱۳۲۰ھ میں اس کو
شروع کرتا ہوں (عہ پھر اول کا ربع
پارہ لکھنے کے بعد اتفاقات وقت سے
درمیان میں توقف مدید واقع ہو کر دوبارہ
وسط محرم سنہ ۱۳۲۳ھ سے سلسلہ تحریر
شروع ہوا وباللہ التوفیق) اور اللہ تعالیٰ
سے امید تمام اور توقع انعام رکھتا ہوں۔"

"بیان القرآن ہو احسن تفسیر" سے سنہ اختتام تفسیر ۱۳۲۵ھ نکالا گیا ہے۔ یہ سنہ حافظ عبدالغنی صاحب بولھانی نے نکالا ہے۔ منشی رشید احمد صاحب نے فصلی سنہ ۱۳۱۲ "بسم اللہ العلی العظیم" سے استخراج کیا ہے۔ اس لحاظ سے مولوی سید محبوب رضوی کا جایا ہوا سنہ تفسیر ۱۳۲۲ ہجری کا صحیح نہیں معلوم ہوتا[1]۔ یہ تفسیر بارہ جلدوں میں مطبع مجتبائی دہلی

---

[1] رسالہ دارالعلوم بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء ص ۱۸۔

میں سنہ ۱۳۲۶ ہجری میں چھپی ہے[1]۔

بطور نمونہ سورہ فاتحہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

الحمد للہ رب العلمین
سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے

الرحمن الرحیم
جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

ملک یوم الدین
جو مالک ہیں روز جزا کے

ایاک نعبد وایاک نستعین
ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم
بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا

صراط الذین انعمت علیھم
رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے

---

[1] رسالہ دارالعلوم بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء ص ۲۱۔

غیرالمغضوب علیہم
نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا
والضآلین
اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے ترجمے میں قرآنی الفاظ ہی سے اسم فاعل اور فعل بنائے ہیں مثلاً رب سے مربی، نعبد سے ہم عبادت کرتے ہیں، نستعین سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں اور انعمت سے آپ نے انعام فرمایا۔ الضالین کا ترجمہ "جو رستہ سے گم ہو گئے" کیا ہے لیکن راستے سے گم ہونا محاورہ نہیں ہے۔ راستے سے گم ہونے کا مفہوم راستے سے غائب ہو جانا، مفقود ہو جانا، معدوم ہو جانا نکلتا ہے۔ اس کی بجائے "راستہ گم کرنا" ہونا چاہیئے۔ "راستہ گم کرنا" محاورہ بھی ہے اور "ضالین" کے مفہوم کی ٹھیک ترجمانی بھی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق سے مولوی صاحب نے ترجمے میں جملے کی خبر ہمیشہ بصورت جمع استعمال کی ہے مثلاً "جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں" "جو مالک ہیں روز جزا کے" وغیرہ۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں فاعل خدا کے ساتھ فعل بصیغہ واحد آیا ہے ترجمہ فعل بصیغہ جمع کیا ہے۔ مثلاً اللہ یستھزئ بہم کے ترجمہ میں "اللہ تعالیٰ استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ"[1] یا ان اللہ لا یستحی کے ترجمہ میں "ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے"[2] یہ خصوصیت ان کی اردو تصانیف میں بھی پائی

---

[1] سورہ بقرہ رکوع ۲۔ [2] سورہ بقرہ رکوع ۳۔

جاتی ہے چنانچہ "بہشتی زیور" سے دیئے گئے نمونہ عبارت کے آخری فقرے "اللہ تعالیٰ سب سے بچاویں" میں بھی فعل بصیغہ جمع ہی ہے۔ اس کے متعلق سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسمائے ذات و صفات کے ساتھ ضمیر واحد کے استعمال کو مولوی صاحب سوئے ادب سمجھتے ہیں اردو قواعد کا عام قاعدہ یہ ہے کہ فاعل واحد ہو تو فعل بھی واحد لاتے ہیں اور ضمیر بھی واحد لاتے ہیں۔ فاعل جمع ہو تو فعل بھی جمع لاتے ہیں اور ضمیر بھی جمع لاتے ہیں لیکن کسی فرد کا احترام مقصود ہو تو فاعل ہونے کے باوجود فعل بھی جمع لاتے ہیں اور ضمیر بھی۔ جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ والد بڑی محنت کرتے ہیں حالانکہ ان کی صحت اچھی نہیں ہے۔ لیکن بغیر ملحوظی ادب و احترام کے بعض خاص صورتوں میں صیغہ واحد ہی استعمال کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے ہماری بھلائی ہی کے لئے کرتا ہے۔ اللہ بڑا ہے اور سب کا پالنے والا ہے۔ بادشاہ آیا۔ بادشاہ حکم دیتا ہے۔ بادشاہ فریاد سنتا ہے۔ دولھا آیا۔ دولھا نکلا۔ یہ قاعدہ اس مفروضے پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی برتری اور بزرگی مسلمات سے ہوتی ہے۔ ان کی اس امتیازی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے فعل جمع اور ضمیر جمع استعمال کرنے کے عام قاعدے سے ہٹ کر فعل واحد اور ضمیر واحد ہی استعمال کی جاتی ہے۔ دولھا کے لئے فعل واحد اور ضمیر واحد کے استعمال کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ اس کی شخصیت برات میں ایسی ہی اہم ہوتی ہے جیسے رعایا میں بادشاہ کی۔ غالباً اسی لئے اس کو نوشہ کہا جاتا ہے۔ لیکن ایسی بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں فاعل معزز نے ضمیر واحد استعمال کی ہے۔ مثلاً لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (سورہ بقرہ رکوع ۴۰)

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو"۔ اور حاشیے میں اسی آیت کے فائدہ (ف ۲) کے تحت عبارت میں ضمیر واحد ہی استعمال کی ہے۔ ف ۲ "یعنی ان امور کو واجب اور حرام نہیں فرماتا"۔ آیت "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" سورہ بقرہ کے رکوع ۳۴ کی آیت بھی ہے اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیت بھی مگر ایک جگہ ضمیر واحد استعمال کی گئی ہے تو دوسری جگہ جمع۔
دونوں مقام کے ترجمے کو بالترتیب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:-

"اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی
عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے، سنبھالنے
والا ہے (تمام عالم کا)" — (سورہ بقرہ)
"اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل
معبود بنانے کے نہیں اور وہ زندہ (جاوید) ہیں۔
سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں" (سورہ آل عمران)

اس طرح کی دو عملی ترجمے کی خرابی کا باعث بنی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کسی بھی اصول کو نباہ نہ سکے۔
مولوی صاحب نے سورہ مدثر میں "حتی اتنا الیقین" کا ترجمہ "یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی" کیا ہے اور ڈپٹی نذیر احمد نے اسی آیت کے ترجمے "یہاں تک (کہ مرتے مرتے) آنکھ سے دیکھا تو ہم کو یقین آیا" پر مولوی تھانوی صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ "یقین آتا بھی یہ تھا کہ ہم برابر قیامت کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہم کو موت آپہنچی"۔ [1]

[1] اصلاح ترجمہ دہلویہ ص ۱۴۸

یقین کے لفظی اور لغوی معنی "بے شک" اور "یقینی" کے ہی ہیں اور "موت" مرادی معنی ہیں۔ ترجمے میں مرادی معنی کو بریکٹ میں رکھنا مناسب ہوگا ورنہ محاورے کی خاطر لفظ کے اصطلاحی معنی سے اعراض کرکے مرادی معنی لکھنا کسی طرح جائز نہ ہوگا۔ اسی لئے شاہ عبدالقادر نے ترجمے میں لفظ یقین ہی استعمال کیا ہے۔ (ترجمہ:) "جب تک آپہنچے ہم پر یقین آنے والی"۔ اور "موضح قرآن" میں اس فائدے کے تحت لکھا ہے "یعنی موت۔۔۔" سورہ مدثر ہی میں "لیستیقن الذین اوتوا الکتاب" کے ترجمے میں مولوی صاحب موصوف نے لفظ "یقین" کا استعمال کیا ہے۔ (ترجمہ:) "تاکہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کرلیں"۔
مولوی سید محبوب رضوی دیر نظر ترجمہ قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا نے یہ ترجمہ اپنی تفسیر بیان القرآن کے ضمن میں کیا ہے۔ مستند علماء کی متفقہ رائے ہے کہ یہ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود بامحاورہ مطلب خیز سلیس اور نہایت عام فہم ہے اور ان اغلاط اور خلل لفظی سے پاک ہے جو اردو کے اکثر تراجم میں پائے جاتے ہیں"۔ [1]

مقدمہ ترجمہ قرآن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن لکھتے ہیں کہ:-
"بندہ کے احباب میں اول مولوی عاشق الٰہی

[1] رسالہ دارالعلوم بابت ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء ص ۴۱

سلر ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا۔ اس کے بعد
مولانا اشرف علی صاحب سلمہ اللہ نے ترجمہ
کیا۔ احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے
دیکھا ہے۔ جو جملہ خرابیوں سے پاک و صاف
اور عمدہ ترجمے ہیں۔

ترجمہ و تفسیر کی زبان و بیان کے بارے میں فاضل مفسر مولوی اشرف علی تھانوی نے خطبے میں خود ہی بتا دیا ہے کہ یہ قرآن مجید کا آسان زبان میں ترجمہ ہے۔ اس میں تحت لفظی کی بھی رعایت رکھی گئی ہے نیز یہ کہ اس میں خالص محاورے استعمال نہیں کیے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان خصوصیات میں مقالہ نگار کی طرف سے ایک دو باتیں اضافہ کی جاتی ہیں۔ وہ یہ کہ ترجمے میں جملوں کے آخر میں فعل ناقص کے اضافے سے ایسے جملے جو پہلے ناکمل اور غیر مفید معلوم ہوتے تھے اب مکمل اور مفید جملے معلوم ہونے لگے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ عبارت میں ربط اور تحریر میں روانی پیدا ہو گئی۔ دوسرا فائدہ یہ کہ تفہیم مطلب میں سہولت ہو گئی۔

اس قدر آسان اور مربوط ترجمہ خود ایک بڑا کارنامہ ہے اس پر مستزاد یہ کہ مولوی صاحب نے جہاں تک ممکن ہو سکا ترجمے کو تحت اللفظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس التزام اور اہتمام کے باوجود ترجمے کو سلیس اور مسلسل رکھنا مولوی صاحب کی قدرت بیان کا اعجاز ہے۔

۴۸۶
۴۹۲

۶۔ قرآن عظیم

ترجمۂ قرآن مجید

از

مولوی احمد رضا خاں بریلویؒ

مولوی احمد رضا خاں بریلوی کا ترجمۂ قرآن مجید سارے ہندوستان میں مشہور و مقبول ہے۔ مولوی صاحب سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں بمقام بریلی (روہیل کھنڈ) پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔ تمام درسی علوم معقول و منقول اپنے والد بزرگوار مولوی نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں سے پڑھے اور بارہ چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اس کے بعد ہی ان کے والد بزرگوار نے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ شاہ آل رسول مارہرویؒ سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سند حاصل کی۔ حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں حدیث، فقہ، اصول تفسیر وغیرہ کی سند وہاں کے اکابر علماء سے حاصل کی۔ مختلف فنون پر ان کی تصانیف

پون سو کے قریب ہیں۔ سنہ ۱۳۴۰ ہجری مطابق ۱۹۲۱ء بعمر ۶۸ سال وفات پائی۔ آپ کے تفصیلی حالات مولوی ملک ظفرالدین بہاری کی "حیات اعلیٰ حضرت" اور اس پر مولوی سلیمان بدایونی کے نقد و نظر میں ملتے ہیں۔[1]

مولوی سید محبوب رضوی نے قرآن مجید کے اس ترجمے کا سنہ ۱۳۳۰ ہجری بتایا ہے اور اس کا تاریخی نام "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" لکھا ہے۔[2] مگر اس میں "ترجمۃ" کی آخری "ۃ" بغیر نقطوں کی ہوگی۔ اس لئے کہ "ۃ" کے ساتھ اس نام کے عدد ۱۷۲۵ برآمد ہوتے ہیں اور بغیر نقطوں کے یعنی بجائے "ت" کے "ہ" کے عدد شمار کئے جائیں تو ۱۳۳۰ عدد ہوں گے۔ یہ ترجمہ اپنی افادیت اور مقبولیت کی بنا پر کئی بار چھپا ہے۔ پہلی بار بریلی میں اور دوسری بار مطبع اہل سنت مراد آباد میں چھپا ہے۔[3] قرآن مجید کے عام مطبوعہ تراجم کی طرح اس میں بھی متن کے نیچے ترجمہ لکھا ہے اور آغاز سورہ فاتحہ کے ترجمے سے ہوا ہے۔ حاشیہ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا ہے۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۱ میں مطبوعہ مشمولہ رسالہ "العلم" (کراچی) بابت جنوری تا مارچ سنہ ۱۹۵۵ کے حوالے سے حیات اعلیٰ حضرت اور اس پر نقد و نظر کا تذکرہ کیا ہے۔

[2] رسالہ "دار العلوم" بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء، ناشر سید محمد اظہر شاہ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی۔ [3] رسالہ "دار العلوم" بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء ص ۱۳، ناشر سید محمد اظہر شاہ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

الحمد للہ رب العلمین

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا

الرحمٰن الرحیم

بہت مہربان رحمت والا

ملک یوم الدین

روز جزا کا مالک

ایاک نعبد وایاک نستعین

ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں

اھدنا الصراط المستقیم

ہم کو سیدھا راستہ چلا

صراط الذین انعمت علیہم

راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین

نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا

لفظ "رب" بلحاظ صفت کئی معنوں پر محیط ہے۔ رب، مالک ہے، رب، صاحب ہے، رب، رزاق ہے۔ رب، رحمٰن رحیم خالق سبھی ہے لیکن مالک، صاحب، رزاق، خالق، رحیم میں ربوبیت ہونا ضروری نہیں۔ "رب العلمین" کے "رب" اور "مالک یوم الدین" میں "مالک" دونوں ہی کے لئے ترجمے میں لفظ "مالک" کا استعمال ایک دوسرے

کے معنی و مفہوم کو متاثر کرتا ہے۔ اس سورہ میں حق تعالیٰ کی صفات
عالیہ کی جو ترتیب ہے وہ ترجمہ میں باقی نہیں رہی قرآن کی ترتیب یہ
ہے حمد کے بعد ربوبیت رحمت (الرحمٰن اور الرحیم) اور عدالت ہے
یوں تو لفظ "رب" میں جملہ صفات شامل ہیں جن کا اظہار کسی شئے کی
نشوونما میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔
لیکن "رب" کے بعد ہی رحمٰن و رحیم کے جاننے کے معمولات رحمت
اور جمال کا غیر معمولی پہلو نمایاں ہے۔ بے انتہا مہر و الطاف کے نتیجے
میں کہیں بندے غفلت کا شکار ہو کر طغیان و عصیان میں نہ پھنس جائیں۔
لہٰذا روز جزا (عدالت) سے ڈرا گیا ایسا خوفناک دن جو نہ کبھی پہلے
ہوا اور نہ ہوگا۔ اس روز ذات حق تعالیٰ کے سوا کسی کو ملک یہاں تک کہ
حکومت ظاہری بھی نصیب نہ ہوگی۔ لمن الملك اليوم لله
الواحد القهار سے اس دن کے عدل کی عظمت اور ہیبت
ظاہر کی گئی ہے۔ ایسے پرعظمت و پرہیبت دن کا "مضاف" لفظ
"مالک" کو بنایا۔ ربوبیت میں پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری
اور مسلسل اہتمام ہوتا ہے۔ ورنہ "رب العلمین" کی بجائے "ملک العلمین"
ارشاد باری تعالیٰ ہوتا۔ "رب" کے ترجمے کے لئے "پروردگار،
پرورش کرنے والا، پالنے والا" موزوں الفاظ موجود تھے۔ ویسے
ایجاز کے خیال سے لفظ "رب" بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اکثر
مقامات پر "رب" کے لئے لفظ "رب" ہی استعمال کیا گیا ہے مثلاً

آیت:۔ فسبح بحمد ربك واستغفره۔ (سورہ نصر)
ترجمہ:۔ "تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس

سے بخشش چاہو۔"

آیت: واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا (سورہ مزمل)
ترجمہ:۔ "اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ساتھ رہو۔"
آیت: قال یا قوم لیس بی ضلالة ولكني رسول من رب
العلمين (سورہ اعراف پ ۸ ع ۸)
ترجمہ: "کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العلمین کا رسول
ہوں۔"

"العالمین" عالم کی جمع ہے اور عالم مجموعہ مخلوقات کو کہتے ہیں۔
اسی لئے شاید "رب العلمین" کا ترجمہ "مالک سارے جہان والوں کا" کیا
گیا ہے۔ اس کا موزوں اور عام فہم ترجمہ "سارے جہان کا رب" یا
"سارے جہان کا پروردگار" ہے۔ چنانچہ سورہ والصّٰفّٰت کی آخری آیت
"والحمد لله رب العلمين" کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔ "ترجمہ"
اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہاں کا رب ہے۔"
آیت "ایاك نعبد وایاك نستعين" میں عربی فعل مضارع کا
اردو فعل مضارع میں ترجمہ ہوا ہے زمانہ فعل حال مطلق ہوتا تو ترجمہ موزوں
ہوتا یعنی "ہم تجھ کو پوجتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔" عام طور پر
عربی اور فارسی کتب کی کثرت مطالعہ سے یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔
شاہ عبدالقادر نے بھی اسی ڈھنگ کا ترجمہ کیا ہے۔ سورہ فاتحہ سارے
قرآن کا نچوڑ ہے۔ اس مختصر سورۃ میں حق تعالیٰ نے مضامین جس جامع
و مانع انداز میں بیان فرمائے ہیں وہ بلاغت کا اعلیٰ معیار ہے۔ مترجمین
نے اس سورۃ کے ترجمے میں حسب حیثیت جامعیت اور ایجاز کے حسن کو

برقرار رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس
فکر میں اکثر مترجمین سے ترجمہ میں چوک ہو گئی۔

سورہ فاتحہ کے بعد دیگر سورتوں کے ترجمے کے تعلق سے کہا جا سکتا ہے کہ
مولوی احمد رضا خاں بریلوی کا یہ ترجمہ عام تحت اللفظ ترجموں کے انداز کا
نہیں ہے۔ عبارت میں ربط اور تسلسل قائم رکھنے کی ایسی کوشش کی گئی
ہے کہ پڑھتے وقت اس کے لفظی ہونے یا نہ ہونے کا دھیان ہی نہیں ہوتا۔
یہ ترجمہ حسب موقع تحت اللفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی۔ بڑی خوبی یہ ہے
کہ ترجمہ مفہوم قرآن کے قریب ہے۔ بطور نمونہ سورہ احزاب[1] سے
چند آیتوں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

یا ایها الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا

اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو۔

وسبحوه بکرةً واصیلًا

اور صبح و شام اس کی پاکی بولو

هو الذی یصلی علیکم وملٰئکته لیخرجکم من الظلمٰت الی النور

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیریوں
سے اجالے کی طرف نکالے۔

وکان بالمؤمنین رحیمًا

اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔

---

[1] پ ۲۲ سورہ احزاب ع (۶)

تحیتهم یوم یلقونه سلٰم

ان کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے

واعد لهم اجرًا کریمًا

اور ان کے لئے عزت کا ثواب تیار کر رکھا ہے

یا ایها النبی انا ارسلنٰک شاهدًا ومبشرًا ونذیرًا

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر
اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

وداعیًا الی اللہ باذنه وسراجًا منیرًا

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب

وبشر المؤمنین بان لهم

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے

من اللہ فضلًا کبیرًا

اللہ کا بڑا فضل ہے

ولا تطع الکٰفرین والمنٰفقین ودع اذٰهم وتوکل علی اللہ

اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرما
اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

وکفٰی باللہ وکیلًا

اور اللہ بس ہے کارساز

ان آیتوں میں مترجموں نے بعض الفاظ کا ترجمہ اپنی اپنی علمیت
اور سمجھ کے موافق کیا ہے۔ "شاہد" کا ترجمہ کسی نے "بتانے والا"[1] کیا

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن۔

ہے تو کسی نے "گواہی دینے والا"[1] لیکن احمد رضا خاں نے "حاضر و ناظر"
سے کیا ہے اس لئے کہ فاضل مترجم کی نظر "مفردات راغب" پر بھی تھی۔
جس میں "شاہد" کے تعلق سے تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ

"الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر
او بالبصيرة"

زیر نظر ترجمہ قرآن مجید کے حاشیے پر اس کی تشریح یوں کی گئی
ہے کہ "شہود اور شہادت کے معنی حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے
بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ اور گواہ بھی اسی لئے شاہد کہتے
ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ سید عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ کی رسالت
عامہ ہے جیسا کہ سورہ فرقان کی پہلی آیت[2] میں بیان ہوا تو حضور پر نور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد
ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال، تصدیق، تکذیب، ہدایت
ضلال، سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں (ابو السعود و جمل)"۔

"سراجا منیرا" کا ترجمہ عام طور پر جو مترجمین "روشن چراغ"
یا چمکتا ہوا چراغ یا منور چراغ کرتے ہیں وہ گویا لفظ "منیر" کی
صرفی حیثیت سے اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت سے عمارئ، دیارئ اور قلوب و ارواح

---

[1] ڈپٹی نذیر احمد

[2] تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا (سورہ فرقان)

کو منور کیا۔ گم کردہ راہ کو اپنے انوار ہدایت سے راہ یاب فرمایا، کفر و
شرک کی ظلمات کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور فرمایا، معرفت اور توحید
الٰہی تک پہونچنے کی راہیں روشن کر دیں اس لئے ایسے آفتاب عالمتاب
کی صفت میں فاضل مترجم نے "منیر" کا ترجمہ "چمکا دینے والا" کیا ہے۔

"دع اذاھم" کے ترجمے میں بھی اکثر مترجمین سے چوک ہو گئی ہے۔
"چھوڑ دے ان کو ستانا"[1] "چھوڑ دے ایذا دینا ان کا"[2] "چھوڑ دے
ان کا ستانا"[3] وغیرہ اس طرح کے لفظی ترجمے مفہوم قرآن سے ہٹے ہوئے
معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا اشرف علی تھانوی
نے لفظاً بلفظ سے ہٹ کر ترجمہ کیا ہے:۔

"ان کی ایذا رہی کی (کچھ) پروا نہ کرو" (ڈپٹی نذیر احمد)
"ان کی طرف سے جو ایذا پہونچے اس کا خیال دیجئے"
(مولانا اشرف علی تھانوی)

مگر ان ترجموں کی عبارت طویل ہو گئی ہے۔ مولوی احمد رضا خاں
کے ترجمے میں صحت مفہوم کے ساتھ ایجاز کا حسن بھی ہے:۔

"ان کی ایذا پر در گزر کرو"۔

مولوی صاحب نے بعض جگہ مرکب اضافی کے ترجمے میں قرآنی ترتیب
ہی برقرار رکھی ہے مثلاً "اے رب ہمارا" اس طرح با محاورہ ترجمے میں

---

[1] شاہ عبد القادر

[2] شاہ رفیع الدین

[3] شیخ الہند مولانا محمود حسن۔

جہاں مرکب اضافی ہے اس کے ترجمے میں مضاف مقدم اور مضاف الیہ موخر ہونے سے عبارت پر اثر ہو گیا ہے۔ پڑھنے سے دل پر خشوع و خضوع کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ نمونۃً سورہ بقرۃ کی آخری چند آیتوں کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

" ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا
اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول لیں یا چوکیں
ربنا ولا تحمل علینا اصرًا
اے رب ہمارے اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ
کما حملتہ علی الذین من قبلنا
جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا
ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ
اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو۔
واعف عنا واغفر لنا وارحمنا
اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے اور ہم پر مہر کر
انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین
تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔"

اگر ساری آیتوں کا ترجمہ تحت اللفظ ہو اور اس میں "ربنا" کے ترجمے کی مذکورہ نوعیت ہو یعنی مضاف مقدم اور مضاف الیہ ہو تو ترجمہ کا حسن ظاہر نہیں ہوتا اور اس میں خشوع و خضوع کی وہ کیفیت بھی پائی جاتی جو مولوی احمد رضا خاں کے ترجمے میں ہے۔ یہاں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمے کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ آپ کے ترجمۂ قرآن

مجید کو بہترین تحت اللفظ کے ترجموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ مولوی احمد رضا خاں کے ترجمے کے کوئی آٹھ سال بعد کا ہے :-

" اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں
اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری۔
جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب ہمارے
اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ اس کی ہم کو طاقت
نہیں اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر
ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری کافروں پر۔"

مولوی احمد رضا خاں کی عبارت میں سادگی اور صفائی ہے۔ ترجمہ میں زیادہ تر روزمرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن زور اور اہمیت کے موقع پر قرآن مجید کے مرکب اضافی الفاظ ترجمے میں جوں کے توں رکھ دیئے ہیں۔ مثلاً ولکنی رسول من رب العلمین " کا ترجمہ " میں تو رب العلمین کا رسول ہوں "۔ مولوی صاحب ڈپٹی نذیر احمد کی طرح اپنے ترجمے میں ادبیت کا مظاہرہ کر کے لغزشوں کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ صحت مفہوم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی سنجیدگی اور متانت بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب تصنیف ہیں۔ ان کا طرزِ تحریر ان کی اردو تصانیف میں ترجمۂ قرآن مجید سے مختلف ہے۔ ترجمے میں یہ پابند ہیں اور تصنیف میں آزاد۔ تاہم یہ حالی اور شبلی جیسے ادیب بھی نہیں اور نہ ان جیسا انداز بیان رکھتے ہیں۔ یہاں ان کی ایک تصنیف " شفاء الوالہ فی صور الحبیب و مزارہ و نعالہ " سے نمونہ عبارت

پیش کیا جاتا ہے:-

• اللہ عزوجل پناہ دے ابلیس لعین کے
مکاید سے سخت تاکید یہ ہے کہ آدمی سے
عبادت کے دھوکے میں سیات کراتا ہے۔
اور شہد کے بدلے زہر پلاتا ہے۔
والعیاذ باللہ رب العلمین۔ اس
مسکین تیرہ دن تصاویر اعاظم کو بنانے والے
ان کی زیارت و لمس و تقبیل کرانے والے نے
گمان کیا کہ وہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کا حق محبت بجا لاتا اور حضور
کو راضی کرتا ہے۔ حالانکہ حقیقۃً وہ اپنی ان
حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صریح نافرمانی کر رہا
ہے۔ اس پر سخت ناراض ہونے والے حضور
والا ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور سرور
عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذی روح کی
تصویر بنانا بنوانا اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب
حرام فرمایا اور اس پر سخت وعیدیں
ارشاد کیں اور ان کے دور کرانے مٹانے
کا حکم دیا۔ احادیث اس بارے میں حد تواتر
پر ہیں۔

رہا نقشہ روضہ مبارکہ اس کے جواز
میں اصلا مجال سخن و جائے دم زدن نہیں جس
طرح ان تصویروں کی حرمت یقینی ہے یوں ہی
اس کا جواز اجماعی ہے۔ شرع مطہر میں ذی روح
کی تصویر حرام فرمائی۔ [1]

ترجمہ و ترجمانی میں روزمرہ اور عام پسند الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو
تصانیف کی زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کے علاوہ فارسی ترکیبیں
بھی ہوں۔ ترجمے کی عبارت سادہ اور قرآنی آیتوں کے زیر اثر تکلفات
سے بری ہے تو تصنیف کی آزادی طرز تحریر سجیع و قافیہ سے مکلف بھی ہے۔

---

[1] تاریخ نثر اردو ص ۲۷۸۔

۴۸۶/۴۹۲

(۱۱)

۱۔ تفسیر قادری

(مولانا حضرت محمد عمر الحسینی)

کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

تفسیر قادری دراصل مولانا سید شاہ محمد عمر حسینی قادریؒ کے مواعظ
حسنہ کا مجموعہ ہے جو ہر ماہ رسالہ کی شکل میں سنہ ۱۳۱۹ ہجری سے شائع
ہوتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف مکہ مسجد (حیدرآباد) میں بعد
نماز جمعہ قرآن مجید کے ایک رکوع کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جس میں کلام
ربانی کے نکات اور حقائق ایسے موثر پیرایہ میں بیان فرماتے کہ حاضرین
پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اسی طرح چودہ پارہ تک تفسیر ختم ہو چکی
تھی لیکن اس کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہ تھا۔ عوام کے اصرار پر مولوی سید
شاہ ملک محمد قادری اور مولوی عبدالعزیز (مہتمم دارالطبع سرکار عالی) کی
خواہش پر مولانا سید شاہ محمد عمر حسینیؒ نے آئندہ سے ہر جمعہ کے وعظ کو

ایک رسالے کی شکل دینے سے اتفاق فرمایا۔[1] اور مولانا سید عبدالجبار
قادری، حکیم مولوی رکن الدین احمد اور مولوی عبدالعزیز کو مواعظ قلم بند
کر کے شائع کرنے کی اجازت دی۔[2] اس طرح تفسیر قادری چودھویں پارہ
سے شروع ہوتی ہے۔ تفسیر کا یہ سلسلہ اٹھائیسویں پارے تک پہنچا تھا کہ
اشاعت سورہ فتح کے کچھ حصے کی ہونے پائی تھی کہ مولانا موصوف کا وصال
ہوگیا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید محمد بادشاہ
حسینی قادری کی زیر ادارت مابقی تفسیر سورہ فتح سے شائع ہوتی رہی۔

تفسیر قادری کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ۱۳۱۹ھ ہے۔

مولانا سید محمد عمر حسینیؒ المعروف بہ "سید الشیوخ" حضرت سید
محمد بادشاہ حسینیؒ الملقب بہ "رفعت پناہ" کے صاحبزادے اور حضرت
سید حیدر علی حسینیؒ "سیادت پناہ" کے پوتے ہیں۔ سلسلۂ نسب پچیس
واسطوں سے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔
مورث اعلیٰ حضرت سید محی الدین حسینیؒ شہنشاہ اورنگ زیب کے
زمانے میں بغداد شریف سے ہندوستان تشریف لائے اور برہان
پور میں اقامت اختیار کی۔ آپ کے پوتے حضرت سید حیدر علی حسینیؒ

---

[1] چنانچہ تفسیر کے سرورق پر لکھا ہے "تفسیر قادری المعروف بہ اسم تاریخی تفسیر کشف القلوب
(۱۳۱۹ھ) حسب فرمائش جناب مولانا مولوی سید شاہ ملک محمد صاحب قادری و
جناب مولوی محمد عبدالعزیز صاحب قادری مہتمم دارالطبع سرکار عالی بمطبع نیا فی دکن حیدرآباد
دکن میں چھپ کر جلوہ ناظرین ہوئی"۔ [2] حیات طیبہ (ص ۰۰) موسوم بہ اسم تاریخی
"حالات پیر طریقت" (۱۳۷۱ھ) مرتبہ حکیم۔

"سیادت پناہ" جو صاحب تفسیر کے پردادا ہوتے ہیں برہان پور سے حیدرآباد تشریف لائے اور یہاں اعلیٰ فوجی خدمات انجام دیں۔ مولانا سید محمد عمر حسینیؒ قاضی پورہ (حیدرآباد) میں سنہ ۱۲۸۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کے بارے میں کتاب "حیات طیبہ" میں لکھا ہے کہ:۔

"آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے برادر محترم و معظم سیدنا خواجہ دکنی احمد صدیق حسینی "محبوب اللہ" کے زیر ہدایت و نگرانی رہی اور آپ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم و تکمیل اجازات اقدس سے حاصل فرماتے ہیں۔ قراءۃ سبعہ و عشرہ میں استاد القراء حضرت قاری سید محمد صاحب تونسیؒ کو تمام قرآن سنا کر سند حاصل فرمائیں۔ حضرت سید غلام غوث صاحب شطاری اور مولانا محمد علی صاحب شطاری آپ کے ہم درس تھے۔ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ نے علوم ظاہری و رسمی منقولات، معقولات، لغت و ادب، معانی و بیان، فقہ، تفسیر و حدیث، منطق، فلسفہ و کلام میں ایسا تبحر پیدا کیا کہ سرآمد علمائے روزگار بن گئے اور علمائے عصر مشکل، اہم و نازک مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ تشفی بخش

طریقے پر عمل فرمادیتے تھے۔ آپ اخبار رسولؐ کے عالم، اسرار رسولؐ کے حامل اور انوار رسولؐ کے مظہر تھے"۔ [۱]

مختلف سلسلوں میں خرقۂ خلافت بھی اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ دکنیؒ ہی سے حاصل کیا۔ شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ خلیق تخلص کرتے تھے۔ "حیات طیبہ" میں لکھا ہے:۔

"شعر و سخن سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی خلیق تخلص فرماتے تھے۔ اکثر مشاعرے ہوتے تھے اور اکابر شعراء عام ہوکر اپنا کلام سناتے۔ امام الفن نواب فصاحت جنگ استاد جلیل نے بھی ان مشاعروں میں متعدد بار شرکت کی۔ ان مشاعروں کا اکثر کلام طبع ہوکر شائع ہوجاتا تھا"۔ [۲]

نمونۂ کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

بتوں کی بندگی سے ہاتھ اٹھا کر ؏ خدا سے بیٹھ رہو اب دل لگا کر
رلایا پھر یہ کہنا مسکرا کر ؏ تجھے ہم دیکھتے ہیں آزما کر
بہت جاگا ہے اب آرام سے سو ؏ بلے کہتے ہیں مرقد میں سلا کر

---

[۱] حیات طیبہ ص (۶۲)۔
[۲] حیات طیبہ ص (۶۹)۔

دنیا کے ترک میں بھی طلب کا خیال ہے
اس فرش بوریا میں بھی کچھ بوریا کا ہے

علم المیرات پر "فرائض القادری" کے نام سے اردو میں ایک مثنوی بحر رمل (مسدس) میں لکھی ہے۔ حدیث، فقہ، تجوید وغیرہ کے درس و تدریس کی مصروفیت کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ چنانچہ تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندری المتوفی سنہ ۷۰۹ھ کی مشہور کتاب تاج العروس الحاوی لتہذیب النفوس کا "رہبر طریقت" کے نام سے مقفیٰ و مسجع اردو میں ترجمہ کیا[1] ترجمہ بہجۃ الاسرار، رسالہ تحفۂ قادریہ[2] اور دیگر بہت سے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے اور درسی کتب ان سے یادگار ہیں۔ اپنے والد کا ایک دیوان "ارشادات رفعت پناہ" "دیوان شاہ" کے نام سے اور ایک مثنوی "مثنوی گلزار محبت" بھی طبع و شائع کی۔[3]

تاریخ وفات ۱۹ صفر سنہ ۱۳۳۰ ہجری جمعہ ہے اور قادری چمن میں مدفون ہیں۔

تفسیر قادری کے مقدمے کا آغاز حمد و صلوٰۃ سے ان الفاظ سے ہوا ہے۔

---

[1] حیدرآباد اور مطبع مجتبائی دہلی سے متعدد مرتبہ شائع ہوا ہے۔ ابتدائی طباعت سنہ ۱۳۱۳ ہجری میں ہوئی۔

[2] مطبع بریلی سے شائع ہوا۔

[3] حیات طیبہ ص ۱۰۱ تا ۱۰۳

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ و صحبہ اجمعین۔

جب رسالت پناہ نے حمد الٰہی سے اپنے عجز کا اقرار کیا تو ما و شما کا ذکر کیا ہے جو زبان ہلا سکیں اور جب شان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کا ارشاد وکان فضل اللہ علیک عظیما ہو تو بندوں کی کیا طاقت جو دم مار سکیں۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

ز لاف حمد و نعت اولیٰ ست بر خاک ادب خفتن
سجودے میتوان کردن درودے میتوان گفتن

اگر اہل بیت رضی اللہ عنہم نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ آسمان ہدایت کے تارے ہیں جسے بحر سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر ان تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کر کے ساحل مقصود تک پہونچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طے کرنا منظور ہے تو پیران کبار و اولیاء عظام کی توجہ بھی ضرور ہے ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

میرے اللہ تیرے کلام پاک کے طفیل
سے مجھے سیدھی راہ پر قائم رکھ اور
اس کے سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عنایت
فرما۔"

مقدمے میں مفسر کے نام، سنہ تفسیر اور سبب تفسیر وغیرہ کے تعلق
سے بہت سی معلومات مندرج ہیں۔ لکھا ہے:۔

"اما بعد یہ فقیر سراپا تقصیر ابو الوفا عمر تخلص
خلیق عفا اللہ لہ عرض کرتا ہے کہ
ایک مدت سے قرآن مجید کا عاشق ہے اس
کی تلاوت اس کا ورد اسی کا بیان مطلب ہے

کتابک مولی لا یفارق مہجتی   وفیها شفاء للذی انا کاتم"

ترجمہ: تیری کتاب مجھ سے دم بھر جدا نہیں ہوتی   اس میں میرے درد
دل کی دوا ہے۔

چند سطروں بعد سبب تفسیر کے تعلق سے لکھا ہے کہ:۔

"اب تحریر تفسیر نصف آخر سے شروع ہوئی
اس لئے کہ یہ عاصی کئی سال سے کہ مسجد
حیدرآباد دکن میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کا
بیان ابتدا سے کر رہا تھا۔ اس مشہد کے
وقت پارہ سبحان الذی شروع ہونے
والا تھا۔ یہی رائے قائم ہوئی کہ اس جز
سے کہ قصہ معراج بھی تقریر کے ساتھ تحریر

کی بھی ابتدا کی جائے اور اللہ سے امید
رکھی جائے کہ اسے قبول فرما کے مجھے
لئے باقیات صالحات کر دے۔
الحمد للہ کہ یہ کام شروع ہوا۔"

آگے اسی تعلق سے لکھتے ہیں:۔

"جس کسی بد مذہب کی نئی تصنیف دیکھتے ہیں
آتی اس کا تار تار الگ کر دکھایا اور اسکی
باعث تفسیر لکھنے کا یہی ہوا کیونکہ جن مذاہب
کا تفاسیر قدیمہ میں رد ہو چکا ہے بعض وہ مذہب
اس وقت نہیں ہیں بلکہ اس کی جائے نئے
نئے فرقے پیدا ہو گئے ہیں اس لئے تفسیر
میں بھی ان کے رد کی ضرورت ہوئی۔"

آگے مفسر نے ان تفاسیر کا بھی ذکر کیا ہے جن سے تفسیر قادری کی
تالیف میں مدد لی گئی ہے اور وہ یہ ہیں۔ "تفسیر ابن کثیر و ابن جریر،
در منثور[1] تفسیر معالم التنزیل، تفسیر کبیر و تفسیر نیشاپوری و تفسیر بیضاوی،
تفسیر خازن و تفسیر مدارک، تفسیر جلالین، تفسیر خطیب وغیرہ۔ استفادہ
کے سلسلے میں مزید لکھا ہے کہ ان کتابوں سے "ادب کے نکات، ربط
بین الآیات، معنی باریک، ترکیب صرف و نحو کو نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ

---

[1] اس کا نام الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ہے۔ شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن
بن سیوطی کی تصنیف ہے ان کی وفات سنہ ۹۱۱ ہجری میں ہوئی۔

تاریخی حالات میں تاریخ کامل وغیرہ بھی پیش نظر رہی۔ تصوف وغیرہ کو عرائس
البیان و تفسیر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و تفسیر روح البیان و تفسیر
مہایمی[1] وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کبھی کتب تصوف سے بھی مضامین لکھے ہیں۔
کبھی اپنے قلب ناقص کی طرف رجوع کرکے بھی کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے“۔

مقدمے کے آخر میں ایک مفسر کے لیے چند ضروری اور مفید ہدایتیں
بھی درج کی گئی ہیں ان کے علاوہ فاضل مفسر نے مقدمے میں تفسیر قادری کے
ترجمے اور تفسیر کے تعلق سے بھی چند باتوں کی وضاحت کر دی ہے لکھا ہے:

”اس میں ترجمے کی طرف پہلے توجہ کی گئی اور
جہاں تک ہو سکا محاورہ اور الفاظ دونوں کا
خیال رکھا گیا۔ لیکن عربی زبان اس قدر وسیع
ہے کہ ترجمہ کے لئے اردو زبان میں الفاظ
نہیں ملتے۔ پھر کلام الٰہی جو معدن فصاحت و
بلاغت ہے اس کا ترجمہ اسی طرح ہے گویا
حسین آدمی کی تصویر۔ کہ صورت تو ہے لیکن
جان نہیں۔ آدمی کے لیے جس طرح جان ہے
کلام کے لئے فصاحت و بلاغت ہے پھر
بلاغت بھی وہ کہ تمام فصحائے عرب سے
اسی کلام عربی میں ادا نہ ہو سکی تو ترجمہ میں

---

[1] اس تفسیر کا نام تفسیر رحمانی ہے اس کے مصنف شیخ علی بن احمد مہایمی ہیں۔ آپ کی
وفات سنہ ۸۳۵ ہجری میں ہوئی۔

وہ بلاغت کس طرح باقی رہے گی۔
چنانچہ آیت سورہ نمل کو دیکھو جہاں
اب ہم تفسیر لکھتے لکھتے پہنچے ہیں اور وہ
یہ ہے و جئتک من سبا بنبا یقین۔
اب ہم نبا کا ترجمہ سوائے خبر کے اور کیا
کر سکتے ہیں۔ پہلے وہ صنعت بدیع جو سبا
و نبا میں ہے فوت ہو گئی اور وہ فواصل کا
لطف جو پہلی آیت میں الغائبین دوسری
میں مبین اس آیت میں یقین ہے وہ بھی
ہاتھ سے جاتا رہا۔ کیونکہ ہم ترجمہ خبر
یقینی یا یقینی خبر کریں گے۔ اس کے علاوہ
نبا کے معنی ایسی خبر کے ہیں جو باوقعت اور
شاندار ہو یہ معنی پر حسن ہے۔ اب ترجمے
میں اگر خبر کے ساتھ باوقعت اور شاندار
بڑھا جائے تو علاوہ الفاظ کی زیادتی کے
پھر بھی وہ وقعت رہے گی نہ وہ شان۔
یہی سبب ہے کہ ہر مترجم نے اپنے ترجمے
میں بہت ہی کوشش کی۔ بعض لوگوں نے لفظی
ترجمہ اختیار کیا وہ اس بات پر خوش ہیں
کہ ہم نے تو کچھ کمی و بیشی نہ کی جس طرح کا
اسی طرح کا ترجمہ کر دیا لیکن فصاحت کا

خیال کا ضرور تھا اور بعض اشخاص نے بامحاورہ
ترجمہ کیا اور لفظ کا خیال نہ رکھا۔ لیکن الفاظ
کا خیال رکھنا بھی ضرور تھا مثلاً لَأَجْعَلَنَّكَ
مِنَ الْمَسْجُونِينَ کا ترجمہ کیا کہ میں تجھے
قید کر دوں گا حالانکہ یہ لَأَسْجُنَنَّكَ کا
ترجمہ ہے۔ پھر ان الفاظ کی زیادتی میں
کوئی نہ کوئی سبب ہے۔ چنانچہ ہم نے
ایسے مواقع پر اپنے ترجمے میں تصریح
کی ہے۔ اسی طرح کوئی محذوفات و مقدرات
و بطور تفسیر جو الفاظ ہوں وہ بین القوسین
لکھ کر اکثر جگہ اس کا ماخذ بھی حاشیہ
میں لکھ دیا ہے۔ غرض الفاظ و معنی دونوں
کا خیال رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے لیکن جہاں
ہمارا محاورہ لفظوں کے مطابق نہ ہوا تو اس
وقت میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔ آخر
تحری (بہتری ڈھونڈھنا) سے جس جانب
ترجیح معلوم ہوئی اسی کو اختیار کیا اور
تفاسیر معتبرہ سے بہت چھان بین کی گئی۔
پھر بھی جو غلطی صادر ہو گئی ہو تو ناظرین فقیر
سے امید ہے کہ اس سے آگاہ فرمائیں۔
تا مستقل طور پر ترجمہ چھپنے کے وقت

اس کی رعایت رکھی جائے" اور اس کا نام
تفسیر قادری اور تاریخی نام کشف القلوب
رکھا گیا جس کے عدد (۱۳۱۹) تیرا سو
انیس ہوتے ہیں۔ اب سنہ ۱۳۲۴ تیرا
سو چوبیس شروع ہے اسی پانچ سال
میں پانچ پارے ہوئے ہیں"

سطور بالا میں مذکور ہو چکا ہے کہ تفسیر قادری میں پندرہویں پارے
سے تفسیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس تفسیر کا آغاز "یا مجیب الدعوات"
کے عنوان کے تحت حسب ذیل شعر اور عبارت سے ہوا ہے۔

" اور کچھ تحفہ نہ تھا جو لاتے ہم تیرے حضور
ایک دو آنسو تھے آنکھوں میں سو بھر لائے ہیں ہم

پروردگار یہ تیرا بندہ ناچیز محمد عرض کرتا ہے
کہ جس طرح تو نے اپنی کتاب پاک کی خدمت
کے لئے آمادہ کیا اسی طرح اپنی تائید غیبی سے
اس کی ہر وقت مدد فرمانا اور جو جو اس فقیر
کے اعوان و مددگار ہوئے ہیں ان سب کو
اپنی جوار رحمت سے دین و دنیا کے برکات
عنایت فرما میرے اجداد اور میرے پیر بھائی
اور سب پر رحم فرما۔ میرے بھائی مسلمانوں
سے گزارش ہے کہ یہ تفسیر کوئی نئی تفسیر نہیں
بلکہ حقیقت میں تفاسیر و احادیث وغیرہ کا

کا ترجمہ ہے۔ میرے ہندی بھائیوں
کے لئے ایک اچھا تحفہ ہے۔ غلطی ہو تو
اس فقیر کو مطلع فرمائیں۔ کیونکہ المومن
مراٰۃ المومن ہے۔ اور جو فائدہ اٹھائیں
تو دعا خیر سے یاد فرمائیں"۔

کتاب تفسیر میں متن کے نیچے ترجمہ ہے اور اس کے بعد تفسیر۔ نمونۂ عبارت کے لئے سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت کے ترجمے و تفسیر سے کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا

(ترجمہ) وہ پاک ہے جو اپنے بندے (سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصاحب ہو کر تھوڑی سی رات میں مسجد محترم (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔

ل "سبحان اسم ہے جو تسبیح یعنے تنزیہ کے معنوں میں آیا ہے اور جو کبھی علم ہو کر مستعمل ہوتا ہے تو اوس وقت مضاف نہیں ہوتا اور غیر منصرف ہوتا ہے اس لئے کہ علم اور الف و نون زائدہ دونوں ہیں۔ اور یہ منصوب ہے ایسے فعل سے جس کا ظاہر کرنا متروک ہو گیا یعنے عرب سے سننے میں نہیں آیا۔ اس کی تقدیر اسبح اللہ سبحانہ ہے۔ پھر سبحان بجائے فعل لایا گیا اور اوسی کے قائم مقام ہو گیا"۔

تفسیر:- اس قصے کو لفظ سبحان سے شروع کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ کوئی وہمی و خیالی آدمی اہل تشبیہ و تجسیم سے یہ نہ خیال کرے کہ خداوند عالم کسی جہت اور حد و مکان میں محدود ہے بلکہ اوس کے اعتبار کرتے سب مکانوں کے نسبت ایک ہی سا ہے اور وہ سب جا موجود ہے۔ ہاں جو قرآن میں اپنی خصوصیت بعضے مکان سے تبلایا ہے۔ ہم اوس کی مراد پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ تاویل سے گھبراتے ہیں۔ گو متاخرین نے اس کو اختیار کیا لیکن سلف و متقدمین کا وہی مذہب رہا اور لفظ سبحان میں یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ کوئی اوس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جھٹلائے اس قصۂ معراج میں جو جسم عنصری تک ہوا ہے۔ تاویلیں نہ کرے۔ خدا سے شرمائے وہ لے گیا ہے یہ خود تو نہیں گئے۔ تا منکروں کو چون و چرا کا موقع باقی نہ رہے۔ سبحان اللہ خدا اپنے قادر کے فعل پر بھی عیب لگاتے ہو۔ اپنا سا اوس کو بھی مجبور جانتے ہو۔ (اسریٰ) اور سرے کے معنی ہیں رات کو گیا۔ لیکن لیلاً کو یہاں اوس کا ظرف کیا تا وہم بھی تو دور ہو جائے اور جو سیر نہار پر بھی کبھی اطلاق ہوتا ہے اوس کا خیال نہ آئے۔

(بعبدہ) باکمال مصاحبت عبدہ میں بڑھایا۔ اس میں

یہ نکتہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہو کے
اس کو سیر دکھلایا۔ بحروں کی سیر کا جب بیان
آیا ھو الذی یسیرکم فی البر والبحر
فرمایا۔ یعنی وہی ہے جو تم کو بحر و بر میں چلاتا ہے۔
اس سے ظاہر ہوا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کو حق تعالیٰ سے کیسی خصوصیت اور کیا علاقہ ہے۔
اس واسطے دعا میں بھی اکثر آپ یوں فرماتے۔
یہ دعا زبان پر لاتے۔ اللھم انت الصاحب
فی السفر یعنی یا اللہ تو ہی سفر میں مصاحب ہے۔
پھر یہ معراج تو خاص سفر ہے اس میں مصاحبت
کی خصوصیت بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ (اسریٰ
بعبدہ) میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ آپ کا بندگی
کی نسبت اور سیر کی اضافت بھی اپنے ہی طرف کی۔"

تفسیر کے سلسلے میں " سبحان الذی اسریٰ " کے مختلف نکات
بیان کئے گئے ہیں اور معراج کے رات میں مقرر ہونے کی حکمتوں کی
وضاحت بھی کی گئی ہے۔ یہ بیان تیسویں صفحے تک ہوا ہے اور اس صفحے
کے آخر میں " الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیٰتنا انہ ھو السمیع
البصیر " سے آیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں نقل کیا
جاتا ہے:

" کہ ہم نے گرد اگرد اس کے برکت دی تاکہ ہم
ان کو اپنی قدرت کے نمونے دکھلائیں۔ البتہ

وہ دیکھنے والا سننے والا ہے "۔

اس کی تفسیر صفحہ (۳۴۰) تک چلتی ہے اور اسی صفحہ پر یہ رسالہ ختم ہوتا
ہے۔ دوسرا رسالہ جو صفحہ (۳۵۱) سے شروع ہوتا ہے اس کے صفحہ
(۸۰) تک معراج کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد
آیت وآتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل
الا تتخذوا من دونی وکیلا کا ترجمہ و تفسیر حسب ذیل الفاظ
میں درج ہے:

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ)
دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے
رہنما بنایا اور (اور کہا) کہ میرے
سوا کسی کو شریک و کارساز نہ بناؤ "۔

تفسیر: " موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر بنی
اسرائیل کی طرف تشریف لائے جس میں
بہت سے حکم تھے لیکن بڑا تاکیدی جو
حکم تھا اس کی تشریح ہوئی کہ میرے
سوا کسی دوسرے کو حقیقی سرپرست و
کفیل اور میرا شریک نہ بناؤ۔ یہی اصل
توحید ہے۔ . . "۔

مولانا سید محمد عمر حسینیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں ترجمے کی زبان
کے متعلق سے خصوصیت کے ساتھ یہ وضاحت کی ہے کہ ترجمہ لفظی بھی ہے
اور بامحاورہ بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں لفظی ترجمہ کوئی نحوی الجھاؤ

نہ پیدا کرتا ہو اور عربی لفظ کے مقابلے میں موزوں اردو لفظ مل جاتا ہو
تو لفظی ترجمہ ہی کیا گیا ہے اور جہاں بامحاورہ ترجمہ مفہوم کی ادائی میں
زیادہ مدد دیتا ہو یا ادائی میں زیادہ دلچسپی پیدا کرتا ہو تو محاورے کا اہتمام
کیا گیا ہے۔ ترجمے کی یہ روش اس قدر رنگین ہوئی اور معتدل ہے کہ کم ہی
مترجموں نے اس قدر احتیاط و اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے۔ متن کے مطالعے
سے بھی فاضل مفسر کے اس دعوے کا ثبوت ملتا ہے۔ سبحان الذی
اسریٰ الخ میں "بارکنا حولہ" کا ترجمہ "اس کے گرداگرد"
کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہایت عمدہ اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ ویسے شمالی
ہند میں اسی دور میں کیے گئے ترجموں میں بھی "حولہ" کے لیے یہی الفاظ
ملتے ہیں مثلاً ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجموں میں۔
لیکن اس سے پہلے "حول" کے لیے "اطراف" اور "گرد" جیسے
الفاظ ملتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر نے تو "بارکنا حولہ" کا ترجمہ
"جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں" کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین نے
"برکت دی ہم نے گرد اس کے" ترجمہ کیا ہے۔

"اسریٰ بعبدہ" کی تفسیر کے سلسلے میں ایک دوسری آیت
"هو الذی یسیرکم فی البر والبحر" پیش کی گئی ہے۔ آیت
میں "بر و بحر" کی تقدیم و تاخیر عربی محاورے کے مطابق ہے۔
فاضل مترجم نے اس کا ترجمہ کیا ہے تو اردو محاورے کے مطابق
"بحر و بر" کیا ہے۔

"المسجد الحرام" کا ترجمہ "مسجد محترم" کیا ہے۔ یہ
برجستہ اور بھرپور لفظی ترجمہ ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں "ادب

والی مسجد" لکھا ہے۔ شاہ رفیع الدین نے اپنے ترجمے میں لفظ "مسجد حرام"
ہی رکھا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی "مسجد حرام"
ہی رکھا ہے۔ البتہ جلالین میں "یعنی خانہ کعبہ" "یعنی مسجد مکہ" لکھ کر
صراحت کر دی ہے:-

شاہ عبدالقادر :- "پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں
رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک جس میں
ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھاویں اسکو کچھ اپنی
قدرت کے نمونے وہی ہے سنتا دیکھتا۔"

شاہ رفیع الدین :- "پاک ہے اس شخص کو کہ لے گیا اپنے بندے کو
رات کو مسجد حرام سے طرف مسجد اقصیٰ کی وہ جو
برکت دی ہم نے گرد اس کے کو تو کہ دکھلاویں
ہم اس کو نشانیوں اپنی سے تحقیق وہ ہے سننے
والا دیکھنے والا۔"

ڈپٹی نذیر احمد :- "وہ خدا (عجز اور درماندگی کے عیب سے) پاک
ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد
حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس)
تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے (دنیا و دین کی)
برکتیں دے رکھی ہیں۔ (اور اس کے جانے سے مقصود
یہ تھا) کہ ہم ان کو (اپنی قدرت کے چند نمونے
معائنہ کرائیں۔ اور ان کو بعض اسرار غیب معلوم ہوں
ورنہ اصل) سننے والا دیکھنے والا (یعنی غیب دان)

وہی خدا ہے۔"

مولوی اشرف علی تھانوی: "وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد)
کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد مکہ) سے
مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا
گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلاویں
بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے
دیکھنے والے ہیں۔

جن مترجموں نے مسجد حرام کا اردو ترجمہ نہیں کیا ہے تو گویا اس کو
انھوں نے اسم کی حیثیت سے برقرار رکھا ہے۔ ویسے اس کا ترجمہ
ادب والی مسجد سے کیا جائے خواہ مسجد محترم سے مگر "مسجد حرام" کا
وہ مفہوم جو آداب شرعی کا تقاضا ہے ترجمے میں سما نہیں سکتا۔ اردو ترجموں
کے ان الفاظ میں صرف ادب و احترام کا مفہوم ہے حالانکہ عربی میں حرم
کے معنی "وہ جگہ ہے جہاں بند رہنا چاہیے"۔ مکہ کی مسجد کو مسجد حرام اسی
لئے کہا گیا کہ اس میں کئی باتیں منع ہیں مثلاً آدمی کو مارنا، جانور کو ستانا،
درخت اور گھاس اکھاڑنا اور پڑا مال اٹھانا وغیرہ۔"

(موضح قرآن)

مولانا سید محمد عمر حسینی کی عبارت بہت سلیس اور رواں ہے وہ کہیں
دقیق الفاظ اور دقیق محاورے بھی استعمال نہیں کرتے اس کے باوجود وہ
کھڑا لہجہ جو اس عہد کے شمالی ہند کے مترجمین جیسے مولوی نذیر احمد اور
مولانا اشرف علی تھانوی کے یہاں ملتا ہے مولانا سید محمد عمر حسینی کے

یہاں نہیں ملتا۔ ان کے یہاں جملوں کی بندش میں سستی اور کہیں کہیں
قدرے جھول بھی پایا جاتا ہے۔ عبارت میں کہیں کہیں عربی کے ایسے بھی
الفاظ آگئے ہیں جو اردو میں غیر مروج ہیں اور بعض تو عام فہم بھی نہیں ہیں
مثلاً تحری (بہتری ڈھونڈھنا) ابحاث (بحث کی جمع) وغیرہ۔ "طرف"
مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے مثلاً "سیر کی اضافت
بھی اپنے ہی طرف کی"۔ "موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر بنی اسرائیل
کی طرف تشریف لائے"۔ بعض مونث الفاظ مذکر استعمال ہوئے ہیں۔
مثلاً خدمت: "جس طرح تو نے اپنی کتاب پاک کے خدمت کے
لئے آمادہ کیا"۔ ویسے کتابت کی غلطی کا بھی امکان ہے۔

تفسیر بڑے ہی بسط و تفصیل سے کی گئی ہے۔ تفسیر کے سلسلے میں لفظ
کی صرفی اور نحوی ترکیب سے بھی بحث کی گئی ہے مثلاً اوپر کی آیت میں لیلاً
کے تعلق سے لکھا ہے۔

"لیلاً نکرہ کہا اور لیل معرفہ نہ فرمایا۔ اس میں
یہ نکتہ ہے کہ نکرہ تقلیل مدت پر دال ہے یعنی
تھوڑی سی رات میں یہ سب کچھ ہوا۔"

لغات کے حل میں لکھا ہے:

"اسریٰ اور سریٰ کے معنی ہیں رات کو لے گیا لیکن
لیلاً کو یہاں اوسکا ظرف کیا۔"

آگے عبدہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

"عبدہ) یہاں مصاحبت عبدہ میں بڑھایا۔ اس
میں یہ نکتہ ہے کہ وہ اپنے بندے کے ساتھ تھا

کے اس سیر کو دکھلایا۔ بحروں کی سیر کا
جب بیان آیا ھو الذی یسیرکم
فی البر والبحر فرمایا۔ وہی ہے جو
تم کو بحر و بر میں چلاتا ہے۔"

مگر البستانی کے پاس اسری بعیدہ میں بائے مصاحبت کے معنی نہیں ہیں
چنانچہ کتاب محیط المحیط میں لکھا ہے :۔

" اسری الرجل بمعنی سری وقیل
اسری لاول اللیل واسراء
واسری بہ سیرہ باللیل۔ وفی
سورۃ الاسراء سبحان الذی
اسری بعبدہ لیلاً من المسجد
الحرام الی المسجد الاقصا ای
سیرہ لیلاً وذکر اللیل فی الایۃ
للتاکید کما فی قولھم سرت
امس نہاراً والبارحۃ لیلاً "

واقعہ معراج کے بیان میں فاضل مفسر نے ان شکوک وشبہات
کی طرف دھیان نہیں دیا جو اس بائے مصاحبت کے نکلنے کی وجہ سے
پیدا ہو جاتے ہیں۔ مقدمۂ تفسیر میں فاضل مفسر نے لکھا ہے :۔

" جس کسی بدمذہب کی نئی تصنیف دیکھنے
میں آئی اس کا تار تار الگ کر دکھایا اور
اصل باعث تفسیر لکھنے کا یہی ہوا کیونکہ جن

مذاہب کا تفاسیر قدیمہ میں رد مذکور
ہے بعض وہ مذاہب اس وقت نہیں
ہیں بلکہ اس کی جائے نئے نئے فرقے
پیدا ہو گئے ہیں اس لئے تفسیر میں بھی
ان کے رد کی ضرورت ہوئی "۔

تفسیر زیر نظر میں بائے مصاحبت کے تعلق سے کئے جا سکنے والے
سوالات کا جواب نہیں ملتا کہ خدائے تعالیٰ کی مصاحبت کا شرف حبیب
پاک صلعم کو کہاں تک حاصل رہا۔ آیت مذکورہ کے مطابق مسجد حرام
سے مسجد اقصیٰ تک مصاحبت رہی یا سدرۃ المنتہیٰ تک۔ علماء کی اصطلاح
کے مطابق مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو اسراء اور وہاں سے اوپر
سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیاحت کو معراج کہتے ہیں۔ ویسے بعض نے تو
مکہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک کے سفر کو
ایک ہی لفظ " اسراء " یا " معراج " سے تعبیر کیا ہے۔ واقعہ معراج
کے تعلق سے صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ :۔

" راویان اخبار و ناقلان آثار معراج
مصطفوی کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ
بارھویں سال بعد نبوت سفر معراج
قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آخر رجب میں
اپنے حبیب پاک شہ لولاک کو اس
جسم عنصری سے افلاک پر یاد فرمایا۔
سواری بھوائی۔ حضرت جبریل امین

براق لایا۔ خچر سے پست دراز گوش سے
بالا میانہ قد تھا۔ سفید بے حد تھا۔ حضرت
ام ہانی رضؓ کے مکان میں آرام فرما رہے
تھے۔ خواب شیریں سے جگایا۔ مسجد حرام
میں آپ کو لے گئے۔ حضرت میکائیل
آب زمزم سے سونے کا طشت بھر کے
لایا۔ دونوں نے آپ کے سینۂ مبارک
کو چاک کیا۔ قلب و سینے کو دھو کر معانی
و حکمت سے بھر کے پھر سی دیا۔۔۔۔۔
جب آپ براق پر تشریف فرما ہوئے تو
"آپ کے سیدھے بازو جبرئیل ہیں بائیں
بازو میکائیل ہیں ۔۔۔۔۔ پہلے آسمان
تک جب تشریف فرما ہوئے دیکھا کہ اسمٰعیل
نام کا فرشتہ دربان ہے۔ ان کے سامنے
ستر ہزار فرشتے اور ہر ایک لاکھ ملائکہ
پر حکمران ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے
دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کہ یہ کون ہے۔
کہا جبرئیل۔ کہا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے۔
جبرئیل نے حضرت کا نام بتلایا۔ کہا گیا وہ
بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا مرحبا۔ یہ
قسم ابھی جاری ہی خوشی ہوا ان کو اچھا

آتا آئے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھلوایا۔۔۔۔۔[1]

مندرجہ بالا عبارات میں اللہ تعالیٰ کی مصاحبت کا کہیں ذکر نہیں ہے
البتہ حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل کی مصاحبت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ کے حبیب پاک کو افلاک پر یاد فرمانے، سواری بھجوانے، جبرئیل
کے آپ کو مسجد حرام میں لے جانے اور وہاں سے بیت المقدس
اور پھر مدینہ شریف تشریف لے جاتے وقت سیدھے بازو حضرت
جبرئیل اور بائیں بازو حضرت میکائیل علیہما السلام کے ہونے سے اللہ
تعالیٰ کی مصاحبت ثابت نہیں ہوتی۔ مصاحبت کی صورت میں ماننا پڑے
گا کہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام نے خدا کی مصاحبت ہی کی
حالت میں رسول کریم صلعم کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلب
و سینے کو دھو کر معانی و حکمت سے بھر کے پھر سی دیا۔۔۔۔

ایک عام سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے آیا خدا کی مصاحبت کی حالت
میں بھی اس عمل کی ضرورت تھی۔ اور اگر یہ مصاحبت سدرۃ المنتہیٰ تک تھی
تو پھر متعدد آسمانوں پر جبرئیل علیہ السلام کے دروازہ کھلوانے پر
پاسبان فرشتوں کا استفسار کرنا کہ یہ ساتھ کون ہے۔ کیا یہ بلوائے
گئے ہیں وغیرہ کیا معنی رکھتا ہے۔ خدا کی مصاحبت سے کیا مراد ہے اور یہ
مصاحبت کیا نوعیت رکھتی ہے۔ قادیانی اس کا تشفی بخش جواب چاہتا
ہے۔ عام طور پر معراج کے متعلق سے تفاسیر اور مواعظ وغیرہ میں

---

[1] تفسیر قادری ص ۲۶۔

جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان سے وہی لوگ متاثر ہوتے ہیں جو پہلے ہی سے بے چون وچرا ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر شخص سیدنا صدیق اکبر تو نہیں ہو سکتا۔ تفسیر کی خوبی تو یہ ہے کہ ہر قاری کو اس میں اپنے شکوک و شبہات کا تشفی بخش جواب ملے۔

۷۸۶
۶۹۲

۲۔ احسن التفاسیر

مولوی سید احمد حسین سابق تعلقہ دار ریاست حیدرآباد نے "احسن التفاسیر" کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ چیدہ چیدہ پاروں کی تفسیر متفرق جلدوں میں مختلف سنین میں شائع ہوتی ہے۔ مطابع بھی مختلف ہیں۔ مثلاً ابتدائی چار پاروں اور آخری پارہ عم کی الگ الگ تفسیر مطبع فاروقی دہلی میں سنہ ۱۳۲۵ ہجری میں چھپی ہے۔ سورہ مائدہ سے سورہ توبہ اور سورہ یونس سے سورہ نحل اور پارہ (۲۶) سورہ ق سے سورہ مرسلٰت تک الگ الگ تفسیر افضل المطابع دہلی سے سنہ ۱۳۲۷ ہجری میں شائع ہوئی۔ سنہ تفسیر درج نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ سنہ طباعت ۱۳۲۵ ہجری سے پہلے ہوگا۔ مختلف پاروں کی تفسیر سنہ ۱۳۲۵ھ اور سنہ ۱۳۲۷ھ کے درمیانی زمانے ہی میں چھپی ہے اور یہ درمیانی وقفہ غالباً دوسرے پاروں کی تفسیر تیار کرنے میں لگا ہوگا۔ تیاری کے اس قلیل درمیانی وقفے کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس ہوتا ہے

کہ ہر جلد یا ہر منزل کی تفسیر کی طباعت کا سنہ ہی اس کی تکمیل کا سنہ ہوگا۔
اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ احسن التفاسیر کی تکمیل کا سنہ ۱۳۲۵ ہجری
سے ۱۳۲۷ ہجری ہوگا۔

مولوی سید احمد حسین نے تفسیر کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ آیتوں کے
بعد ترجمہ لکھا ہے اور اس کے بعد تفسیر۔ آغاز کی عبارت ذیل میں درج کی
جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بعد حمد و صلوٰۃ کے شائقین تلاوت قرآن کو
معلوم ہو کہ تفسیروں کی روایتوں کے موافق اکثر
علماء کے نزدیک قرآن شریف کی قرأت سے
پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کا پڑھنا
سنت ہے[1] جس کے معنے شیطان مردود کی ہر
طرح کی برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی
التجا کے ہیں۔ اس بات پر تو سب علما کا اتفاق
ہے کہ سورہ نمل کی آیتوں میں حضرت سلیمان
علیہ السلام کے قصے میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہے وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے لیکن
الحمد کی یا اور سورۃ کی آیتوں میں بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم ایک آیت ہے یا نہیں اس میں

[1] قرآن مجید کی تلاوت کے وقت پہلے اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے نہ کہ سنت۔

سلف کا اختلاف ہے اور حدیثیں دونوں
جانب ہیں مگر نماز میں تکبیر اور سورہ فاتحہ
کے مابین پکار کر بسم اللہ نہ پڑھنے کی حدیثیں
زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ سوا سورہ فاتحہ
کے اور سورتوں کی بحث اس کے باب میں
حضرت عبد اللہ بن عباس سے ابوداؤد میں
بسند صحیح جو روایت ہے اس کا (۱) حاصل
اسی قدر ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے
کے وقت ایک سورہ کا ختم اور دوسری
سورہ کا شروع معلوم ہو جانے کی غرض سے
بسم اللہ نازل ہوا کرتی تھی۔"

اس عبارت کے بعد سورہ فاتحہ کے تمام کے بارے میں چند سطریں لکھی
ہیں۔ اس کے بعد سلسلۂ عبارت مندرجہ ذیل جملے سے جاری رکھا گیا
ہے:۔

"صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عبد اللہ بن
عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے
کہ ایک دن حضرت جبرئیل آنحضرت صلعم کے
پاس بیٹھے تھے کہ یکایک انھوں نے آسمان
کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور یہ کہا کہ آج
آسمان کا وہ ایک دروازہ کھلا ہے جو اس
سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا۔ اتنے میں ایک فرشتہ

آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ
آپ کو سورہ فاتحہ اور امن الرسول سے
سورہ کے آخر تک ان آیتوں کے نازل
ہونے کی خوشخبری سناتے آیا ہوں کہ یہ
آیتیں ایسے دو نور ہیں کہ آپ سے پہلے
کسی نبی پر نازل نہیں ہوئے۔ اس سورہ
کے اور بھی فضائل حدیث شریف میں
آئے ہیں۔

شان نزول کے بعد سورہ فاتحہ کی آیتیں لکھ کر ان کے نیچے ترجمہ لکھا
ہے:۔

الحمد للہ رب العلمین
سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا

الرحمن الرحیم
بہت ہی مہربان نہایت ہی رحم والا

ملک یوم الدین — ایاک نعبد
مالک انصاف کے دن کا — تجھی کو ہم بندگی کریں

ایاک نستعین
اور تجھی سے مدد چاہیں

اھدنا الصراط المستقیم
چلا ہم کو راہ سیدھی

صراط الذین انعمت علیھم — راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے

سورہ فاتحہ کے ترجمہ کے بعد حسب ذیل تفسیری عبارت ہے:۔

٭ الحمد للہ حمد کے معنی زبان سے تعریف کرنے
کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرما کر
اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
تعریف اس طرح کیا کریں۔ رب العلمین رب
اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے
جس کے معنی مربی کے ہیں یہ لفظ سوائے اللہ
تعالیٰ کے کسی مخلوق کی شان میں بغیر نسبت و
اضافت کے نہیں استعمال کیا جا سکتا۔ ہاں
مخلوق کی شان میں اضافت کے ساتھ استعمال
ہو سکتا ہے مثلاً رب الدار کہہ سکتے ہیں جس
کے معنی گھر کے مالک کے ہوں گے۔ عالمین
عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا
سب مخلوقات کو عالم کہتے ہیں۔ آسمان زمین
کی آبادی جنگل و دریا میں اللہ تعالیٰ کی طرح
طرح کی مخلوقات ہے۔ جن سب کا مربی و
معبود اللہ تعالیٰ ہے اس لئے لفظ عالم کو
جو خود جمع ہے پھر جمع کر کے فرمایا۔ الرحمن
الرحیم صاحب رحمت کے معنوں میں یہ

دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ مالک یوم
الدین کسی چیز کا مالک وہ کہلاتا ہے جس کو
اس چیز میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہو۔
قیامت کے دن ہر طرح کی جزا و سزا کا اختیار
خاص اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس
واسطے اپنے آپ کو اس دن کا مالک فرمایا۔
ایاک نعبد شروع سورہ سے یہاں تک
حمد و ثنا کا ذکر تھا اور حمد و ثنا ممدوح کی غائبانہ
حالت میں اعلیٰ درجہ کی حمد و ثنا کہلاتی ہے
اس لئے یہاں تک غائب کے صیغے تھے اس
آیت سے دعا کی حالت شروع ہوئی اور
دعا میں حاضری مناسب ہے اس واسطے
اللہ تعالیٰ نے طرز کلام کو بدل دیا ایاک
نعبد کے معنی اس طرز کلام کے موافق یہ ہوئے
کہ یا اللہ سوا تیری ذات کے اور کسی کی
عبادت ہم نہیں کرتے۔ کیونکہ تو نے ہی
ہم کو پیدا کیا اور تیری ہی ہدایت سے ہم کو
عبادت کی توفیق ہوئی۔ و ایاک نستعین
اور یا اللہ ہماری قابل قبول عبادت میں
شیطان کا وسوسہ اور خواہش نفسانی
ہر طرح سے مانع ہے اس لئے ہم تیری

ذات پاک سے قابل قبول عبادت کے
ادا ہونے کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ جس
عبادت میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوگا
اس میں خلل نفس اور ریاکاری کا اور
جس عبادت میں خواہش نفسانی ہوگی
اس میں بدعت کا اندیشہ ہے اور
عبادت کا یہ اندیشہ اور نقصان بغیر
تیری مدد کے رفع نہیں ہو سکتا۔ اھدنا
الصراط المستقیم مسند امام احمد
اور مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ
ابن مسعود سے بسند معتبر روایت ہے
جس میں خود صاحب وحی علیہ السلام نے لفظ
صراط مستقیم کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ
صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے
اس لئے اب کسی دوسری تفسیر کی
ضرورت نہیں۔ اس تفسیر کی بنا پر
آخر سورہ تک کی دعا کا حاصل یہ ہے
کہ یا اللہ جس طرح تو نے اپنے فضل
سے ہم کو اسلام کے راستہ پر لگایا
ہے اسی طرح تا قیامت ہم کو اسی راستہ
پر قائم اور ثابت قدم رکھ کیونکہ یہ

واسطہ انبیاء اور ایسے کامل دینداروں کا
ہے جن پر تو نے اپنی طرح طرح کی دین و دنیا
کی نعمتیں ختم کی ہیں اور پچھلی امتوں کے جو لوگ
راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اور ان کی
اس گمراہی کے سبب سے تو ان سے ناراض
اور ان پر تیرا غضب ہے ان کی چال اور
روش سے ہم کو بچا۔ حضرت عبد اللہ بن
عباس فرماتے ہیں کہ الذین انعمت
علیہم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی
امت میں وہ لوگ ہیں جو اپنے دین پر قائم
رہے۔ مسلم وغیرہ کی صحیح روایتوں کے
موافق سورہ فاتحہ کے ختم کے بعد آمین کہنا
سنت ہے۔ امام مالک، شافعی اور امام
احمد کے نزدیک سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک
رکن ہے بغیر اس کے ان کے نزدیک نماز
نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہؒ اس کے مخالف
ہیں۔ دلیلیں جانبین کے مذہب کی فقہ
(کی) کتابوں میں ہیں۔ اس سورہ کی اول
کی آیتوں میں اللہ کی تعریف اور آخر
کی آیتوں میں بندوں کی طرف سے بارگاہ
الٰہی میں دعا ہے اسی واسطے حدیث قدسی

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھ میں اور
میرے بندوں میں اس سورۃ کی نصف نصف
کی تقسیم ہے۔ صحیحین وغیرہ میں جو حدیثیں
ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ امام مقتدی
منفرد کسی کی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے پڑھنے
کے نہیں ہوتی۔

مفسر نے احسن التفاسیر میں ترجمہ شاہ عبد القادر کا رکھا ہے اور
تفسیری عبارت خود مفسر نے لکھی ہے۔ تفسیر سیدھی سادی اور سرسری
انداز کی ہے۔ نکات بیان نہیں کئے گئے۔ "الرحمٰن الرحیم" کی تفسیر
نہیں کی گئی صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ "الرحمٰن الرحیم صاحب رحمت کے
معنوں میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں" "ایاک نعبد" کے معنی میں حصر
کی بجائے حرف استثناء سے کام لیا گیا ہے۔ "یا اللہ سوا تیری ذات
کے اور کسی کی عبادت ہم نہیں کرتے"۔ "وایاک نستعین" کے معنی میں نہ
حصر ہے نہ استثناء۔ لکھا ہے:۔

"اور یا اللہ ہماری قابل قبول عبادت میں
شیطان کا وسوسہ اور خواہش نفسانی
ہر طرح سے حارج ہے اس لئے ہم
تیری ذات پاک سے قابل قبول عبادت
کے ادا ہونے کی مدد چاہتے ہیں"۔

حصر کے ساتھ جملہ اس طرح ہو سکتا تھا۔ "..... اس لئے ہم
تیری ہی ذات پاک سے قابل قبول عبادت کے ادا ہونے کی مدد چاہتے

ہیں"۔

اسی جزو آیت کی تفسیر میں حرف استثناء کا استعمال مذکورہ فقرے سے کہیں دور ہوا ہے۔

"... اور عبادت کا یہ اندیشہ اور نقصان
بغیر تیری مدد کے رفع نہیں ہو سکتا"۔

"صراط الذین انعمت علیہم" کی تفسیر تشنہ ہے۔ لکھا ہے "... یہ راستہ انبیاء اور ایسے کامل دینداروں کا ہے جن پر تو نے اپنی طرح طرح کی دین دنیا کی نعمتیں ختم کی ہیں"۔ "دینداروں" کے لفظ سے تفسیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ آیت "انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین" سے قرآن خود اس کی تفسیر کرتا ہے۔ صاحب تفسیر کے فقرے "جن پر تو نے اپنی طرح طرح کی دین دنیا کی نعمتیں ختم کی ہیں"۔ میں نعمتوں کا ختم کرنا عجیب لگتا ہے۔ بوقت تفسیر آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" شاید مفسر کے ذہن میں تھی اور "واتممت علیکم نعمتی" کے تحت "نعمتیں ختم کی ہیں" ترجمہ کر دیا۔ حالانکہ "تمام و کمال نعمتوں سے سرفرازی" اور "ایسی سرفرازی جس کے نتیجہ میں خدا کی نعمتیں (نعوذ باللہ) ختم ہو جائیں" بہت فرق ہے۔ "الذین انعمت علیہم" کی تفسیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رض کی روایت کا سہارا لے کر مفسر سر سید احمد خان اور سامراج حکومت کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "الذین انعمت علیہم

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت میں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے دین پر قائم رہے"۔

تفسیر کی زبان آسان اور سیدھی سادی ہے۔ گو مفسر کا تعلق کبھی شمالی ہند سے رہا ہے لیکن تفسیر کی زبان میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔ جو اس دور کی جدید نثر میں پیدا ہو گئی تھیں۔ عبارت اگرچہ قافیہ اور سجع سے آزاد ہے اور زبان میں روزمرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن فقرے چست نہیں ہیں مثلاً "حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت میں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے دین پر قائم رہے"۔ "سورہ فاتحہ کے ختم کے بعد آمین کہنا سنت ہے"۔ "امام اور مقتدی منفرد کسی کی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے نہیں ہوتی"۔ وغیرہ۔

ج۔ منظوم تراجم وتفاسیر

ریاض دلکشا

(تفسیر سورۂ یوسف)

"ریاض دلکشا"[1] سورۂ یوسف کی مکمل تفسیر ہے۔ یہ مثنوی کے قالب میں ڈھالی گئی ہے۔ مؤلف کے نام اور حالات کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہ ہو سکیں البتہ اس تفسیر کے اشعار سے اس کے امامیہ مذہب سے ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ آیات قرآنی نقل کر کے تفسیر و ترجمہ نظم میں کیا گیا ہے۔ درمیان میں متعدد عنوانات بھی قائم کیے گئے ہیں۔ آغاز حمد سے ہوا ہے۔ بعد بسملہ حمد کے تعلق سے عنوان سرخی سے یہ لکھا ہے:۔

اسی سے ہے امید رستگاری — کہ عنوان سخن ہے حمد باری

[1] مخطوطہ نمبر (۲۰۸) سائز (۱۳/۸) صفحات (۲۹۲) دو کالم۔ سطر فی صفحہ (۲۰) شعر۔ کتب خانہ آصفیہ۔

حمد کے ابتدائی تین شعر ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:۔

کروں حمید و ثنا[1] رب اکبر — قلم کا کلک قدرت ہو جو یاور
ادا سے حمد ہو ہی نہ سکے بجا — گرہ دل کی وہ ہو عقد ثریا
ہے ارفع کنگرہ ایوان درگاہ — کمند فکر کا ہے ہاتھ کوتاہ

حمد کے بعد نعت اور پھر منقبت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہے۔ منقبت سے چند اشعار ذیل میں پیش ہیں ان سے شاعر کے امامیہ عقیدے کی توثیق ہوتی ہے:۔

علی کی باب میں نص جلی ہے — ولی اللہ محمد کا وصی ہے
علی ہے بخت خلاق عالم — علی ہے راز سبحانی کا محرم
علی نے کوہ میں نیزہ کو گاڑا — اک انگلی سے در خیبر اکھاڑا
علی کا ہو بچا ان کیوں کر نہ تھا گل — لیا جب نام حق آسان تھا کل

سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ قصے کہانیاں سننے کا شوق عام طور پر سبھی کو ہوتا ہے۔ لیکن لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ ان میں جھوٹ اور سچ کی کتنی آمیزش ہوتی ہے۔ لوگ تو اس سے باز نہیں آتے اس لیے شاعر نے قصہ یوسف کو منظوم پیش کیا ہے کہ اس میں جھوٹ کو بالکل دخل نہیں ہے۔ اس حصے سے چند شعر پیش ہیں:۔

سر قرطاس پر خامہ رواں ہے
سبب تالیف کا ہوتا بیاں ہے

کہانی جس جگہ ہو یا کہ قصہ — بہم ہوتے ہیں خاص و عام ادنیٰ
نہیں کرتے ہیں صدق و کذب پہ غور — تمیز اس میں سنا سب ہے بہرطور
مناہی سے نہیں ڈرتے یہ بہمات — ضلالت میں بسر کرتے ہیں اوقات

[1] یہ لفظ ثنا لکھا ہوگا۔ کتابت کی غلطی ہے

نہیں چلتا بہ بیرد امر الٰہی ‏— دیا ظلم و بدعت کے یہاں رواج ہے

چند شعر کے بعد لکھا ہے:۔

تو میری بھی طبیعت میں یہ آیا ‏— کہ موزوں کیجئے موزوں وہ قصا

درد و رنج و کرب کے جس میں جا ہو ‏— صداقت کا سراپا مدعا ہو

کوئی ایسا فسانہ تو کہاں تھا ‏— و لیکن حضرت یوسف کا قصا

کہ احسن اس کو قصوں میں کہا ہے ‏— گواہ اس امر پہ یاد خدا ہے

اسی طرح آگے لکھتے ہوئے شاعر نے اپنا مدعا بیان کیا ہے اور ان ہی اشعار میں تفسیر کا نام "ریاض دلکشا" ملتا ہے۔

یہی ہے آرزو میرے الٰہی ‏— تمنا ہے جناب کبریا سے

کہ میرا مدعا سب دل کا ہو پورا ‏— نہ رہ جائے یہ افسانہ ادھورا

الٰہی ہو بخیر انجام اس کا ‏— ریاض دلکشا ہے نام اسکا

سورہ کی شان نزول بیان کرنے کے بعد سورہ یوسف کے احسن القصص ہونے کی توجیہ بڑے انوکھے انداز میں کی ہے۔ اس میں شاعر نے حضرت یوسف علیہ السلام اور امام الشہداء سیدنا امام حسین علیہ السلام اور امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات و مصائب میں مطابقت پیدا کی ہے۔

یہ جانو تم کہ قصہ کربلا کا ‏— حسین تشنہ لب کی جو کہ ہوگا

حکایت سے وہ یوسف کی یقیناً ‏— بعینہ ہی نہیں ہے فرق اصلا

اس سلسلے میں بڑی تفصیلات سے کام کیا ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدین کے آلام سے مطابقت کی ہے:۔

پدر کو اور حسین کو یاد کرتا ‏— فغاں کرتا وہ آہ سرد بھرتا

یہ سب آلام جو یوسف پہ گزرے ‏— بہت ملتے ہیں زین العابدین سے

قصے کے بیان میں متعدد ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں مثلاً "یوسف کی ولادت کا حال" "بنیامین کی ولادت" وغیرہ۔

ذیل میں منظوم ترجمے و تفسیر کا نمونہ نقل کیا جاتا ہے:۔

"قال رب السجن احب الی مما
یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن
اصب الیھن واکن من الجاھلین"۔

کہا اے رب تو داور داد گر ہے ‏— مری نزدیک زنداں دوست تر ہے

اوس امر و نہی یہ سب ہیں جسکے خواہاں ‏— کہ رغبت اونکی ہے انکو فراواں

نہ رکھے گا جو مکر اونکے سے تو باز ‏— کروں گا چارہ ناچار اونکی میں ساز

طلب سے نفس کے تو شل ہو نادان ‏— میں ہونگا زشت اعمالوں کا خواہاں

"دوست تر" اگر روزمرہ کے مطابق ہوتا تو یہ مصرعہ "میرے نزدیک زنداں دوست تر ہے" آیت "السجن احب الی" کا اچھا منظوم ترجمہ ہوتا۔ دوسرے شعر میں "مما یدعوننی الیہ" میں "نی" (مجھے) ترجمے سے چھوٹ گیا اسی طرح تیسرے شعر میں "عنی" کا پورا ترجمہ (مجھ سے) نہیں کیا گیا۔ تاہم "نہ رکھے گا جو مکر ان کے سے تو باز" "والا تصرف عنی کیدھن" کا اچھا ترجمہ ہے لیکن "اصب الیھن" کے ترجمے میں "چارہ ناچار ساز کرنا" کھٹکتا ہے۔ اسی طرح "واکن من الجاھلین" کا ترجمہ "میں ہونگا زشت اعمالوں کا خواہاں" بھی جی کو نہیں لگتا۔ بات یہ ہے کہ تمام ترغیبات کے ہوتے یوسف علیہ السلام نے ان سے بچے رہنے کی جو

اپنے پروردگار سے درخواست کی ہے اور اس میں بھی حدِ ادب کو ملحوظ رکھے اور اپنی کمزوریوں کا احساس رکھتے ہوئے اپنی بے بسی اور معصومیت ظاہر کی ہے وہ بات اس ترجمے و تفسیر میں بالکل پیدا نہ ہو سکی۔

ایک اور آیت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:۔

"اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ
ابی یات بصیرا واتونی باھلکم
اجمعین"

کہا یوسف نے اپنے بھائیوں سے | تم اس کرتے کو لیجاؤ یہاں سے
پس اس کو ڈالنا روئے پدر پر | کہ آ جائے روشنی آنکھوں کے اندر
اور آؤ پھر سب کو لے کر پاس میرے | زن و مرد و کنیزک اور بندہ
یہ جس دم بھائیوں کو کام سونپا | تو بستہ کر کے یہ بولا یہودا
کہ پہلا بھی اخوان آیا کرتا | پدر کے سامنے میں لے گیا تھا
کیا تھا ذلیل اور دکھ پہنچے | وہ خونِ پیرہن دکھلا کے میں نے
تو یوسف نے کہا ایسا ہے ہوگا | دوبیرا ابکہ اوسی دم اوسکو سونپا
یہودا کی جو باقاعدہ آیا یہ دولت | ہوا اخوان کو لے کر وہاں سے رخصت

اذھبوا بقمیصی ھذا کا ترجمہ "تم اس کرتے کو لیجاؤ یہاں سے"۔ اصل میں "میرے اس کرتے کو لیجاؤ" ہونا چاہیے تھا۔ اس میں لفظ "میرے" بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ "فالقوہ علی وجہ ابی" کے ترجمے میں "پس اس کو ڈالنا روئے پدر پر" میں شاعر نے پدر کے ساتھ لفظ "میرے" غیر ضروری کہا۔ لیکن "بقمیصی ھذا"

میں یائے نسبتی اور اسم اشارہ قریب دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ جیسا کہ پچھلے اوراق میں پرانی گجراتی اردو میں سورہ یوسف کے ترجمے کے سلسلے میں ذکر کیا جا چکا ہے ان دونوں لفظوں کے ترجمے کی خصوصیت اور اہمیت کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان سے حضرت یوسف کے اس خاص پیرہن کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نار نمرود میں پھینکے جاتے وقت زیب تن کئے ہوئے تھے اور جب حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالا گیا تو ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ "فالقوہ" میں صیغہ امر کا جو زور ہے وہ اس ترجمے میں "ڈالنا" سے پیدا نہ ہو سکا۔ ع

"پس اس کو ڈالنا روئے پدر پر"۔

"یات بصیرا" کے معنی میں مختلف مفسرین کے ہاں جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس کی طرف پچھلے اوراق میں روشنی ڈالی گئی ہے مختصر یہ کہ "یات" کے معنی "بصیرا" سے جا ملیں تو زیر نظر نظم میں معنی کا سالم ترجمہ نہ سہی تاہم مفہوم پورا ہو جاتا ہے اور اگر "یات بصیرا" میں فعل "یاتی" کا فاعل حضرت یعقوب ہوں اور "بصیرا" فاعل کی حالت کو ظاہر کرتا ہو تو ترجمہ یہ ہوگا "وہ دیکھتے ہوئے (میرے پاس) چلے آئیں گے"۔ ایسی صورت میں نظم کا مصرعہ "کہ آ جائے روشنی آنکھوں کے اندر" کی بجائے یہ ہونا چاہیے۔

ع۔ "کہ آئے روشنی آنکھوں میں لے کر"

سورہ یوسف کے منظوم ترجمے کو "بیاض و کش" سے موسوم کرکے

---

[1] "اذھبوا بقمیصی ھذا وھو قمیص ابراھیم الذی لبسہ حین القی فی النار کان فی عنقہ فی الجب وھو من الجنۃ امرہ جبریل بارسالہ وقال ان فیہ ریحھا ولا یلقی علی مبتلی الا عوفی"
(تفسیر جلالین)

شاعر نے یقیناً جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ ترجمے کے مابین سطور اگر قرآن
کی آیتیں لکھی نہ جاتیں تو اس کو "سورہ یوسف" کی بجائے "قصۂ یوسف" سے
تعبیر کیا جا سکتا تھا اور اس طرح ترجمے کے اصول و ضوابط کی پابندی اور
قرآنی الفاظ کے ملحوظ رکھے جانے کی ذمہ داری سے شاعر بری ہو جا
سکتا تھا۔ شاعر کا منشا بھی غالباً یہی تھا چنانچہ "سبب تالیف" کے
تحت اشعار اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ وہ حضرت یوسف کا قصہ
نظم کرنا چاہتا ہے :-

کوئی ایسا فسانہ تو کہا نہ تھا
ولیکن حضرت یوسف کا قصہ

کہ احسن اسکو قصوں میں کہا ہے
گواہ اس امر پر یادی خدا ہے

لیکن اس نظم کے آخری شعر سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے اور
صاف طور پر اس کو سورہ یوسف کی تفسیر لکھا ہے :-

ہوا جب سال ختم تحریر
جو لکھی سورہ یوسف کی تفسیر

منظوم قصۂ یوسف کی حیثیت سے مثنوی "ریاض دلکش" اردو ادب
میں ایک خاص مقام پانے کی مستحق ہے۔ قرآن کے اس قدیم ترین قصے کو
ریاض دلکش کے نئے نام کے ساتھ ساتھ نیا رنگ و آہنگ بھی بخش گیا
ہے۔ گویا شراب کہنہ کو جدید جام میں پیش کیا گیا ہے جس کے رنگ و بو
میں ہندوستانیت ہے۔

قصے کی ابتدا ہمارے ادب کی قدیم داستانوں ہی کی طرح ہے۔
شاہ مغرب طیموس کی لڑکی زلیخا نے جس کا نام راعیل اور زعایل دونوں
طرح بتایا گیا ہے سات سال کے سن میں بعالم خواب حضرت یوسف کو
دیکھا تھا۔ اسی وقت سے دل میں ان کی محبت نے جگہ کر لی تھی۔ سن رشد

کو پہونچنے اور پھر یوسف علیہ السلام کو بعالم بیداری دیکھ پانے کے بعد
تو آتش شوق بھڑک اٹھی۔ بحیثیت مجموعی زلیخا کے جذبات کی ترجمانی اور
واقعہ نگاری بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔ چند اشعار پیش ہیں :-

زلیخا تھی گو از خود فراموش
محبت میں نہ تھی اوسکی بیہوش

بھڑکتی عشق کی آتش تھی ہر چند
اوسی رکھتی تھی تھی وہ خردمند

بہت تھے صبر کو کرتی گوارا
مگر جو اس کی تھا اوسکو نہ چارا

کہ دم بھر روبرو اوس نازنین کے
بعد ناز و ادا یہ آ کہ بیٹھی

کری اوس سی بہم حرف و حکایات
جواب اوسکا وہ دے پوچھے جو بات

جو ہوتا تھا نہایت شوق طاری
بہت ہوتی تھی دل کو بیقراری

تو اوس کے پاس سی اوٹھ کر وہ طناز
روش کی اپنی دکھلاتی تھی انداز

حسن یوسف نے زلیخا سے اس کا چین سکھ چھین لیا۔ اس کی بیقراری
اور آہ و زاری پر اس کی دایہ کو رحم آنے لگا۔ یہ دیکھ ہونے پر وہ دایہ سے
جب یوسف کا حال بیان کرتی ہے اس کے چند شعر پیش ہیں :-

ستم یہ زلف نے اوس کی کیا ہے
مرا دل اپنی پھندے میں لیا ہے

ہوئی ہوں دلسی اوسکی داغ عشق
جگر سینہ میں ہے پر کالہ عشق

نظر آتا ہی جب وہ ماہ تمثال
تو ہو جاتا ہی میرا غیر احوال

نہیں حیرت سی رہتا ہوش بر جا
کہوں اوس سی جو دردِ دل کہ اپنا

یہ ای مادر وہی ہے نیک اقبال
وہی بی شکل ہی یہ حور تمثال

کہ جس کا خواب میں دیکھا تھا نقشہ
ہوئی تھی جان و دل سی جسکے شیدا

اگرچہ سن میں تھی میں ہفت سالہ
وہ مہ تھا اور میں تھی اس کا ہالہ

عام قدیمی داستانوں کی ہیروئن کی طرح ریاض دلکش کی زلیخا بھی

خوبصورتی میں بھا معروف نہیں رکھتی۔ شاعر نے اس کے سراپا میں تشبیہوں اور صنائع و بدائع کا بھی کمال دکھایا ہے۔ چند شعر ذیل میں نقل کئے گئے ہیں :۔

زلیخا سرو قامت تھی گل اندام — کمند عاشقاں زلف سیہ فام
شبیہہ اوس کی جو عارض سی بھی پاتا — نہیں گل باغ میں پھولا سماتا
تھی اوصاف وہ اوس کی روشنی کی — جو ہو آگاہ محشر کے چلن سے
جو چلنے میں قدم کو اوس کی جھومے — تو محشر آپ اپنی چال بھولے
اگر تقریر میں کلام پہ وہ آئے — پس آئینہ طوطی کو بٹھائے
جو ذکر موئے سر آئے سر مو — تو مشک و عود کے کافور ہو بو
وہ گیسو سر سے اوس کی جا پایا تھا — مزا تھا نور و ظلمت ایک جا تھا
دوپٹہ کا زمیں پر گر کے آنچل — دکھاتا تھا عجب خوبی کی چھل بل
کھنچا آنچل جو ہتھیلی سے گر کر — گری بجلی سر کاؤ زمیں پر
جمال دہن کے کیا ہو بیاں اب — بھی آگئی جس کے ٹھنڈا نور حجاب
نہیں بھی ماہ کا یہ گرد ہالہ — طبیعت نے یہ بھی مضمون نکالا
عیاں حلقہ بگوشی کا اشارہ — غلام باکمال اوس کا قمر ہے
نقاب الٹی جو رخ کا وہ پری چہر — ہوئی تھی چہرہ رخ پر افروختہ مہر
جو نقشہ کھینچ لیں اوس رخ کا — تو دل ہو آب نقاش لاچین کا

لیکن اس رنگین کا حسن اور ناز و انداز بھی حضرت یوسف کو دام میں نہ پھانس سکے تو دایہ ان کے وصل کا کوئی اور راہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے :۔

ہوئی ترغیب میں یوں مصروف مشغول — کئی اوصاف حسن و عشق معمول

زلیخا کا بیان حسن و خوبی — کہ وہ مہرو تھی جان حسن و خوبی

ان تمام ترغیبات اور قبیح ماحول میں حضرت یوسف کے پاک اور ستھرے کردار کے ثبوت کے لئے ایک ہی شعر کافی ہو جاتا ہے :۔

بہت دام فریب اوس نے بچھایا — مگر وحشی وہ پھندے میں نہ آیا

اس لئے دایہ ایک خلوت خانہ بنام صنم خانہ تیار کرنے کی تجویز پیش کرتی ہے اور وہ بھی ایسا صنم خانہ جس میں

منقش ہو بشکل عجیبہ — ہوں ہر جانب تصاویر غریبہ
رقم ہر جا ہو اوس میں ایسی تصویر — کہ یوسف سے زلیخا ہو بغل گیر
ہو اوس تصویر کا ایسا قرینہ — کہ لب سے لب بہم سینے سے سینہ
تو شاید دیکھ کر وہ مہ شمائل — زلیخا کی ہو نزدیکی کا مائل

چنانچہ ایک خلوت خانہ تیار کیا گیا۔ یہاں شاعر نے مرقع نگاری کا کمال بنایا ہے۔ خلوت خانے کے بتوں میں وحوش و طیور کے نقشے جائے گئے۔ پھر تختے کے اندر جواہرات سے مرصع تخت بچھے تھے۔ زر خالص سے بنائی گئیں کنیزیں طلائی طشت اور زریں ابریق ہاتھ میں لی ہوئی تھیں۔ دوسری کنیزوں کے ہاتھ میں چاندی کے مجمر تھے۔ ہر قبے میں ایک منقل زر جو مشک و عود و عنبر سے روشن تھا۔ ہر دروازے پر جواہرات کا طاؤس بٹھایا گیا تھا۔ مختصر یہ کہ ایک ایسا شاندار خلوت خانہ تیار کیا گیا جس کے متعلق سے بیان کیا گیا ہے کہ :۔

جہاں تک تھا ادعا صورت گری کا — او تھیں زمان یہ پہنچا تھا اوسکا
دکھاؤ اپنی اپنی دستکاری — بناؤ یوں شبیہیں اوس میں ساری
کہ یوسف سے زلیخا ہو بغل گیر — نہ اس سی ایک بھی خالی ہو تصویر

ن اس صورت سے خالی ہو کوئی جا — یہاں ہر شش جہت میں ہو یہ نقشا

ایسے خلوت خانے میں عاشق و معشوق ملتے ہیں تو عاشق کو اب اپنے محبوب کے وصل کی پوری پوری امید ہوتی ہے۔ زلیخا کو اپنی تمام تدبیروں پر ناز ہے۔ اسے اپنا ہر حربہ مطلب براری کے لئے کارگر دکھائی دیتا ہے۔ ہر قدم پر کامیابی کا استقبال کھڑی نظر آتی ہے۔ زلیخا اظہار مدعا میں جذبات سے بتدریج مغلوب ہوتی جاتی ہے۔ اظہار کے ہر مرحلے پر حضرت یوسف کا پامردی، مستقل مزاجی اور پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہایت سلجھے انداز میں جواب سے زلیخا کے ارمانوں کا خون ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں مکالمے کے چند شعر پیش ہیں:-

کہ ای یوسف تو ہی کہہ بہ خوشرو — تو یہ بولے کہ اسکو کر یقین تو
مری جو خوبروئی کا سبب ہے — وہ خالق ہی مرا وہ میرا رب ہے
محبت اوس کی ہی ہم سبکو درکار — وہی ہے عشق و الفت کا سزاوار
یہ اس صانع کی ادنای ہی صنعت — بنائی رحم مادر میں یہ صورت
وہ بولی حسن رخ فی تیری دلدار — کیا ہی تجکو میری لاغر و زار
تو یوسف نی کہا یہ ای زلیخا — کیا شیطان نی ہی یہ حال تیرا
تو بولی وہ ز راہ ناشکیبی — ہی آنکھوں میں تیری کیا دلفریبی
کہا اس چشم کی ہی چشم امید — مجھی رحمت کی اپنی رب سے جاوید
کہا کیا زلف پیچاں ہے یہ جعد — کہ جس کی ہو رشتہ جاں ہی مقید
تو فرمایا بلا میں سب سے پہلے — یہی ہو گے جدا سر سے ہمارے
کہا ای یوسف صدیق ہر چند — میں تجھ کو چاہتی ہوں وصل پیوند

مجھی مد نظر ہی مجھ سی دوری — نہیں ہوتی مری امید پوری
کہا دوری میں تیری ہی یہ مطلب — کہ ہی وہ باعث نزدیکیٔ رب
کہا سینہ پہ میری ہاتھ رکھو — تشفی اوس سی ہو تو مری دل کو
تو فرمایا وہ دست بی قرینہ — چھوا جس نے کہ نا محرم کا سینہ
جلانے کا ہوا وہ ہاتھ اسباب — نہیں ہی نار دوزخ کی مجھی تاب
کہا الفت نی تیری ای گل تر — لگا دی آگ ہی سینے کے اندر
جلو تکو کیوں جلاتے ہو اب آؤ — تم آب لطف سی اس کو بجھاؤ
تو فرمایا جو پھر دکوں اوس پیمانے — تو آتش میں جلوں قہر خدا کے
کہا اسنی مجھی دو ہاتھ اپنا — یہ بولی یہ کبھی صورت نہ ہوگا
عذاب آخرت پیش نظر ہی — سلاسل کا قیامت کے خطر ہے
کہا اوسنی کہ آگئی آمری جاں — یہ بولی قید محشر سی ہوں ترساں
وہ بولی میری جانب کو نظر کر — کہا ہی دہشت کوری محشر
کہا فرش حریر و خدو دیبا — کیا ہی واسطی تیری مہیا
کیا ہی غیر سی منزل کو خالی — نہیں ہی غیر تصویر نہالی
کرو اس فرش پر اب گرم صحبت — میسر ہو ہم آغوشی کی دولت
قرآن مہری پائی شرف جاہ — بر آئی خواہش دل حسب دلخواہ
کہا صدیق نے یوں آشکارا — کہا کیونکر کروں اس کو گوارا
قضا حاجت کا اس دنیا کی کرنا — یقینی سی ہی جنت کی گزرنا
کی صورت نہیں یہ چاہتا ہوں — کہ جنت کو میں اپنی ہاتھ سی دوں

مثنوی کی زبان صاف ہے۔ فارسی کے الفاظ زیادہ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ضرورت شعری کے تحت مجبوراً استعمال کئے

گئے ہیں۔ خاتمۂ مثنوی کے اشعار سے اس کی تصنیف کا سنہ ۱۲۸۱
ہجری معلوم ہوتا ہے اور قیاس ہے کہ سنہ کتابت بھی یہی ہوگا۔

کیا تاریخ کا موزوں ارادہ — کہ یہ منظور ہی اس کا زیادہ
ہوا ابن جد سال ختم تحریر — جو لکھی سورۂ یوسف کے تفسیر

سنہ ۱۲۸۱ ہجری

دکنی زبان میں یوسف زلیخا کے قصے کو اکثر شعراء نے نظم کیا ہے اور
بڑی طویل مثنویاں تصنیف کی ہیں جن میں سے ہاشمی کی مثنوی یوسف زلیخا
تقریباً چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ بعد کے ادوار میں بھی یہ قصہ منظوم
کیا جاتا رہا ہے چنانچہ اسی مقالے میں اسی موضوع پر ایک نظم کا جائزہ
لیا جا چکا۔ ان دونوں نظموں کی نوعیت دوسری مثنویوں سے اس
خصوصیت میں مختلف ہے کہ ان مثنویوں میں محض قصہ نگاری نہیں بلکہ
قرآن کی آیات نقل کرتے ہوئے ان کا ترجمہ بھی بیان کیا گیا ہے اور اس
کے بعد تفسیر کے ضمن میں وہ تمام تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو اس قصے
کے ساتھ منسوب ہو گئی ہیں اس طرح یہ دونوں مثنویاں ترجمہ، تفسیر
اور کہانی تینوں کا خوشگوار امتزاج بن گئی ہیں۔

۲۔ منظوم ترجمۂ قرآن مجید

آغا شاعر قزلباش دہلوی

۱۳۳۱ھ

منظوم ترجمہ قرآن مجید دراصل پارہ الٓمّ کا ترجمہ ہے۔ کہیں کہیں
ہلالین میں تفسیری الفاظ بڑھا دیے ہیں۔ مترجم آغا شاعر قزلباش ہیں
ان کا نام آغا مظفر بیگ قزلباش اور تخلص شاعر ہے۔ یہ سنہ ۱۸۷۱ء
میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ پہلے
غالب سے اصلاح لیتے تھے پھر داغ کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے
حالی، ظہیر، مجروح، غالب، ثاقب اور راسخ ان کے ہم عصر
تھے۔ "تیر و نشتر" ان کا پہلا دیوان ہے۔ یہ فرزان پریس لاہور
سے سنہ ۱۹۰۶ء میں چھپا۔ دوسرا دیوان بھی تیار تھا لیکن چھپ نہ
سکا۔ ڈاکٹر عبدالوحید نے "جدید شعرائے اردو"[1] میں ان کے حالات

---

[1] جدید شعرائے اردو ص ۵۵۰۔

تلمذ کئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ :

"آغا مظفر بیگ قزلباش نام شاعر تخلص تھا
سنہ ۱۸۷۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم
متداولہ کی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی۔ نواب
احمد سعید خاں طالب کے فیض صحبت اور مرزا
شجاع الدین خاں تاباں کی حوصلہ افزائی
نے اور بھی چار چاند لگائے۔ اسی لئے اوائل
عمر میں شاعری شروع کی اور طالب سے
اصلاح لینے لگے۔ مشاعروں میں شرکت
کے بعد داغ کے حلقۂ تلامذہ میں داخل
ہوئے۔ ایک دن میں چار پانچ سو اشعار
کہہ لیتے اور مشاعروں کے لئے شاگردوں
کو دے دیتے۔ اس دور کے اساتذہ
مثلاً حالی، ظہیر، مجروح، طالب
ثاقب، راسخ ان کی ذہانت طباعی
اور سلاست بیان کے معترف تھے"

آگے لکھتے ہیں کہ :

"پچیس تیس سال کی عمر میں تلاش معاش
میں حیدرآباد گئے۔ داغ زندہ تھے مہاراجہ
سر کشن پرشاد سے سفارش کی تو انہوں
نے زمرۂ شعراء میں ملازم رکھ لیا۔ وہ یہاں

عرصہ تک رہے اور پھر ناٹک کمپنیوں کا رخ
کیا اور ڈرامے لکھ کر کلکتہ میں زندگی گزارتے
رہے۔ دو تین سال تک بیگم صاحبہ مرشدآباد
کے داماد نواب نصیر الملک سفیر ایران کی
خدمت میں گزارے وہیں سے افتخار الشعراء
خطاب پایا۔ پھر وہ ریاست جھالاواڑ میں
دس سال تک درباری شاعر کی خدمت
انجام دیتے رہے۔ یہیں سے رسالہ
"آفتاب" جاری کیا۔ اور مہاراجہ جھالاواڑ
کی فرمائش پر رباعیات عمر خیام کا ترجمہ کیا
جو فیروز سنز لاہور سے خمکدۂ خیام کے نام
سے چھپا۔ مرثیہ خوانی بھی کرتے ان لئے
خیرپور اسٹیٹ دو تین سال تک جاتے
رہے۔ پھر دہلی گئے اور وہیں انتقال کیا۔
پہلا دیوان "تیر و نشتر" سنہ ۱۹۰۶ء
میں مخزن پریس لاہور سے چھپا لیکن دوسرا
دیوان تیار ہونے کے باوجود نہ چھپ سکا۔
نثر کی کتابوں میں "قتل بے نظیر" سے
شہرت پائی۔"

آغا شاعر پرگو تھے ایک دن میں چار پانچ سو شعر کہہ لیتے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی پرگو شعری صلاحیت نے قرآن مجید کی

طرف بھی رخ کیا۔ اور منظوم ترجمہ کی پیش کشی کے ذوق نے ایک حسین
وجہ یہ تراش لی کہ " اردو ترجموں کی قدیم و جدید شان دیکھنے کے بعد جبکہ
غیر مذاہب کی مقدس کتابوں کو طرح طرح کی شکل و صورت میں نشر ہوتا
ہوا دیکھا گیا۔ انجیل۔ وید۔ گیتا۔ گرنتھ وغیرہ مختلف زبانوں کے نظم و نثر
میں محض اشاعت کی غرض سے پائے گئے تو اس کتاب برحق یعنی قرآن
مجید کے نظم ترجمہ کا بھی القا ہوا۔" آگے مقدمہ میں سنہ ترجمہ اور اس
کام کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:۔

"چنانچہ ۴ برس ہونے کو آئے رمضان المبارک
سنہ ۱۳۳۱ھ میں ۳۔ ۴ رکوع کا منظوم ترجمہ
ملک میں پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ایسے ناگوار
اور مسلسل واقعات پیش آئے جنہوں نے اس
اہم اور بے انتہا مفید کو روک دیا۔ اللہ تعالیٰ
کی مرضی ایسی ہی تھی۔ اب خدا کو پھر منظور ہوا
کہ یہ کام کسی حد تک پورا کروں اس لئے اس
پہلے پارے کا منظوم ترجمہ نہایت سلیس اردو
میں حاضر کر دیا (وما توفیقی الا باللہ)"۔

آگے مقدمہ میں شاعر نے اپنے ترجمہ کے مصدقہ علمائے کرام و مشاہیر
وقت ہونے کی سند اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کی ہے:۔

"یہ ترجمہ جیسا بھی ہے بہر حال آپ کی قدردانی
اور انصاف کے حوالے ہے الحمد للہ
علی احسانہ کہ علمائے کرام نے اس

کی تصدیق کی ہے اور مشاہیر وقت اس کے
معترف ہیں"۔

آغا شاعر نے اپنے منظوم ترجمے کے تعلق سے مقدمے میں حسب ذیل
چند ضروری باتیں بتائی ہیں۔

۱۔ "چونکہ حتی الوسع لفظی معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے بعض مقام
پر قافیے کی قید میں صرف حرف روی کا خیال کیا گیا ہے۔"

۲۔ "اکثر مقام پر پہلے مصرعہ کے بعد دوسرا مصرعہ تمام و کمال
بریکٹ میں ہے جو ترجمہ نہیں ہے اور بظاہر برائے بیت
معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ تفسیر ہے پہلے مصرعہ کی۔"

۳۔ "صرف ایک دو جگہ نظم کی مجبوری سے اسرائیل۔ اسماعیل
اور ابراہیم کے الفاظ کو مختصر کرنا پڑا ہے۔"

ترجمہ میں ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے قرآن مجید کی آیت لکھی ہے
اس کے نیچے نثر میں ترجمہ ہے پھر اس کے نیچے منظوم ترجمہ ہے۔ آغاز
سورہ فاتحہ سے ہوا ہے۔ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نثر: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

شعر: ہے نام سے خدا کے آغاز کام اچھا — جو مہربان بڑا ہے بے حد جو رحم والا

الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم

نثر:۔ سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا بہت مہربان
نہایت رحم والا۔

شعر:۔ تعریف سب خدا کو جو رب ہے عالموں کا — جو مہربان بڑا ہے بے حد جو رحم والا

مٰلك يوم الدين اياك نعبد واياك نستعين

نثر: مالک انصاف کے دن کا، تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں۔

نظم: محشر کے دن کا مالک (روز جزا کا والی)
تجھ کو ہی پوجتے ہیں ہم تیرے ہی سوالی

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم

نثر: چلا ہم کو راہ سیدھی راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا ہے

نظم: سیدھی ڈگر پہ لے چل ثابت قدم بنا دے
نعمت جنہیں عطا کی ان کی روش بتا دے

غير المغضوب عليهم ولا الضالين

نثر: نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے

نظم: نے ان کی راہ جن پر قہر و غضب ہوئے ہیں
نے ان کی جو بہک کر گمراہ ہو گئے ہیں

آیتوں کا نثری ترجمہ شاہ عبد القادرؒ کا ہے اور آغا شاعر نے اس کو منظوم کیا ہے۔

وایاک نستعین کا ترجمہ ع
تجھ کو ہی پوجتے ہیں ہم تیرے ہی سوالی

میں لفظ "سوالی" نستعین کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "استعانت" سے باب استفعال کی صرف خاصیت لی جا کر اسم فاعل "سوالی" بنا لیا گیا اور اصل اور بنیادی فعل "مدد" کو چھوڑ دیا گیا۔ "الضالین" کے ترجمے میں "بہک" زیادہ ہے۔ اس

سے پہلے بھی منظوم ترجمے کے تعلق سے اظہار خیال کیا جا چکا ہے کہ ضرورت شعری کے تحت شاعر کو کہیں حشو و زوائد سے کام لینا پڑتا ہے تو کہیں وزن شعر کی خاطر موزوں الفاظ سے پہلو گریز کرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن مجید کے ترجمہ میں جائز نہیں پاتیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ آغا شاعر نے دو آیتیں، جو علاحدہ علاحدہ ہیں ان کا ترجمہ ایک ہی شعر میں کر دیا ہے اس سے مفہوم میں غلطی کا امکان ہے۔ مثلاً مٰلك يوم الدين اور اياك نستعين کا ترجمہ:

محشر کے دن کا مالک (روز جزا کا والی) تجھ کو ہی پوجتے ہیں ہم تیرے ہی سوالی بات بظاہر کچھ بھی نہیں معلوم ہوتی مگر یہ نکتہ بڑی نازک ہے۔ اللہ پاک کی صفات سورہ فاتحہ میں رب، رحمٰن، رحیم، مالک ہیں۔ مٰلك يوم الدين پر اوصاف الٰہی کا ذکر تمام ہو گیا اور اياك نعبد سے بندہ کی عجز و انکسار کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور "ایاک" میں ضمیر مخاطب مفعول ہے جس کا مرجع "اللہ" ہے نہ کہ "مالک" جیسا کہ منظوم ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر کم سے کم ایک شعر میں ہوتی تو مناسب تھا۔

زبان کے تعلق سے کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ یہ حالی اور داغ کے دور کی منجھی ہوئی زبان ہے۔ سادہ اور صاف زبان میں ترجمہ کیا ہے کہیں کوئی غریب اور نامانوس لفظ ضرورت شعری کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے تو اس کے معنی بھی بتا دیئے گئے ہیں مثلاً ذٰلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين کے ترجمے:

یہ ایسی کتاب ہے جس میں نہیں کوئی شک
ڈرتے ہیں جو خدا سے ان کے لئے ہے چوک

میں لفظ چومک کے معنی "چراغ ہدایت جس کے چار طرف روشنی ہو"
لکھ دیئے گئے ہیں۔ یہ سورہ بقرہ کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے اس سلسلے
کا مزید چند آیتوں کا ترجمہ بطور نمونہ صفا زبان ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

الٓمٓ

حروف مقطعات

شعر: ایسے حروف اکثر پردے میں ہیں سراپا
قرآن کا رمز ہے یہ اک بھید ہے خدا کا

آیت: ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین
نثر: اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو۔
شعر ایسی کتاب ہے یہ جس میں نہیں کوئی شک
ڈرتے ہیں جو خدا سے ان کے لئے ہے چومک

آیت: الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم
ینفقون۔
نثر: جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے اور درست کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا
کچھ خرچ کرتے ہیں۔
شعر: وہ جو کہ غیب پر ہیں ایمان اپنا رکھتے
قائم کریں نمازیں بخشیں دیئے ہوئے سے

آیت: والذین یومنون بما انزل الیک وانزل من قبلک
نثر: اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو کچھ اترا تجھ سے پہلے
شعر: اور وہ جو مانتے ہیں تم پہ ہے جو کہ اترا
اس پر بھی ہے عقیدت جو تم سے پہلے آیا

آیت: وبالاخرۃ ھم یوقنون
نثر: اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔
شعر: اور آخرت پر بھی ہے جن کو یقین پورا
(قائل سزا جزا کے ہے رات دن کا دھڑکا)

آیت: اولئک علیٰ ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون
نثر: انھوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہونچے۔
شعر: وہ ہی تو راہ پر ہے رب کی طرف سے اپنے
پھل پائیں گے وہی تو ۔ وہی فلاح والے

یہ منظوم ترجمہ قرآن مجید نگارستان ایجنسی کی ایماء سے رمضان المبارک
سنہ ۱۳۴۴ ہجری میں راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور سے چھپ چکا
ہے۔

کتابیات

تراجم و تفاسیر کے جن مخطوطات و مطبوعات پر زیر نظر مقالے میں تبصرہ کیا جا چکا ہے ان کو ذیل کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا اور جن ادھورے مخطوطات کو چھوڑ دیا گیا ہے ان کا ذکر غیر ضروری ہے البتہ اس تحقیقی کام کے سلسلے میں جن کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے چند قابل ذکر کتابوں اور رسالوں کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے :

تاریخ ادب

۱۔ اردوئے قدیم — شمس اللہ قادری
۲۔ یورپ میں دکنی مخطوطات — نصیر الدین ہاشمی
۳۔ دکن میں اردو
۴۔ دکنی ادب — ڈاکٹر زور

۵۔ اردو شہ پارے — ڈاکٹر زور
۶۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو
۷۔ تاریخ ادب اردو — مترجمہ محمد عسکری
۸۔ داستان تاریخ اردو — حامد حسن قادری
۹۔ قدیم اردو — مولوی عبد الحق
۱۰۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام
۱۱۔ ارباب نثر اردو — سید محمد
۱۲۔ تاریخ نثر اردو — احسن مارہروی

تاریخ

۱۔ تاریخ رشید الدین خانی — غلام احمد خاں
۲۔ تاریخ خورشید جاہی
۳۔ تزک محبوبیہ جلد اول — غلام صمدانی خاں گوہر
۴۔ سیر المصنفین جلد اول — محمد یحیٰی
۵۔ تذکرہ علمائے ہند — مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری
۶۔ عہد عثمانی میں اردو کی ترقی — ڈاکٹر زور
۷۔ سلاطین دکن کی اردو شاعری — نصیر الدین ہاشمی
۸۔ تاریخ القرآن — قاضی عبد الصمد صارم
۹۔ تذکرہ ریاض حسینی — فتوت

متفرق

۱۔ ترجمان القرآن — مولانا ابو الکلام آزاد

۲۔ قرآن مجید مترجم و محشی	شیخ الہند مولانا محمود حسن
۳۔ کشاف الھدیٰ یعنی مقدمہ کتاب الھدیٰ	یعقوب حسن
۴۔ تیغ البیان حصہ دوم	مولوی سید ناصر الدین محمد ابو المنصور
۵۔ اصلاح ترجمہ دہلویہ	مولوی اشرف علی تھانوی
۶۔ مجموعہ ہائے لکچر	سر سید احمد خاں
۷۔ حیات جاوید حصہ اول	مولانا حالی
۸۔ مقالات حالی	"
۹۔ آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی

رسائل

۱۔ رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۵۴ء انجمن ترقی اردو (پاکستان)

۲۔ " " جولائی " "

۳۔ رسالہ دار العلوم بابت ماہ اگست ۱۹۵۵ء (دیوبند)

۴۔ " " ستمبر " "

۵۔ رسالہ فیض الاسلام قرآن نمبر ۔ (راولپنڈی)

۶۔ رسالہ معارف علی گڑھ بابت ڈسمبر ۱۸۹۹ء

خوشنویس: عبد الحی زاہد خوشنویس

مطبوعہ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدرآباد دکن